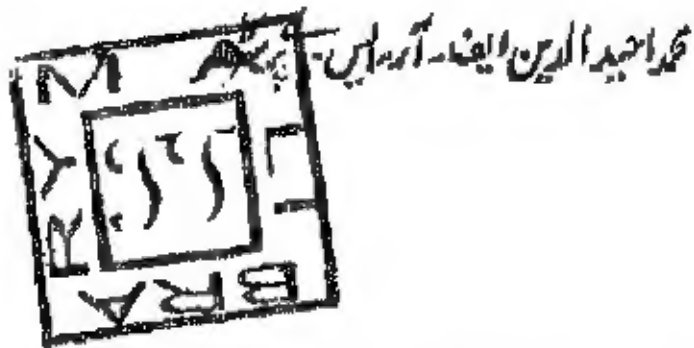


اُرو

دیوان غالب



میر تقی علی نظامی پیریں بیرون



محمد امجد الدین ایف۔ آر۔ ایس۔

ہو چھٹے ھیں وہ کہ "غالب کون ھے" کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلا دیں کیا؟



نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی

خط مرزا غالب

جناب فیض صاحب کو میری زندگی پہنچ کر مر ہو کو غلام غوث شاہ ہلکدیر ^{مست}
 کا قول سچ ہے اب میں تندرست نہیں ہو رہا اپنی زخم جراثیم ^{حشر}
 کہیں نہیں مگر ضعف کے وہ شدت ہے کہ خدا کے پناہ ضعف کتنی ^{کتنی}
 ہو برس دن صاف فرائش رہا ہوں ^۶ ستر برس کے عمر میں خون بدیا
 تہا بے مبالغہ آدھا اوس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن ^۷ ۱۸۷۰
 کہنا جواب پہر تولید دم صالح ہو بہر حال زندہ ہوں
 اور ناتوان اور آپ کے پرشہار رحمتانہ کامنوں ^۸ احسان
 و اس عدم مع الکرام نجات کا طالب ^۹ غالب
 ہر شنبہ ۱۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۰ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۸۶۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ششم

حُسن بے پروا خریدار متاع جلاوہ ہی
آئینہ زانوئے فکر اختراع جلاوہ ہی
یہ کون نہیں جانتا کہ حسین سے حسین شخص میں بھی جس کو قدرتی طور پر آنکھ ناک
چہرہ مہرہ ہاتھ پاؤں غرضکہ تمام اعضا سڈول اور موزوں عطا کیے گئے ہوں دلربا یا نہ
کشش اور معشوقانہ ادا اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ مشاطہ کے ہنرمند
ہاتھ اس میں چارچاند نہ لگاویں اسی مسئلہ کو مرزا غالب نے اپنے اس شعر میں جس کو ہم نے
دیباچہ کا عنوان بنایا ہے اپنے مخصوص رنگ میں بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حسن
اگرچہ بے پروا بے نیاز ہوتا ہے لیکن بناؤ سنگھارا اور جلوہ افروزی کا وہ بھی خواہاں
رہتا ہے۔ بعینہ یہی حال کلام غالب کا ہے غالب کے اشعار میں وہ سب کچھ موجود ہے
جو ایک مکمل اور فطرتی شاعر کے کلام میں ہونا چاہیئے۔ سب سے بڑھ کر اس کا اعلیٰ
تخیل ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے غالب کے اشعار میں ہمیشہ تازگی نظر آتی ہے۔ جب
پڑھتے ہیں نیا لطف ملتا ہے۔ لیکن آج سے بارہ برس قبل کلام غالب کی حالت اس حسین
معشوق حبیبی تھی جس کو قدرت نے ہر طرح کی موزونیت اور خوبصورتی عطا کی ہو

لیکن پھر بھی اس کا حسن نے پروا اختیار متلاع جلوہ ہو۔

سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں نظامی پریس پریوں کو کلام غالب کی مشاطہ گری کا
فخر حاصل ہوا اس نے اردو دیوان غالب کو جو ادنیٰ درجہ کے خانی کاغذ پر غلط
سلط چھپا ہوا چند پیسوں کے بارے لے بکنا تھا ۱۹۱۷ء کے سائز کے اعلیٰ درجہ کے
دیبرو لائیتی سفید کاغذ پر نہایت خوبصورت جلی قائم مگر اشادات اعلیٰ سو فرین
شائع کیا جس کو تعلیم یافتہ طبقہ میں پسندیدگی کا درجہ حاصل ہوا ۱۹۱۸ء میں
دوسرا نسخہ جو حامل شرح تھا نہایت خوشنما سرورق کے ساتھ ۱۹۱۸ء کی
کتابی تقطیع پر پہلے سے زیادہ اہتمام کے ساتھ مجلد شائع ہوا تیسری مرتبہ
پاکٹ ایڈیشن کی صورت میں یعنی موجودہ تقطیع پر نہایت خوشنما و دل فریب
مشرع نسخہ شرح پر نظر ثانی کے بعد ۱۹۱۹ء میں مرتب ہو کر ۱۹۲۰ء میں نکلا۔
جس کے ساتھ ڈاکٹر سید محمود کا عالمادہ اور دھیسپ مقدمہ بھی شامل تھا پھر
۱۹۲۱ء میں میں نے شرح پر نظر ثانی کر کے اس کو دوسرے مرتب کیا جو اسی شان
اور خوب صورتی کو لیے ہوئے چوتھی مرتبہ ۱۹۲۲ء میں ایسی مقبول چھوٹی تقطیع ہو
طبع ہو کر ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچا۔ اس ایڈیشن میں ڈاکٹر محمود صاحب کا
جو مقدمہ شامل ہو اس کو ڈاکٹر صاحب کی نظر ثانی نے پہلے سے زیادہ بکا رآمد
اور دلکش بنا دیا۔ اس کے ایک ہی سال بعد اسی سائز پر ۱۹۲۲ء میں پانچویں
ایڈیشن کو پریس میں پہنچنے کی نوبت آئی جو ۱۹۲۳ء میں تیار ہو کر بازار میں آگیا
اسی سال مشرح پاکٹ ایڈیشن کے علاوہ ۲۲ x ۲۹ پیمانہ کی بڑی تقطیع پر

خوشخط جلی تلم اور اچھے کاغذ پر ایک اور نسخہ شائع ہوا جس کے ساتھ غالب کی نو دہشتہ سولہ عمری اور مشکل الفاظ و محاورات غالبی کی فرہنگ بھی گئی جب نظامی پریس سے اچھے کاغذ اور نو دہشتہ مطابعت کے ساتھ مختلف نشان و صورت کے متعدد ایڈیشن چھپا کر شائع ہوئے تو قدرتی طور پر پاکستان میں اعلیٰ قسم کی چھپائی اور عمدہ کاغذ کے قیمتی نسخے خریدنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ ایک کے اس بڑے ہوئے مذاق سے فائدہ اٹھانے کے لیے نظامی پریس کا دیکھا دیکھی اور مطابعت نے بھی دیوان غالب کو اچھے کاغذ اور بہتر مطابعت کے ساتھ شائع کرنے کی کوشش کی ایک دارالاشاعت نے نومبر ۱۹۶۱ء تک ہمت کی کہ سمندر پار سے "جرمنی نسخہ" تیار کر کے ملنگا یا بدیشی ٹائپ کے چھاپے کا یہ نسخہ پھر دوبارہ نہ چھپا کئی حامل شرح نسخے بھی شائع ہوئے لیکن یہی یہ ظاہر کرنے سے نہایت مسرت ہو کہ نظامی پریس کے شرح پاکٹ ایڈیشن کی مانگ برابر جاری ہو سال گزشتہ کے وسط میں نظامی پریس کا پانچواں مایاب ایڈیشن کم یاب ہو گیا اور قدر دانان کلام غالب کو جنہوں نے گزشتہ چھ ماہ میں اس کو طلب فرمایا یا پوس ہونا پڑا جس کی وجہ سے میری کثرت مشاغل ہو۔ مجھے عظیم الفرستی کی وجہ سے سب سے پہلے نسخے پر درستی غلطی کی غرض سے نظر ڈالنے کا جلد موقع نہ ملا۔ صرف دسمبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں مرعمہ نسخہ کو پریس میں بھیج سکا اور گزشتہ تین ماہ کی مہلت میں کارکنان پریس نے اس کو دوسرے کاموں پر مقدم رکھ کر تیار کر دیا۔ بحمد اللہ آج ڈ

ہم جہت مکمل ہو کر اسی آب و تاب کے ساتھ جس طرح اس سے پہلے
ایڈیشن نکلے تھے شائع ہو رہا ہے امید ہے کہ نقادانِ سخن بالخصوص اردو گان
کلام غالب اس کو متقدم نسخوں سے زیادہ صحیح اور مکمل پائینگے اور اس
خاکسار کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے والسلام

خاکسار نظامی بدایونی

۳ اپریل ۱۹۲۷ء

بدایوں

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U32227

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طبعِ خبیم

اسی تقطیع پر اور اسی شان کے ساتھ ہمارے ادیبانِ غالب چونھی مرتبہ گزشتہ سال انھیں دنوں میں شائع ہوا تھا۔ ایک سال سے کم مدت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اس لیے طبعِ خبیم کا اہتمام آج سے کئی ماہ پہلے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اب مسئلہ کی پہلی سہ ماہی میں وہ مکمل ہو کر اس قابل ہو گیا کہ معزز ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچے۔

اس تازہ گھان کے تیار کرنے میں کارکنانِ پریس نے حتی الامکان اس کمی کو پورا کر دیا ہے جو اس سے ماقبل کی طباعت میں بعض نکتہ سنج ناظرین کو محسوس ہوئی تھی شرح کو منظر ثانی کے بعد زیادہ واضح اور مکمل کر دیا ہے۔ وہ اچھینیں جو بعض اشعار کے متعلق اشاعت مابقی میں باقی رہ گئی تھیں وہ ہو گئی ہیں معافی اور مطالبہ کی وضاحت کے علاوہ طباعت اور صحت کے لحاظ سے بھی یہ نسخہ اپنے پیش رو نسخوں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی

ہم دلدادگان کلام غالب کے سامنے یہ اعتراف کرنے کے لیے تیار ہیں کہ غالب جیسے بڑے شخص کا کلام جس شان و اہمیت تمام سے شائع ہونے کے قابل نہ ہو ہم اپنی بے بضاعتی کے سبب سے اس مرتبہ بھی اس کا عشر عشیر اہمیت نہ کر سکے۔

دیوان غالب کو متعدد مرتبہ نظامی پریس سے شائع ہوتے دیکھ کر بعض صحابہ کی طرف سے ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ غالب کے کلام کا بہت دیرانے کے بجائے نظامی پریس کی صفائی طباعت اور مہتمم کے متعلق اپنی کوششوں کو ادب کے دوسرے اساتذہ کے دواوین کی اشاعت میں صرف کر کے اپنے مطلوبات کے دائرے کو ہم سے بچوں نہیں کرتے کیا ان شعرا کا کلام کیفیات و جذبات کا حامل نہیں؟ کیا وہ اس قابل نہیں کہ تعلیم یافتہ دنیا کے سامنے اس کو اسی شان و فخری کے ساتھ لایا جائے؟ ان سوالات کا جواب صاف ہے۔ دیوان غالب کو متعدد مرتبہ اور جلد جلد چھاپنے کی ضرورت صرف اس وجہ سے پیش آتی کہ اس کی مانگ تھی اور ہو اور آئندہ اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ کیونکہ جو وہ زمانہ میں کلام غالب کی جو کچھ بھی قدر دانی ہوئی وہ اس سے کہیں کم ہو جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔ غالب کا کبھی نہ چرلے ہوئے والا تخیل۔ اس کے فلسفیانہ خیالات۔ اس کے اپنے تئیں تشریحات اور نظریات جدید اس کو اس کے معاصرین شعرا میں ممتاز بنا سنے والے ہیں۔ پیش گوئی کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اس کو اس سے زیادہ حُسن قبول کا درجہ حاصل ہوگا اور ایک نہ ایک دن وہ قدر و منزلت اس کے اس تثنیٰ معیار سے جس کا نقشہ

ہماری آنکھوں میں پھر رہا ہی روشناس ہو گا۔

دوسرے شعرا کے دواوین کی نسبت ہم اپنے شکوہ سنج احباب کو یقین دلاتے ہیں کہ تنظیمی پریس، اردو ادب کے اُن جو اہر خانوں کو بھی جو کج اُسی بے التفاتی کے گڑھے میں دفن ہیں جس میں کچھ سال قبل غالب کا انمول کلام پوشیدہ تھا نقادین اردو ادب کے سامنے لانے کے لیے بالکل تیار ہو۔ اگر موجودہ سیاسی ہل چل کی بدولت ادبیات ترقی کی رفتار دھیمی نہ پڑ جاتی تو ملک کے تعلیم یافتہ گروہ کا پرچم نش: وق اور فہم سلیم کا مطالبہ ضرور اس دھوپ پہنچ جاتا کہ جناب سید اس سحر و صاحب: بی۔ اے۔ آکسن کی ترقی اردو کی اس اسکیم کے تحت میں جس کو ہمارے پریس نے دیوان غالب کی اشاعت کے عملی صورت دی ہے اس وقت تک دیگر شعرا کے کلام کے بھی متعدد ایڈیشن نکل چکے ہوتے لیکن حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بھی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ دیوان غالب کے بعد اردو شاعری کے آفتاب میراٹیس کے مرانی کی پہلی جلد ۱۰۰ صفحات سے زائد حجم کی ضخیم کتاب ہے ایک بسیط مقدمے کے ساتھ شائع ہو کر ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچ گئی جس کے لیے تمام ہی خواہان ادب اردو کو اعلیٰ حضرت قدر قدرت ہر ایک کے الیڈ ہائی فز حضور سید عثمان علیہ السلام بدلتا پشہر یار و کن کی اس گراں قدر امداد کا جو آنکھوں نے اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے مرحمت فرمائی شکر گزار ہونا چاہیئے یہ کتاب دراصل سلسلہ آصفیہ کی جس کی ابتداء تنظیمی پریس نے کی ہے سب سے پہلی لڑی تھی۔ خدا کی زلت کا امید ہے کہ اس سلسلے میں مشاہیر اساتذہ اردو کے دواوین کی اشاعت کا کام

برابر جاری رہے گا۔ کیونکہ اپنی زبان کو ترقی دینے کا مسئلہ جو اس وقت ملک کے
سامنے شد و مد سے پیش کیا گیا ہے اس کا یہ اقتضا نہیں ہو سکتا کہ اب زیادہ عرصہ
تک ہم قدیم اردو شعر کے کلام کے ساتھ کم لگا ہی کو رو رکھیں بلکہ وقت آگیا ہے
کہ ایک مرتبہ پھر اردو شعر کے کلام کے گلاب ستوں سے ہم اپنے تعلیم یافتہ احباب
کی میز کو زینت دینے کے اسباب ہم پہنچائیں۔

وہ بڑے ہی پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا سامان کیے ہوئے

۲۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء خاکسار نظامی بدایونی

مقدمہ

از جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پرنسپل لاہور

دیوان غالب کو اسباقاب کے ساتھ شائع کرنے کا
 تمہید خیال سب سے پہلے میرے معزز دوست سید
 اس محمود صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کو ہوا۔ ادبیات
 سے ہوشیار اُن کو ہر غالب اور ہی اس بات کا محرک ہوا کہ اردو و علم ادب کے خدائے
 سخن کو اس کس میری کی حالت میں نہ رہنا چاہیئے جس میں کہ وہ اب تک ہماری
 غفلتوں اور لاپرواہیوں سے بڑا ہوا ہے۔ غیر ملکوں کے لٹریچر کے مطالعے نے
 اُن پر ثابت کر دیا ہوگا کہ قومی باطنی ترقی کے لیے اعلیٰ علم ادب کس درجہ ضروری
 اور لازمی ہے اور بغیر اس کے کوئی قوم ہر ارج ترقی کے پہلے زینہ پر بھی قدم رکھنے کا
 دعویٰ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ان کی تحریک پر مولانا نظامی بدایونی نے دیوان غالب
 کا پہلا ایڈیشن نفیس کاغذ اور صاف ستھری چھپائی کے ساتھ ملاک میں پہلی مرتبہ
 شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن اور زیادہ عمدگی اور صحت کے ساتھ نکلا۔ تیاری یافتہ گروہ
 نے اس کی قدر کی جس سے پتا چلا کہ اہل ملک غالب کی عظمت کو پہچانتے ہیں اور اس
 ترجمان حقیقت کے فلسفیانہ خیالات کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان دونوں اشاعتوں کے بعد

پچھیر نے نظامی صاحب کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے تحریک کی کہ اب تیسرا ایڈیشن پاکسٹ ایڈیشن کی صورت میں شائع ہونا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ ہی اور تجاویز پیش کیں۔ مولانا نظامی نے میری تجاویز کو منظور کر لیا۔ لیکن اس قصود کے بدلے ساتھ ہی میری سزا بھی تجویز کر دی اور مجھ سے فرمائش کی کہ تیسرے ایڈیشن کے لیے مقدمہ نم لکھو اور اس پر اصرار اور سخت اصرار ہوا کہ میں نے اپنی حماقت سے کچھ تو "الامرفوق الادب" کا لحاظ کر کے اور کچھ سزا کی آہستہ کو نہ سمجھ کر وعدہ کر لیا۔ آج چھ ماہ کے تقاضوں سے تنگ آ کر ایسا وعدہ کی کوشش کر رہا ہوں اور اب مجھے پتا چل رہا ہے کہ میں چیز کا میں نے بلا سمجھے وعدہ کر لیا تھا وہ میرے بس کا کام نہیں تھا۔ حسن اتفاق سے آج کل دلی آیا ہوں اور یہ چندہ راق پریشاں اسی پاک سرزمین پر لکھے گئے ہیں۔ جہاں وہ کشاف رایت فطرت مرزا اسد اللہ خان غالب بقائے دوام کا جام فروش کر کے پڑا سو رہا ہے۔

"میری تصانیف میں لوگوں کو تیری ہی تصویریں نظر آتی ہیں وہ آتی ہیں اور مجھ سے پوچھتی ہیں "وہ کون ہے" مجھے نہیں معلوم انھیں کیا جواب دوں؟ میں تیرے فسانے اپنے غیر فانی نغموں میں سنایا کرتا ہوں۔ رایت دل بے اختیار عمیاں ہو جاتا ہے۔ وہ آتے ہیں اور مجھ سے پوچھتی ہیں۔ بتا ان سے تیرا کیا مطلب ہو میں نہیں جانتا انھیں کیا جواب دوں۔

میں کہتا ہوں "آہ کون جانتا ہے ان کا کیا مطلب ہو؟" (پتھر)

شاعری کیا ہے؟ اس کا جواب کچھ آسان نہیں۔ سینٹ اگسٹن نے
 اس کا جواب ایک دلفریب پیرایہ میں دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر مجھ سے نہ پوچھو
 تو مجھے معلوم ہو اور اگر پوچھو تو میں جانتا نہیں، گو ہم میں سے ہر شخص کو اس کا
 جانی احساس ہو کہ شاعری کسے کہتے ہیں۔ لیکن اس احساس کا صحیح الفاظ میں اظہار
 اگر غیر ممکن نہیں تو وقت طلب ضرور ہے۔ شاعری اس فن کا نام ہے جو قوت متخیلہ کے
 توسل سے انبساط اور حقیقت کو ملا دیتا ہے۔ اور اس کا مقبوا ایجاد ہوتا ہے۔ کاروان
 کہتا ہے کہ شاعری ایک ہوسبقانہ خیال ہے۔ شبیلہ اس کی تعریف یوں کرتا ہے کہ
 شاعری قوت متخیلہ کا انکشاف ہے۔ دراصل یہ وہ فن ہے کہ جس کے ذریعہ
 سے لفظوں کا استعمال کر کے پردہ تصویر پر خیالی نقش ڈگکا ثبت کیے
 جاتے ہیں۔ جو کام مصور رنگوں کے استعمال سے لیتا ہے وہی کام شاعر الفاظ
 کے ذریعہ سے نکالتا ہے۔ شاعری جذبات اور خیالات کی بولتی چالنی
 تصویر اور حسن و حقیقت کی تشریح ہے۔ انسانی قلب کے کیفیات کو سرلی
 زبان کے ذریعہ سے معرض بیان میں لاتی ہے۔

طریقہ انسانی زندگی کی ایک تفسیر ہے۔ شاعری انسانی قلب کے لیے
 ان امور میں تسکین و ثابت ہوتی ہے جن کا فطرت نے کوئی افسانہ نہیں
 کیا۔ شاعری کے اعلیٰ مقوم کے لیے ضروری ہے کہ خواہ شاعر فلسفی ہو یا نہ ہو
 فطرت اس کی عنائی کی عمارات اسی مستحکم بنیاد پر قائم ہیں جس میں تزلزل نہ
 ہو۔ ایک شاعر کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ جیسا کہ اس کی غرض عالم حسن
 سے محقق ذوق و سرور حاصل کرنا ہو۔ اس کی قوت متخیلہ کی پرواز کے لیے

کافی وسعت ملنی چاہیے۔ لیکن جب وہ تصالح بنتا ہو تو ہم اس امر کے طلبگار ہوتے ہیں کہ اس کی تعلیم و تلقین فہم و ادراک کے واسطے اطمینان بخش نہایت ہوا و زینر تخیل کے لیے دلکش اور قلاب کے لیے موثر ہو۔ حقیقی شاعری ہماری نگاہوں میں وہ تخیل پیدا کرتی ہو جس سے ہم حسن کی جلوہ افروز یوں سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ نیز روحانی معنی کے دروازے ہماری آنکھوں کے سامنے کھل جاتے ہیں۔

غالباً ہم میں ایسے اشخاص کم ہونگے جو شاعرانہ بصیرت اور ادراک سے محروم ہوں۔ اور جن کے حصّہ میں یہ لطف تخیل اور خداداد جوہر نہ آیا ہو۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ تھوڑی بہت شاعرانہ استعداد جو خداوند عالم نے ہم میں ودیعت کی ہو یا وہی تاثرات کے عمل سے ایک عرصہ کے بعد بالکل مفقود اور کالعدم ہو جاتی ہو۔

فطری شاعر وہ ہو جس میں مجازی حسن کے مشاہد سے اور حقیقی معنی کے ادراک کی قوت ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس میں نفرت کی طرف سے ایسی قوت و ودیعت کی گئی ہو جس سے وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ایسے رنگ میں بیان کرے کہ ہماری آنکھوں میں اس کا سماں بندھ جائے اور ہمارے جذبات مشتعل ہو جائیں وہ ہمارے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لے اور اپنے الفاظ کی بندش اور بیان کی رنگینی سے ہمارے سامنے وہی تصویر کھینچ دے جس کو وہ خود دیکھتا اور محسوس کرتا ہو۔

شاعری ہمارے تخیل کو استوار اور ہماری ہمدردی کو مستحکم کرتی اور

ہماری شاعرانہ ترجمانی کی قوت کو زلفہ زلفہ بڑھاتی ہو لیکن اگر تخیل اور احساسات کے ذریعہ سے اسرارِ حیات کی ترجمانی کا نام شاعری ہو تو اس کو سب سے بڑی اہمیت اس قوت سے حاصل ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ زندگی کے اہم ترین حالات ہماری نظر کے سامنے پیش کرتی ہو۔ دنیا کے بڑے اور نامور شاعر ہمیشہ ملنے آئے ہیں کہ زندگی ہی شاعری کی بنیاد ہو زندگی ہی سے اس کا تعلق ہو اور زندگی ہی سے اس کا وجود ہو۔

اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھ کر شاعر نے کارِ نمایاں کیے ہیں اور زندگی کو بخوبی سمجھتے اور صحیح ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے اور دراصل یہاں ان کی عظمت کا ثبوت ہے۔ کلام میں خاص خیالات کی محض موجودگی سے کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا بلکہ جو چیز کسی شاعر کے کلام کو زیادہ موثر بناتی ہے وہ دراصل اس کا وہ پیرایہ بیان ہے جس میں خیالات کا اظہار کیا گیا ہو۔ کسی نظم کے مطالعہ کے وقت شاعر کی وسعتِ نظر اور اس کی شخصیت کی حرارت اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے اور پھر اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے جو شاعر کی فراوی حیثیت سے تمیز کرتا ہے۔

غالب کی شاعری پر تنقیدی نظر حقیقتاً کچھ آسان کام نہیں ہے اور اس کی بابت پردہ انداز اور شک و شبہ خیالات اس کا تعمق اس کی فہم رسا اور عظمت تخیل اس کا عجیب سا اور انوکھا طریقہ بیان اور اس کی صناعی وہ چیزیں ہیں کہ جن کو بخوبی سمجھنا اور الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا میری استعداد سے بالاتر ہے۔

مولانا حالی جدیداً مکہ میں اور صاحب ذوق سلیم ہی اس کام کو سرانجام
 دینے کی قابلیت رکھتا تھا۔ مولانا حالی کی کتاب یا دو گار غالب بیشک ایک
 قابل تصنیف ہے۔ لیکن یہ محققانہ و عالمانہ تصنیف بھی شیدائے غالب کی
 پیاس نہیں بجھاتی۔ وہ غالب کی حقیقی عظمت کا بہت تھوڑا حصہ ظاہر
 کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا ممدوح نے زمانہ کی قدرناستہنسی اور ابنائے
 زمانہ کی تنہائے استعداد و قابلیت کا خیال کر کے "لکھو الناس علی قدر عقولہم"
 کے دانشمندانہ مقولے پر عمل فرمایا ہو اور ان دقائق کا اظہار مناسب نہ سمجھا ہو
 جن کو صرف انھیں کی چشم بصیرت کلام غالب میں دیکھ سکتی تھی لیکن اس نے
 دور نے مغربی تبلیغ میں ہندوستان میں ایک ایسا نوجوان پیدا کیا تھا۔
 جس نے مرزا غالب کی عظمت حقیقی معنوں میں پہچان لی تھی اور جو غالب کے
 کلام کو ایسے حسن معانی کے ساتھ ملا کے سامنے پیش کرنے والا تھا۔ جس نے فلسفی
 اور صوفی شاعر اور سائنس وال سب ہی تجزیہ جاتے۔ آہ! عبدالرحمن
 عمر نے تیرے ساتھ وفات کی اور تو ملک و قوم کی عظیم الشان خدمت انجام
 نہ دے سکا غالب نے ایسے ہی موقع کے لیے اور شاید تیرے ہی واسطے یہ
 کہا ہو۔

ہاں اے فاک پیر جو ان تھا ابھی رحمنؐ

کیا پیرا بگڑتا جو نہ مڑتا کوئی دن اور

یہ نوجوان فلسفی و شاعرانہ تخیل سے بہرہ ور تھا۔ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ

ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس و پیر اور دیوان غالب

۱۔ اہل شعر میں رحمن کے بجائے عارف ہے۔ یہاں رحمن سے ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری

کون شخص ہی جو دیوان غالب کے مطالعہ کے وقت پر نہیں محسوس کرتا کہ اس کا
 لکھنے والا حقیقی ماہر فن ہو اور شاعری خدا کی طرف سے اس کو ودیعت کی گئی ہو
 اور اس کی شاعری کسی نہیں ہے۔ اس کی شیریں بیانی اور مذاق سلیم اس کی بلاغت
 و فصاحت۔ اس کی عظمت اور بلندی خیال۔ اس کی سنج و خوشی اس قدر
 دقیق اس قدر لطیف اور اس قدر نازک ہیں کہ ضبطِ تحریر میں لانے
 کی گنجائش نہیں۔

غالب کی ہستی اُن چیدہ اور بزرگ تر خاصانِ خدا کے گروہ سے ہے جن کا
 وجود ابدی ہے۔

غالب کی ذکاوت و بزرگی اس کی مستحق تھی کہ اس کی شہرت
 پورا عالم میں ہوتی۔ وہ ایک غیر معمولی طور پر ذکاوت کی پیش گو فلسفی اور
 ایک بلند پایہ شاعر ہی جس کے قصائد انوری و خاقانی کے قصائد سے
 مرتبہ میں کم نہیں۔ جس کی غزلیات عرفی و طالب کی غزلیات پر نسبت

ہے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ پی۔ ایچ ڈی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ بھوپال کے
 سرکار ہی کتب خانہ میں مرزا غالب کے قدیم دیوان اردو کا ایک نسخہ دستیاب ہوا
 تھا جس میں وہ تمام نظمیں اور غزلیں موجود ہیں جن کو مرزا دیوان کی ترتیب سے
 وقت مرزا نے خارج کر دیا تھا۔ یہ دیوان آگرہ کے میں نواب افتخار الملک جناب صاحب
 محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بھوپال کے حکام سے چھپا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب
 سکریٹری انجمن ترقی اردو دس سالہ اردو جہتہ اول ہیں اس بہرہ کو جو مرحوم اکبر نے کلام غالب
 پر لکھا تھا۔ محاسن کلام غالب کے عنوان سے شائع کر دیا ہے خدا کا شکر کہ اس کا تذکرہ ضمیمہ
 ضائع نہ ہوئی اور اس پر اس طرح فلسفی کی محنت نہ لگائی گئی۔

رہتی ہیں جس کی رہا عیادت فارسی عمر خیام کی رہا عیادت سے دقیق ہیں اور
جس کی نشر ابو الفضل اور ظہوری کی نشر سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ وہ ^{حقیقت} حسن
کا پرستار ہے اور زندگی کے مختلف ترائوں کا منحنی۔ اگر وہ ایک طرف
آتش سیال اور شرمیلے گلاب کی تعریف میں نغمہ سرا ہوتا ہے تو دوسری طرف
فلسفے کے دقیق اور اہم ترین مسائل کا انکشاف کرتا ہے اس کی فارسی اور
اردو دونوں دیوان علم ادب کے بیش بہا جواہر ہیں۔ ان میں عقل و باقوت
گوہر و زمرد سب ایک جا جمع ہیں۔

غالب ایسے وقت میں نیرم شعرا میں رونق افروز ہوا جب کہ اسلامی
عروج کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم ہو رہا
تھا۔ پرانی وضع و پیرانا تمدن رفتہ رفتہ نیست و نابود ہوتا جاتا تھا۔ اس وقت
ہر صاحب نظر لسان لعل حضرت اکبر الہ آبادی کی زبان سے یہ ضرور
کہہ رہا ہو گا۔

”نئے انداز کی خوشیاں نئے اسباب غم ہونگے“

اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم غالب کے کلام میں افسردگی اور تسلیم و رضا
کی نمایاں علامت پاتے ہیں۔ انسانی رنج و خوشی کا احساس اور اس سے
ہمارے ہی اور اس احساس و بہار و دی کا عجیب پر محنی پیرایہ اور دلکش
الفاظ میں اس کا اظہار کچھ غالب ہی کا حصہ تھا۔ وہ دوسرے شعرا
کی طرح انسانی کمزوریوں پر قہقہہ نہیں لگاتا۔ بلکہ وہ خود ان کمزوریوں سے
متاثر ہو کر ان کے ساتھ رہتا ہے۔ گناہ گار کا وہ سچا ہمراہ ہے۔ اور

اس نامہ پر کی رائے میں سچے مصوٰر فطرت کا یہ فرض آدلیں ہیں۔
 حضرت غالب کی دقیقہ سنجی ان کے ہم عصر اشخاص کی سمجھ سے
 بالا تھی اس لیے غالب کے کلام کی قدر و قیمت ان کے زمانہ میں نہیں
 کی گئی۔ لیکن ہر ملک میں تقریباً تمام صاحبان فن و کمال کے ساتھ ایسا
 ہی ہوتا آیا ہے۔ غالب کی ذات اس سے کیوں مستثنیٰ ہو سکتی تھی۔ ہر
 مبالغہ آمیز خود نمائی نہ تھی بلکہ اپنی خداداد مہارت اور بے منتظر کمال کا پورا
 یقین تھا جس نے اس خدائے سخن سے یہ اشعار کہلاوائے۔

تازہ دیوانم کہ سر مست سخن خواہ شدن

ایں دوزخ و خیر و بد را کہن خواہ شدن

ابھی پورے چاس برس نہیں گزرے کہ وہ کشف حقیقت اپنے
 کلام جاودانی کی نغمہ سرائی چھوڑ کر عالم بقا کو سدھارا اور عاشق صادق
 اپنے معشوق حقیقی سے جا کر مل گیا اور اس کے لیے پھر "من و تو" کا تلبہ باقی
 نہ رہا جیسا کہ اس نے خود کہا ہے۔ نظر و دیباہیں چل جائے تو دریا ہو جائے
 کام اچھا اور وہی جس کا مال اچھا ہے

اتنے ہی تھوڑے عرصہ میں اس کی ہر لغز نبی کا یہ عالم ہو کہ اس کے
 دیوان کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں اور پھر ہر طرف سے مانا کہ یہ بہت سی
 نئی تہذیب کے دلدادہ جو مغربی ماڈل سے تنک آ کر حقیقی خوشی کی تلاش
 میں سرگرداں ہیں۔ ان کو غالب کے کلام کے مطالعہ میں ہر بار نیا مزہ ہو رہا ہے
 کیفیت و جادائی و سرور روحانی کا لطف لہا ہی جس سے ان کی طبع لول

ایک گونہ نشئی و نسکین ہوتی ہے۔ شعراء کا کام نغمہ سرانی کر کے صرف
بچپن دلوں کو مسرت بخشنا ہی نہیں۔ بلکہ ملکی و قومی ترقی میں نمایاں حصہ
لینا بھی ان کا فرض ہے۔

شیکسپیر کا کلام انگلستان میں اور گوٹے کا کلام جرمنی میں
بہت کچھ ملکی و قومی ترقی کا باعث ہوا۔ اب آئندہ غالب کا کلام کہاں تک
اور کس حد تک اس بد نصیب ملک ہند کی ترقی میں مدد و معاون ہوگا۔
اس کا جواب صرف آنے والی نسلیں دے سکتی ہیں۔

تمیق خیال۔ خوب صورت اور قریباً بے عیب طرز ادب و سبب منظر
عالمگیر ہمدردی و غمخواری۔ انسان اور اس کے خصائل سے گہری واقفیت
اور جوہر تاثیر۔ تمام خوبیاں غالب کی نظر اور نثر دونوں میں کوٹ کوٹ کر
بھری ہوئی ہیں۔ غالب کے کلام میں ست احوانہ تخیل کی عظیم الشان بلندی
اور پرسکون فلسفہ زندگی۔ انسانی ہستی کی رنج اور خوشیاں۔ زندگی کے
مکرو و استسا سے صاحبان دل کی کش مکش اور رنجیدہ دلوں کو تسکین و حبت
دینے کی قوت سب کچھ موجود ہے۔ صرف مطالعہ کرنے والے کو اہل دل و
صاحب ذوق ہونا چاہیے۔ وہ ہم کو زندگی کی حقیقت اس کی اہمیت اور
اس کا راز بتاتا ہے اور ہم کو خودی کے تاریک غار سے نکال کر ایک غیرتنا ہی
بلندی پر لے جاتا ہے۔ جہاں سے ہم وہ چیزیں دیکھنے لگتے ہیں جن کے
بیان سے ہماری زبان قاصر ہے۔

کلام غالب کا مطالعہ کرتے وقت ہر ایک کو یہ احساس ہوتا ہے کہ گویا شاعر

اُسی کے جذبات ولی کی ترجمانی کر رہا ہو۔ اور یہی کمال شاعری ہو۔
 تمام صنعتوں کا مقصد انسان کے لیے خوشی بہم پہنچانا ہو۔ انسان کو کس
 طریقے سے خوش کیا جائے اس سے زیادہ اہم سوال دنیا میں نہیں ہو۔
 سچی صنعت صرف وہی ہو سکتی ہو جو انتہا درجہ کی خوشی و لذت بخشنے
 منظم چاہے کتنی ہی دور و انگیز کیوں نہ ہو پڑھنے والے کو اس سے بھی
 لطف و خوشی حاصل ہو سکتی ہو غالب کی شاعری میں خاص بات یہ کہ جتنا زیادہ
 دلسوز مضمون ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ پڑھنے والے کو لطف حاصل ہوگا۔
 بہر حال اس سے کون انکار کر سکتا ہو کہ مرزا غالب کا کلام توحید۔ تصوف
 حکمت فلسفہ عبرت بے ثباتی و فنا خود داری۔ جذبات حب الوطنی۔
 ارتقا تئراخ۔ وحدت الوجود وغیرہ وغیرہ مسائل اور دوسرے مسائل
 فطرت کے بہت سے انکشافات سمجھ رہی۔ تقریباً تمام اردو شاعری
 غزل گوئی یہی کہ پُرانے پامال مضامین جو مدتِ اُمر سے اول عربی بہن فارسی
 اور اس کے بعد اردو غزلوں میں بندھتے چلے آتے ہیں۔ بہ تبدیل افاقہ جمالی
 بول چال اور روزمرہ میں ادا کیے جاتے ہیں۔ بقیل "مولانا حالی میر سے دوستانہ
 یک جتنے مشہور غزل گو اہل زبان میں گزرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں ایسے
 مضامین بہت کم ملیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں۔ ان
 فن کا کمال یہی سمجھنا تھا کہ جو مضامین پہلے بندھ چکے ہیں انہیں کو۔ بلکہ
 اسلوب میں اس طرح ادا کیا جائے کہ نئی بندش پہلے بندشوں سے بڑھ جائے
 برخلاف اس کے مرزا کی غزل میں ایسی نازک خیالی اور ایسے اچھوستے

مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن کو اکثر شعرا کی فکر نے بالکل چھوڑا تھا۔
 مرد غالب شائع عام پرچلتا نہیں چاہتے تھے اور عامیہ خیالات
 اور محاورات سے حتی المقدور اجتناب کیا کرتے بلکہ عام محاورات کا استعمال
 وہ اپنے لیے معیوب جانتے۔ عام فہم شاعر کہنے سے اسے کہیں زیادہ
 پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے کہ ان کے طرز خیال اور طرز بیان
 میں ایک جدت اور ترائی پائی جاتی اور یہ کہنا کسی طرح غلط نہیں کہ
 کہ مرزا آزاد و شاعری میں اپنے طرز کے موجود تھے۔ اوائل میں وہ بیدل
 کے کلام سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ موجودہ دیوان کی اکثر غزلوں
 میں بھی جا بجا اس کی شہادت ملتی ہے۔ اس دیوان میں اول سے
 آخر تک بے شمار ترکیبیں اسی ملتی ہیں جو اردو شعرا کی عام شاہ راہ
 بالکل اگلی ہیں اور جن میں بیدل کا رنگ صاف طور پر نمایاں ہے مثلاً
 دام شبنم یک بیاباں ماندگی ماتم یک شہر آرزو بہت خیر اندازہ، سون
 غلیظہ صد رنگ۔ نشہ ہا شاداب رنگ۔ عرض ناز مشوخی ونداں، ایک جہاں
 زانو تامل، رنگ تماشا باحق اس قسم کی بندشوں کے علاوہ جو کثرت سے ملتی
 ہیں۔ بعض پوری غزلیں ایسی ہیں جو پورے کرم صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ
 قصداً بیدل کے رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشا موج شرب دے بڑھو کو۔ دل دے شنائی شراب
 پوچھ مست و بے ہوشی۔ ارباب چمن سایہ تاک میں ہوتی ہو موج شرب
 جس قدر روح بھاتی ہو عکس نہاں دے بوسکیں ہم آپ بھائی شرب

یا مثلاً یہ غزل :-

عرصہ ناز شوخی و مذاں ہوائے خندہ ہو دعویٰ اجمیست احباب جائے خندہ ہو
ہو عدم میں غم جو عبرت انجام گل یک جہاں را تو تامل در خاکے خندہ ہو
قصائد میں بھی تقریباً یہی حال ہے چنانچہ قصیدہ اول و دوم اور خاکسار
ان کی تشبیہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ
کہ وہ مرزا بیدل کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر وہ مقتضائے
طبیعت کے خلاف کچھ تو اس راہ کے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے
اور کچھ معترضوں کی نکتہ چینیوں سے تنگ آ کر رفتہ رفتہ اس روش کو چھوٹے
کئے اور اس کشمکش میں ایک ایسی محتل روش کی بنیاد پڑ گئی جس کو خاص
کی روش کہنا چاہیے۔

ان کے زمانہ میں ایک بڑا گروہ ان کی مشکل پسندی کے باعث ان
کی شاعری کا قائل نہ تھا چنانچہ لوگوں کی مخالفت اور قدر بنائشی سے
تنگ آ کر مزے لے رہے تھے پیرایوں میں اس کا اظہار کیا ہی ایک جگہ
فرماتے ہیں :-

یار سادہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھنے کے مری بلت

دے اور دل ان کو چونے کے مجھ کو نیاں

اس شعر میں اپنے مخالفین کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور ایک
منہایت عمدہ پیرایہ میں ان کی تافہی پر چوٹ کی ہے۔ مندرجہ ذیل رباعی سے بھی
اسی قسم کا مضمون مفہوم ہوتا ہے :-

رباعی

مشکل ہی نہیں کلام میرا اسے دل سن سن کے اُسے سہو راں کمال
 آسانی کہنے کی کرتے ہیں فراموش گویم مشکل و گم نہ گویم مشکل
 اب ملک میں زبان فارسی کا رواج اس قدر کم ہوتا جاتا ہے
 کہ یاد خود اس درجہ قبولیت کے بھی مرثیہ کے فارسی کلام سے بہت کم
 لوگ واقف ہیں۔ ان کے فارسی دیوان میں بھی وہ نایاب و اہر پوشیدہ
 ہیں جن کو بازار علم میں لایا جائے تو انمول ثابت ہوں گے۔ مرثیہ اکو اسی
 فارسی کلام پر فخر تھا۔ اور اس کا ذکر انھوں نے متعدد مقامات پر کیا ہے
 ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر مجھ کو نادمی کوئی ان کا لطف
 نہیں اٹھاتا۔“

اُس زمانے کے خیال کے مطابق مرزا غالب اور دوشاعری کو داخل
 کمالاں نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُس میں اپنی کسر شان جانتے تھے۔ چنانچہ
 ایک فارسی قلم میں جس کی نسبت مشہور ہے کہ اُس میں ذوق کی طرف خطابت
 کہتے ہیں۔

فارسی میں تازیانی نقش ہائے رنگ رنگ بگڑا
 رامستہ ہو گیا گویم میں از دستہ ستر تنواریں
 بگڑا از مجموعہ اردو کہ بے رنگ ہیں
 ہرچہ در گفتار فخر تست آن رنگ ہیں
 ان اشعار میں اپنے فارسی گوئی کے جوش کمال میں مجموعہ اردو کو

اپنے لیے موجب تنگ بتایا ہے۔ ورنہ حقیقت میں ان کا دیوان نہ بچتا
 "کم از گلشن شمشیر نہیں" کی نفیس اور پاکیزہ تشبیہ سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔
 قالب کے اشعار کی نسبت ایک عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے
 کہ ان میں سادگی و صفائی و سلاست جیسی چاہیے نہیں پائی جاتی
 الفاظ کا انتخاب ان کی ترتیب اور جملوں کی ترکیب عموماً ایسی ہوتی ہے
 کہ سامع کا ذہن آسانی اور سرعت کے ساتھ معنی مقصود تک نہیں پہنچتا
 بلکہ ہتھار اور ہشتبازہ میں مبتلا ہو کر معنی مراد سے دور بہک جاتا ہے۔ اس
 میں شبہ نہیں کہ قالب کے دیوان اردو میں بہ کثرت ایسے اشعار پائے
 جاتے ہیں کہ جن کے معنی مطلوب تک پہنچنے کے لیے فکر و ذہن پر حاد
 معمول سے زیادہ بار ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سادگی
 و صفائی بیان جس طرح یا بال اور پیش یا افادہ مضامین اور روزمرہ کے
 سادہ واقعات کے لئے حسن کلام ہے اسی طرح دقیق و فاضل اور بلند و
 سنجیدہ مضامین کے لیے بھی حسن کمال ہے لیکن دونوں قسم کے مضامین اور
 تخیلات کے لیے سادگی کلام اور صفائی بیان کا معیار ایک نہیں ہو سکتا
 درحقیقت کسی کلام کی سادگی یا غیر سادگی کا فیصلہ کرنے میں محض الفاظ
 مانوس۔ کثیر الاستعمال اور عام فہم اور ترکیب کے عامیانہ اور بربان و زمرہ
 ہونے یا نہ ہونے کو پیش نظر رکھنا کافی نہیں ہے بلکہ نفس مضامین کی نوعیت
 اور تنقضانے حال کا لحاظ رکھنا شرط ضروری ہے۔ فصاحت کی تعریف یہ
 کہی گئی ہے کہ کلام غیر مانوس اور متروک الاستعمال الفاظ اور ثقیل و ناگوار
 الفاظ و کلمات سے پاک اور تعقید لفظی و معنوی سے محفوظ ہو۔ بلاغت کا

مفہوم میں فصاحت کے علاوہ الفاظ اور ترکیب کا مقتضائے حال کے موافق ہوتا داخل ہو ظاہر ہو کہ جس چیز کو اصلاح فن میں فصاحت و بلاغت کہتے ہیں اسی کو عام فہم الفاظ میں سادگی و صفائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غالب کے کلام کو اس معیار سے جانچ تو صاف نظر آئے گا کہ اس کا اشکال سادگی و صفائی کی کمی یا بہ الفاظ دیگر فصاحت و بلاغت کے نقصان سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا باعث نفس مضامین کا دقیق اور فہم عوام سے بلند تر ہونا ہے۔ اور بس۔

ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ مرزا غالب کی کوشش ابتداء سے یہ رہی کہ وہ مرزا عبدالقادر بیدل کے رنگ گوارہ دو میں منتقل کریں۔ قلع مظاہر جھٹوں کے جو آغلوں نے دوستوں کے اصرار سے اپنے دیوان سے خارج کر ڈالے موجودہ دیوان میں بھی جا بجا اس کی صریح شہادتیں پائی جاتی ہیں جن کی طرف ہم ناظرین کو توجہ دل چکے ہیں۔ غالباً اہل نظر واقف ہوں گے کہ بیدل کی خیالی بندی کو سادگی اور سلاست سے کس قدر بُعد ہو لیکن ہم نہایت حیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ مرزا غالب کے کلام میں باوجود خیالی بندی اور معنی آخرینی اور ثنائیت و حذالت اور باوجود تشبیہوں کے حدت اور استعاروں کی طرفگی کے سادگی اور سلاست کا عنصر بھی ایک کافی حد تک موجود ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ دیوان کا ایک معتد بہ حصہ سادگی اور صفائی کا بہترین نمونہ ہے۔

ناظرین کی دلچسپی کے لیے اس قسم کے کچھ اشتراک متفرق غزلوں سے لے کر

ہم نقل کرتے ہیں۔

کوئی امید پر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہو
جانتا ہوں ثواب طاعت ہے
ہم وہاں ہیں جہان سے ہم کو بھی
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
حب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
شکن زلف عنبریں کیوں ہو
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں

فریاد کی کوئی کی نہیں ہو
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہو
ہاں کھائے موت فریب ہستی
ہستی ہو نہ کچھ عدم ہی غالب

ابن مریم دعا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی
بات پرواں زبان کتنی ہو
بک ساہوں جنوں میں کیا کچھ
نہ سنو گر بُرا کہے کوئی

کوئی صورت نظر نہیں آتی
غیر کیوں رات بھر نہیں آتی
پر طبیعت ادا ہر نہیں آتی
کچھ ہماری شب نہیں آتی
کاشش پوچھو کہ مدعا کیا ہو
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہو
غمرہ و عشوہ ادا کیا ہو
بگڑ چشم سرمہ سا کیا ہو
باہر کیا چیسز ہو ہوا کیا ہو

نالہ پابند کی نہیں ہو
پر تجھ سے تو کوئی شے نہیں ہو
ہر چند کہیں کہ ہو نہیں ہو
آخر تو کیا ہو "اے نہیں ہو"

میرے دکھ کی دعا کرے کوئی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
وہ کہیں اہر سنا کرے کوئی
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ کو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بجٹن دو گر خطا کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا کلا کرے کوئی۔

مندرجہ بالا اشعار جن غزلوں سے ہم نے لیے ہیں ان کا عام رنگ یہی ہے
اور ایسی غزلوں کی کافی تعداد دیوان میں موجود ہے۔ یہاں ہم شاعری کے ایک
اہم نکتہ کی طرف ناظرین کی توجہ منطوق کرانا چاہتے ہیں۔ جس سے مراد اے
مذاق سلیم اور اعلیٰ سلیقہ شاعری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سادگی
اور صفائی کی جو بحر میں اُنھوں نے اختیار کی ہیں وہ بہت چھوٹی اور اس مقصد
کے لیے نہایت ہی موزوں ہیں۔ دوسری بابت قابل توجہ یہ ہے کہ مرزا کے
کلام کے اس حصہ میں باوجود انتہائے سادگی اور سلاست کے حتیٰ کہ ان میں
کے بعض اشعار فارسی اضافات سے بھی عاری ہیں ان کا خاص رنگ

صاف طور پر عیاں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہوس کو ہوشا جٹ کا رکھا کیا	ہو مرزا تو جینے کا مرزا کیا
نواز میں ہائے بیجا دیکھتا ہوں	شکایت ہائے رنگیں کا کیا
دل ہر قطرہ ہوسا نہ انا لہجہ	ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
سُن اے غارت گر جنس و فائن	شکست فتنہ پیشل کی صدا کیا

درومنت کش دوا نہ ہوا	میں نہ اچھا ہوا نہ بُرا نہ ہوا
کیا وہ مزد و کی خدائی تھی	بندگی میں مرا مہلا نہ ہوا

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی۔ غنی حق تو یہ ہو کہ حق ادا نہ ہو ا
 پھر مجھے دیدہ نہ یاد آیا دل جگر تشنہ زیادہ آیا
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی کیوں تزارادہ گزر یاد آیا
 پھر ترسے کوچہ کو جاتا ہو خیال دل گم گشتہ مگر یاد آیا
 ہو بجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پروا فرشتہ نہیں
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

مرزا کے اچھوتے خیال۔ ان کی بلند پروازی اور تعمقِ مضامین کی
 مثال میں یہاں ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں۔
 ہوس کو ہوشِ طائر کا کیسا کیسا
 نہ ہو مرنے تو جینے کا مرزا کیسا
 کیا نفیس اور نرالا خیال ہے۔ زندگی کا لطیف اسی لیے ہو کہ لوگوں
 کو مرنے کا یقین ہو ورنہ دنیا کا کوئی کام بھی انسان کی شہستی اور کارہی
 کے باعث نہ ہوتا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
 تو ہو یا تجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 اگر انسان کا وجود نہ ہوتا تو وہ خدا ہوتا۔ پہلے مصرعہ میں کہہ چکے
 ہیں کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

آتا ہی داغ حسرت دل کا شمار یاد
 مجھ سے مے گندہ کا حساب خدا نہ مانگا
 کیا شوخی ہو۔ درپردہ خدا سے شکایت کرتا ہی۔ گو بظاہر دروغو است
 ہو کہ میرے بے شمار گناہوں کا حساب مجھ سے نہ طلب کرے
 طاعت میں تیار ہو نہ دیوانگی میں لاگ
 دوزخ میں ڈال دے کوئی لیکر بہشت لے لے
 علو خیال قابل ملاحظہ ہو۔ دوزخ و بہشت کا خیال عشق حقیقی
 میں خارج ہوتا ہی اور ایسی طاعت اور ایسا سجدہ نیاز حاصل ہو جس میں دوزخ
 کا خوف اور بہشت کی حرص و ہوس ہو۔

دی غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم مشہود
 ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
 اصل مشہود و شاہد و مشہود ایک ہے
 حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہو کس حساب میں
 جو لوگ تصوف کا مذاق رکھتے ہیں اور مصطلحات تصوف سے
 بھی واقف ہیں۔ کچھ وہی لوگ اس شعر کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

اے حضرت آسی غازی پوری فرماتے ہیں۔
 تیرے کوچہ میں جسے ہو ہوس و رقص و کس جہنم میں اسے حرص ہو انے بھیجا

ہو پرے سرحد اور اک سواپنا مسجود قباہ کو اہل نظر قباہ نما کہتے ہیں
 کیا بلند مرتبہ ہو اور کتنی مندریں طو کر چکے ہیں جس جگہ اور دن کا تہمب
 انتہا کو پہنچتا ہو وہاں سے حضرت غالب کا مذہب طے شروع ہوتا ہو
 ہنر وال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
 مہر گردوں ہو چرخ رہ گزائر بادیاں
 نئی نئی اور عجیب و غریب تشبیہیں اشترار کرنا کچھ انہیں کا
 کام تھا۔

وام ہر موج میں ہو حلقہ صد کام نہنگ
 دیکھیں کیا گزسم ہو قطرے پر گہر ہونے تک
 استعارات و کنایات میں بھی جو شاعری کے لطف کو دو بالا کرتے
 میں حضرت کو پید طولی حاصل تھا۔ قطرہ اپنی اصل یعنی بحر سے جدا ہوا ہو
 اور قبل اس کے کہ وہ بحر میں مل جائے۔ معلوم نہیں کیا کیا متادل اس کو
 طو کرتے ہیں۔ اسے مسئلہ تناخ سمجھو یا مشرب صوفیہ
 راہ معشوق نہ رسوا ہو جائے
 ورنہ مرجلے میں کچھ سمجھ نہیں
 کیا ساوگی ہو اور راہ حقیقت کا کیا اسی انوکھا انکشاف ہو

۱۔ حضرت آسی غازی پوری نے بھی اس مضمون کو نہایت عمدہ پیرایہ میں ادا
 کیا ہو مہ نظر و ناظر و منظور نہ صبا ایک ہو جو کیا ملا و نہ قیامت میں ماست سوا

وہ نیک مستی ہو عشق خانہ ویراں ساز ہو
 انجمن بے شمع ہو۔ گر برق خرمین میں نہیں
 انسانی مستی کا جزو و اعظم محبت و عشق ہو اور انسان کے لیے محبت کا
 ہونا لازمی بتاتے ہیں۔ خواہ وہ محبت ملکی ہو یا قومی حقیقی ہو یا مجازی اس مطلب
 کو کس خوبی سے ادا کیا گیا ہو۔

دربلے معاشی تنک آبی سے ہوا خشک
 میرا میردا من بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 ذوق کو یہ شعر نہایت پسند تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ مرزا کو اپنے
 اچھے استاد کی خوب خبر نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے فلسفی اپنے دقیق مسائل کا جواب اس الہامی کتاب پوران
 غالب سے تلاش کر سکتے ہیں۔ فلسفہ کا غالباً سب سے اہم ترین مسئلہ یہ
 ہے کہ وجہ آفرینش دنیا کیا ہو۔ فلسفی نے اس کا جواب اپنی بساط کے موافق
 دیا ہے۔ مرزا غالب اس کا جواب یوں دیتے ہیں

دہر جو جلوہ بیکتانی معشوق نہیں

ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں

کس خوبی کے ساتھ دو مصرعوں میں مرزا نے اس مسئلہ کا حل کیا ہے
 مہد اء عالم حسن ہے اور حسن اظہار کا متقاضی ہے۔ اس لیے دنیا عدم سے

۱۵ اسی مضمون کو حضرت آسی غازی پوری نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے

وجود میں آئی۔

عذہ شرابِ خداری میں حضرت کا ایک شعر حقیقت میں ایک فقرہ
معنی ہے اور جتنا اُسے پڑھیے۔ لطفِ آفتابی دو بالا ہوتا ہے۔ یورپ کے
نامور شعرا کے کلامِ راقمِ الحروف کی نظر سے گزرتے ہیں۔ لیکن اس موضوع
پر اس پایہ کا ایک شعر بھی نہیں ملا۔ اسے صوفیائے کرام کے مسلک کی تشریح
کہیے یا چاہیے سمجھ لیجئے۔ کیونکہ اس کی کیفیت الفاظ میں ادا نہیں
ہو سکتی۔

میں سے غرضِ نشاط ہو کس دوسیاہ کو

ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

اہل تصوف اگر اس جامِ جہاں نمایینی دیوانِ غالب میں اپنا عکس
دیکھنا چاہیں تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ ان کے تمام دقیق مسائل کا کس خوبی
کے ساتھ اس شیخ نے حل کیا ہے۔ کیا شعر ہیں اور کن رموزِ فطرت کا اظہار کیا ہے
فرماتے ہیں۔

حسنِ پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو

بیچ ہو تجھ سے دل رہا کو لطفِ تنہائی نہ تھا

اے غالب کے سمجھنے میں جو مدد ایک عرصہ سے مجھے اپنے عزیز دوست مسٹر عبد المجید
خواجہ ایم۔ اے (دکنڈب) برسرِ اسٹلاسے جو خود بھی شاعر ہیں ملتی رہی ہے
اس کا اظہار اس جگہ شاید بے موقع نہ ہو۔ اگر غالب کی عظمت کو ذرا برابر بھی سمجھ
طور ہمارے حقیر نے سمجھا ہو تو یہ انہیں کے فیضِ صحبت کا اثر ہے۔ میں اپنے دوست

اک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا یاں جادہ بھی قبیلہ ہر لائے کے داغ کا
آرائش جمال سے فارغ نہیں ہونے پیش نظر او آئینہ دائم نقاب میں
غالب کا مذہب قیود اور پابندیوں سے پاک ہے۔ وہ اس منزل پر
ہیں کہ جہاں ہندو مسلمان کی تمیز باقی نہیں رہتی وہ

و قادیانی بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بہت خانہ میں تو کچھ میں گاڑو برہمن کو
مغربی تہذیب کے والد و شہید اکثر فرماتے ہیں کہ غالب میں سوا
گل و پھل کے افسانوں کے اور کیا رکھا ہے۔ ان کے دل حسن و حقیقت سے
نا آشنا۔ ان کے داغ جذبہ باقی کیفیات سے بے بہرہ۔ بھلا وہ ان رموز کو
کیا سمجھیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے مرزا غالب نے لکھا ہے۔

مطلب ہونا زور غمزہ و لے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہر دشنہ و خنجر کہے بنیبر
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہر پاؤں و ساغ کہے بنیر
کاش غالب کو بھی کوئی فتنہ جیرالڈ مل جاتا جو اس کے کلام کے رونا
و نکات کو کسی مغرب زبان میں اہل مغرب کے سامنے پیش کرتا۔

تو دل سے ہمنون ہوں کہ اُن کی بدولت اس ہاپیز کی چشم کو رونے روشنی کی شعاعیں
دیکھیں ۱۲ محمود
۱۵ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے عمر خیام کا ترجمہ انگریزی میں کیا اور خوبی ترجمہ کے

اس بار عظیم کا بیڑا اگر سر و جی تا نہ ہو جو دیگی معرفت الہی کی مطر پہ
 متغیر سہرا ہو اٹھا لئے تو کیا عجیب ہو کہ اُسے کچھ کامیابی ہو جائے۔ غالب
 کے کلام کی عظمت اُس کے تخیل و ادراک کا وہ عالم۔ مگر افسوس غالب کا
 مزار دہلی میں جس حالت میں پڑا ہوا ہو اُسے دیکھ کر ایک فلسفی کا قول
 یاد آتا ہو جس نے کہا تھا کہ "اگر تم کو کسی قوم کی حالت کا اندازہ کرنا ہو
 تم اُس کے مزارات پر چلے جاؤ" غالب کے مزار پر جا کر جو کیفیت مجھ پر
 طاری ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہو۔ مجھے دبیر میں گوئیں گے مزار
 کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہو۔ ایک وہاں کی قدر دانی ہو اور ایک یہاں
 کی کس میری دونوں کا فرق دیکھ کر اقبال کا مشہور شعر جو اُس نے غالب اسی
 ہی کیفیت سے متاثر ہو گا لکھا ہو گا ہے اختیار میری زبان پر جاری ہو گیا
 آہ تدا جری ہوئی ولی میں آرا میدہ ہو
 گلشن دبیر میں تیرا ہم خواہاں رہے ہو
 ہندوستانیوں کی زندگی کا خاتمہ بحیثیت ایک قوم کے ۱۸۵۷ء
 کے مشہور ہنگامے سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور اس وقت کے شعرا اور صاحبان
 سیاست دونوں نے اسے محسوس کیا۔

باعث غم خیام کا نام آج یورپ میں روشن ہو۔
 لے گئے جرمنی کا سب سے زیادہ مشہور شاعر گنرہا ہو جس کا زمانہ ۱۸۷۹ء سے
 ۱۹۰۷ء تک رہا۔ اس کا معرکہ آرا ڈراما فاسٹا ہو وہ شہر دبیر میں رہتا
 تھا اور وہیں مدفون ہو ۱۲۔

اپنی سیاست کے احساس کا نتیجہ ہو گا کہ وہ اور مشورے مختلف طریقوں سے اس پر فوہ کیا۔ مرزا غالب کا احساس گہرا تھا اور انھوں نے نہایت پذیر و پیراہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔

کیوں گردش ہم کو گھرانہ جلے دل یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہو کس لیے	انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں میں لوح جہاں بہ حریت کر نہیں میں
--	---

پھر کہتے ہیں۔

مستی ہماری اپنی فست پیر دلیل ہی یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے
--

ہنگامہ شہداء کے بعد دلی اور فوج دلی پر جو آفتیں ٹوٹیں انھوں نے
خوار و بے گمان خانہ کو بے غامتاں اور تباہ کر دیا شہزادے اور شہزادیوں کو
میں مارے مارے پھرتے تھے۔ دلی اُجر گئی اور شہزادے کے مکان ویران ہو گیا
کر دیے گئے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "قصہ مختصر شہزادہ ہو گیا۔ ان واقعات کو
مرزا نے چشم خود دیکھا تھا۔ غالب اسی کے متعلق فرماتے ہیں۔
کہ نہیں وہ بھی خرابی میں پر دست معلوم
دشت میں ہی مجھے وہ عیش کہ گہرا نہیں

اپنے ملک و شہر کے لوگوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں اُن پر مرزا
خون کے آنسو بہاتے ہیں ایک خط میں لکھتے ہیں: "بیباں اغشیا اور امرا
کے اذواج و اولاد بھیک مانگتے پھریں اور میں دیکھوں۔ اس مصیبت
کی تاب لانے کو جگر چاہیے (۱۷ دوئے معلیٰ صفحہ ۲۸۷) ملک کے تباہ ہونے
اور بڑی کسے مچر جانے اور قومی ہستی کے مٹ جانے کا جو درد و غم مرزا اکبر کو
وہ اُن کے خطوط سے جو اردوئے معلیٰ میں موجود ہیں صاف عیاں ہے۔
ایک خط میں لکھتے ہیں: "ٹون ٹوٹی کوئی چیز ہے وہ چارہ ہی ہو گئی ہے۔
سولے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔
جامع مسجد کے گروچین پچیس فٹ گول میدان نکلیگا۔ دکانیں حویلیاں
ٹھکانی جاویں گی۔ دارالبتقا فنا ہو جائے گی۔ یہ نام اللہ کا دار دوئے
معلیٰ (۱۲۹) خاص کر مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے وہ ناقابل بیان
ہیں مرزا لکھتے ہیں: "کہ مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا

دل میں فوق وصل و یاد پاز تک باقی نہیں	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
دل نہیں رستہ دکھاتا تجھ کو داغوں کی بہا	اس چھاغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا

۱۷ دوئے معلیٰ صفحہ ۱۷ ۱۸ ٹون ٹوٹی سے مراد ہو ۱۲

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو تھا کہ دل
 دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہل دنیا حبل گیا
 جو مصائبِ اہل ہند پر مشتمل ۱۸۵۷ء کے کچھ پہلے اور پھر اس کے بعد
 نازل ہوئے وہ بجائے خود آئندہ کے لیے ایک سبق تھے جس کو مرزا
 کس خوبی سے ادا کیا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ ان کے ہم وطن ان سے
 سبق حاصل کریں اور آئندہ کے لیے متنب ہوں
 اہل ہند کو ہر طوفانِ عواطف و حادثات
 لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں
 دلی فتح ہونے کے بعد نہ صرف اہل دلی نے بلکہ تقریباً تمام ملک نے
 انگریزی سرکاری اطاعت قبول کر لی اور طرح طرح سے اپنی وفاداری کا
 اظہار کرنے لگے۔ لیکن حکامِ انگریزی کا جوش انتقام کم نہ ہوا۔ ہنگامے کے
 حالات ان کو فراموش ہوئے۔ لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ آمرانہ جاگیریں
 ضبط ہوئیں غریب کے مکانات مسمار کر دیے گئے مرزا ان حالات کا ذکر کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں "نہ کوئی قانون ہو نہ قاعدہ ہو نہ منظر کام آئے نہ تقریر پیش
 جلے اور پھر اس کا ذکر شکایت کے پیرایہ میں یوں کرتے ہیں کہ
 والے محرومی۔ تسلیم۔ و بد حالِ فرا
 جانشاہ کو کہ ہیں طاقت فرما و نہیں
 ایک اور جگہ رقم فرماتے ہیں "بھائی بڑی آہنی ہو، انجام اچھا
 منتظر نہیں آتا۔ قصہ مختصر یہ کہ "قصہ تمام ہوا، اور پھر سزائیں دی گئیں

ان کی سختی کی گویا یوں شکایت کرتے ہیں سہ

مد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے

آخر گناہ گار ہوں۔ کافر نہیں ہوں میں

سٹاپ کے ہنگامے کے بعد فاتح کے جوش انتقام نے مفتوح

کے ملک و دولت ہی پر قیامت نہ کی بلکہ ان کے سر پائے ناز کا نام لے

اور فن و کمال یہاں تک کہ ان کی تہذیب کو مٹانے اور برباد کرنے میں

کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مرزا جیسے باکمال مشاعر اور صاحب

دل بہاس کا اثر نہ ہوتا۔ چنانچہ جس پوشیدہ مگر دردناک پیرایہ میں انہوں

نے اس کا مرثیہ لکھا وہ حقیقتاً دل بے دینے والا ہے اور ہندوستان کی مٹی

ہوئی عظمت کو یاد دلا کر خون کے آنسو رواتا رہی۔ اس کے چند اشعار نقل کیے

بیروزں نہیں ماثا۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے

اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

اے تازہ دارہ ان بساط ہوائے دل

زہار اگر تھیں۔ ہوس نائے ووش ہے

دیکھو مجھے جو دیدہ عجب رت نگاہ ہو

میری سونو جوش نصیحت یوش ہے

باشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط

دامان باغبان و کعبہ گل فروش ہے

یا صبح بوم ہو دیکھتے آکر تو بزم میں
 ذوہ سرور و شور و جوش و خروش
 داغ مستوراتی صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 ایک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے
 ایک سا دوست کو لکھتے ہیں "بھائی ہندوستان کا قلمرو بے چراغ
 ہو گیا سلاطینوں مر گئے جو زندہ ہیں ناق میں سیکڑوں گرفتار بند بلا ہیں"
 ایک دوسری جگہ شاہی خاندان کی تباہی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔
 "مستعزول بادشاہ کے ذکر جو بقیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ روپیہ زمینہ
 پاسے ہیں" حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں بہت کم فاتحین نے اپنے
 مغلوب عرصت کے اہل و عیال و نسل کے ساتھ اس قسم کا سخت برتاؤ کیا ہوگا
 جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندوں نے بہادر شاہ کے خاندان کے ساتھ روا رکھا
 ان تمام خیالات کے جھوم سے مرزا اس قدر متاثر ہیں کہ جس کا اندازہ
 مشکل سے کیا جاتا ہے۔ اپنے در و دل کا اظہار ذیل کے شعرا میں کس خوبی سے
 اور کتنے پردہ و الفاظ میں کرتے ہیں۔

گاشن میں بند و بست، رنگ گم ہو آج
 قری کا طوق حلقہ بیرون و رہی آج
 آتا ہی ایک پارہ دل ہر نفس کے ساتھ
 تباہ نفس۔ کمرہ شکا بر اثر ہو آج

غالب کے دیوان میں جاہر جگہ ایسی نمایاں ملتی ہیں جن سے ان کے
حب وطن کا اظہار ہوتا ہے اور دوبار بار بار اپنے ملک کی بد نصیبی پر روتے ہیں
ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

ہندوستان سایہ گل پایہ تخت تھا جاہ و حال عہد وصالِ مہتاباں نہ پوچھ
ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے عرض فضا کے سینہ دردا متحاں نہ پوچھ
ایک خط میں لکھتے ہیں۔ خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد اور قلوب کو معذور اور
سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو؟ بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں "دار و دو معالیٰ"
(۲۰۳)

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔ "ہائے لکھنؤ! کچھ نہیں کھڑا کہ اس
بہادرستان پر کیا گزری۔ اموال کیا ہوئے۔ اشخاص کہاں گئے۔ خاندانِ شاہی
کے زین و مرد کا کیا انجام ہوا (اردوئے معالیٰ صفحہ ۲۰۹) ان تمام واقعات
دل خراش پر روتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

یوں ہی گریو تار ہا غالب تو اک اہلِ جاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

کس قدر معنی خیز اور دردناک شعر ہے۔ اگر مرزا غالب کے دیوان کو بغور پڑھا
جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اپنے ملک سے کس درجہ محبت تھی۔ اپنے ضلح شدہ
قومی وقار کا کس درجہ بیخ ہوا اور اپنی کھوئی ہوئی ملکی آزادی پر ان کے آنسو
کبھی نہیں ٹھٹھکتے فرماتے ہیں کہ

باد تھیں ہم کو بھی زنگار نگ بزمِ آریاں
سکین اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

جسے شیر آٹکھوں سے مہندر دو کہ ہر شام فراق میں یہ بھول گا کہ تم میں فروزاں ہو گئیں
 اس وقت ملک کی جو حالت تھی اُسے یاد کر کے کہتے ہیں یہ
 کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہی
 جس میں ایک جھینہ امور آسمان ہی
 اور پھر اپنی ناجاری و مجبوری دیکھ کر صبر و شکر کی ہدایت کرتے ہیں
 تاب لاتے ہی بے غی غالب واقعہ سخت ہو اور جان سنو
 اپنی ملکی آزادی کے جانے پر ہر خپہ صبر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ضبط نہیں
 ہوتا اور بے اختیار چیخ اٹھتے ہیں یہ

میں کہ روکامیں نے اور سینے میں ابھریں پڑ پڑ
 میری آہیں بخیہ چاک گریباں ہو گئیں
 اسی غزل میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ حکومت ہی اصل میں قوموں کی
 زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ اور جب کسی قوم کو حکومت حاصل ہو گئی تو سب کچھ
 مل گیا اور اس قوم میں زندگی آگئی یہ

جاں فراہی با وہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
 جام کا اشارہ صاف سلطنت کی طرف ہے ایک موقع پر اپنے اہل اس ملک
 کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم میں حب وطن کا شچا خوش ہو۔ اور
 آزادی کی خواہش حقیقی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا اثر نہ کرے۔ حکومت و
 سلطنت کسی خاص شخص یا قوم کی ملکیت نہیں ہو کرتی۔ جیسا کہ حبشہ کی خاتم

اس کی خواہش ملکیت تھی یہ

عشق تاثر سے نومید نہیں جاں سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دستا بدست آئی ہو جاہل و خاتم جمشید نہیں
نہا رجب الوطنی آسانی سے نہیں اترتا اور جب کسی قوم میں اس کا
احساس ہو گیا تو اس جنون کو دور کرنا کچھ آسان کام نہیں ہی اس ضمنوں
مذا غالب نے کس خوبی سے ادا کیا ہو یہ

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں کسی

یہ جنون عشق کے اجر اچھٹ جائینگے کیا

جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور سلطنت کے مالک
بن بیٹھے اس وقت سے برابر ان کا یہی دعویٰ رہا کہ وہ ہندوستان میں صرف
ہندوستانیوں کے مفاد کی غرض سے حکومت کر رہے ہیں۔ اور یہ کہا گیا کہ ملک
ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کو رفتہ رفتہ دی جائے گی۔ یہاں تک
کہ ایسا وقت آئے گا جب حکومت کی ساری ذمہ داری اہل ہند کے سپرد کر دی
جائے گی مرنہ غالب کہتے ہیں اور حسرت و مایوسی کے ساتھ کہتے ہیں یہ

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہی تری زلف کے سر ہونے تک
دام پر موج میں ہی حلقہ صد کام نہنگ دیکھیں کیا گروے ہی قطرے پہ گہونے تک
عاشقی صبر طلب اور منت بیتاب دل کا کیا رنگ کروں خون جگر چھٹے تک

اپنے دم و دل کا اظہار نہ کرنا اور اپنے مصائب پر خاموش رہنا۔ اس

بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی باقی نہیں ہے۔ اور قوم مردہ ہو چکی ہے بلکہ

ایسی خاموشی قوم کے مرگ کا باعث ہوتی ہے۔ اس خیال کو کس عمدگی سے
اوزکتنی اچھی اور خوب صورت تشبیہ کے ساتھ مرزا نے ادا کیا ہے۔

زبان اہل زباں میں ہو مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

اس زمانہ میں جو حالات تھے اس کے اعتبار سے صاف صاف
الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کرنے سے وہ معذور تھے۔ اور مجبور ایسے
خیالات کا اظہار نہایت گہرے اور پوشیدہ معنوں ہی میں کر سکتے تھے
چنانچہ ایک خط میں ملک کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
منفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں اور پھر کہتے ہیں:-

زبان اہل زباں میں ہو مرگ خاموشی یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
اور پھر کہتے ہیں:-

آتش کہہ ہو سیدہ مرار انہماک اے والے اگر معرض اظہار میں آوے
ایک اور جگہ جتنا یا ہے:-

گر خاموشی میں فائدہ اخفاؤ حال ہو خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہی
مرزا غالب کے اشعار میں عموماً کئی معنی نکالے جاسکتے ہیں جیسا
کہ وہ خود فرماتے ہیں

انجینہ و معنی کا طاسم اس کو سمجھئے! جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

علامہ حسن معنی کے اُن کے اشعار ایک اور جہانی کیفیت پیدا کرتے ہیں جس کا لطف کچھ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اہل دل اور خاصاً ذوق ہیں۔

شاعر کے لیے کچھ یہ ضروری نہیں ہے کہ شعر کہتے وقت اُس کے ذہن میں وہ تمام معنی و مضامین موجود ہوں جو اُس کے خیال کی پروانہ لفظ کی بندش و غیر ہم کے باعث متاخرین پیدا کر سکیں۔ غالب کے دیوان کو بھلا اور دیکھ لو کہ اس کے اشعار ہر زمانہ کی آواز ہوں اور ہر طبیعت والے کی متابعت کرتے ہیں یا نہیں۔

اکثر صاحبان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ غالب کی سیاسی خیالات سے بے بہرہ تھے۔ اور اُن کو ملکی و قومی تھا ہی کا بالکل احساس نہ تھا۔ میرے عزیز دوست سید اس سعید صاحب جو اس وقت ادارہ و علم ادب کی بہت کچھ خدمت انجام دے رہے ہیں اور جن کی ادبی تحسیسوں کے باعث ان کے اعتراض کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ غالب کی اکثر تحریرات میرے پاس موجود ہیں جن میں انھوں نے انگریزوں کی اور انگریز ہی طرز حکومت کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ ”مجھے اس سے انکار نہیں۔ لیکن کسی غیر ملکی حکومت یا طرز حکومت کی تعریف و توصیف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاعر ملکی و قومی جذبات سے بے بہرہ ہے“ اسی لیے میں نے اس تحریر میں جا بجا خود مرزا کی عبارتیں ان کے مطبوعہ خطوط سے نقل کر دی ہیں۔ تاکہ تاریخی حیثیت سے بھی پتہ چل جائے

کہ وہ ان حالات سے کس درجہ متاثر تھے۔ اور ان کو اپنے ملک کی ہی ہوئی غفلت کا کتنا گہرا احساس تھا۔ یہ سچ ہی کہ ہمارے شعرا کا طرز بیان شعراء یورپ کے طرز بیان سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تصوف کے بیان سے ہماری شاعری پر ہے۔ لیکن تصوف کے بڑے بڑے مسائل بھی "بادہ و ساغر" اور گل و بلبل" ہی کے الفاظ میں حل کیے گئے ہیں غالب نے کچھ تو اس زمانہ کے حالات کے اعتبار کے یا عین اور کچھ خود اردو شاعری کے خاص طرز بیان کی وجہ سے اگر ملکی و قومی جذبات کو الفاظ میں چھپایا ہو تو پھر تعجب کا کیا مقام ہے۔ آج بھی جب کہ اردو شاعری کا طرز بیان بہت کچھ بدل چکا ہے۔ اقبال جیسا شہرہ آفاق شاعر اپنے جذبات کو بہت کچھ الفاظ میں چھپاتا ہے۔ غالب کے فارسی دیوان میں بھی جا بجا ان جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس کا ذکر کرنا طول ہوگا۔ اور اس کے علاوہ اس موقع پر فارسی کلام پر بحث کرنا خارج از موضوع بھی ہے صرف ایک تمثیل کافی ہوگی۔

شہادۂ اعم کے ہنگامے کے ختم ہونے پر جب عام معافی کا اعلان ہو گیا تو مردِ غالب نے ایک زبردست قصیدہ لکھا تھا جو فنِ شاعری اور قادر الکلامی کا ایک گراں بہا اور نادر الوجود نمونہ ہے جس کے بعض حصے مولینا حالی نے بھی یادگار غالب میں نقل کیے ہیں۔ اس قصیدے کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس سے ہمارے گزشتہ بیان کی پوری طرح تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ کی صرف ادبی دلچسپی کی غرض سے چند شعرا ہیں

و غریب قصیدے کے نقل کرتا ہوں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریباً
ہر شعر میں ذم کا پہلو نمایاں ہے۔

خود روزگار ہاں تو اندر شمار یافت	خود روزگار ہاں تو اندر شمار یافت
حق داد و حق کہ یہ مرکز قرار یافت	پر کار تیز گرد فلک در میاں ہمیں
بر روی خاک پیچ و خم زلف یافت	آمد اگر بفرض ز پالا بلا فرود
ایں پرورش کہ خلق ز پروردگار یافت	دخاک و باد و آتش و آب آشتی فرود
در ہر ہرچہ صورت انہیں ہرچہ یافت	ما چارہ خد باد گراشت یعنی کست
ہم بدو سرے خودش بندہ دار یافت	گر خواجہ بندہ را خط آنہ ادگی نیست
تو قیام خوشہ لی نہ خداوندگار یافت	در بندہ خود ز ختم خط بندگی درید
کو دک رضائے لہوز آموزگار یافت	زہرن متاع خویش براہن اسبیل بخت

ہندو مسلمانوں کے اتفاق کا اتحاد کا جو فلفلہ آج کل چھا ہوا ہے اور
ایک دوسرے کو اپنا ہمہ رد بھائی بنانے پر تلا ہوا ہے اور ساری عقلانیت
مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے خاص
مذہبی معاملات میں بھی ہندوؤں نے عملی ہمدردی کا اظہار کرنا شروع
کر دیا ہے۔ مرزا غالب نے اس ضرورت کو بہت پہلے محسوس کیا تھا
اور مسلمانوں سے گویا وہ یہ کہتے ہیں

ہمارا ہندو سچو صد دانہ توڑ ڈال
چلو چلے ہر سادہ کو ہموار دیکھ کر

غالب بیشک انسان فی ہستی کا اعلیٰ مفسر ہے اور اس کا کلام ہر زمانہ
میں انسان کے دلی جذبات و خیالات کی تفسیر کر کے لوگوں کو خوش کرتا
رہے گا۔ اس سچ پیر کی رائے میں غالب شیلی کی پرواز کیس کی فصاحت
کو تڑپ کی عمیق انتظری۔ شلر کی بلند خیالی۔ فرانسس ہامس کے تجلی۔ مومن کے
درو۔ سودا کی ظرافت اور میر کی سادگی کا مجموعہ ہے۔

”میر اقبال آرد و منہم ہی کہ تیرے نغموں کا ہم نوا ہو جائے! لیکن ایک
آواز کے لیے بیکار تڑپ رہا ہے۔ میں بولتا ہوں۔ لیکن بول فغمہ نہیں بنتے
لاچار عا جز ہو کر چیخ اٹھتا ہوں“

(ٹیگور)

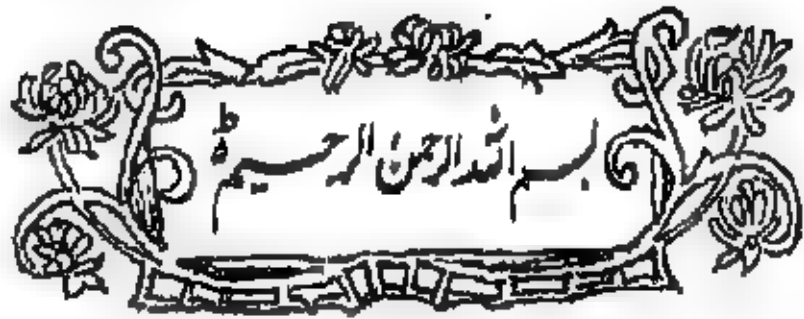
خلاصہ یہ کہ مرثیہ کی شاعری میں ہزار ہا نکلتے ایسے پائے
جانتے ہیں جو ناقابل بیان ہیں۔ ان کے اشعار کو پڑھ کر جو
حالتیں یا کیفیات طاری ہوتی ہیں ان کو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر
کرنا ناممکن ہے۔ بقول خواجہ طوق شیرازی ہے

لطیفہ الیست نہانی کہ عشق از و خیزد
کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگار الیست

خاکسار محمود۔ از وہلی
۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء

لے سب سے پہلے پاکٹ ایڈیشن طبع اول کے لیے ڈاکٹر صاحب نے یہ مقدمہ
اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا تھا اس کے بعد جب اس دیوان کے طبع ثانی کی توجہ آئی تو
محققوں نے سلسلہ ۶۱۹ء میں اس پر نظر ثانی فرما کر اس کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا تھا۔ اس
ایڈیشن میں جو مقدمہ نقل کیا گیا وہ وہی سلسلہ ۶۱۹ء کا مرہم مقدمہ ہی اس وقت سلسلہ
۶۱۹ء میں ہمارے ایڈیشن ایسے وقت میں پر پس میں جاری ہوا جبکہ ڈاکٹر صاحب انہی کی
اور قومی خدمات کے بدولت جو دو تحریک خلافت اور ترک موالات کے سلسلے میں
آج کل انجام دے رہے ہیں قید فرنگ میں ہیں۔ اس لیے ہم ان سے یہ درخواست
نہ کر سکے کہ وہ اس مقدمے پر ایک اور نظر ڈال کر اس کو زیادہ مکمل اور دلچسپ
بنادیں۔

(مور لکھا)



دیباچہ طبع چہارم

ہماری مطبوعات میں جو قبول عام اور دود دیوان غالب کی جمل ہو اہی وہ ہمیشہ ہمارے لیے باعث فخر رہے گا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔ پورا سال بھی نہ گزر نے پایا کہ وہ ختم ہو گیا۔ اور ۱۹۲۷ء کی پہلی ششماہی میں طبع چہارم کی ضرورت ہوئی۔ چونکہ طبع سوم کی چھوٹی خوشنما تقطیع عام طور پر پسند کی گئی۔ اس لیے اس مرتبہ وہی شان قائم رکھی گئی۔ اس دفعہ صحت اور خوشنمائی کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ طبع سوم کے واسطے جو مقدمہ ڈاکٹر سید محمود صاحب نے لکھا تھا اس کو صاحب موصوف نے اپنی نظر ثانی سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد بنا دیا ہے۔ جس کے لیے وہ ہمارے شکر پر کے مستحق ہیں۔

میں نے شرح کو مکمل کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ بعض اشعار کی شرح کے ذیل میں فارسی اساتذہ سے غالب کی مضمون آفرینی اور تخیل کا مقابلہ کر کے دلچسپی ناظرین کا سامان بہت کچھ زیادہ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اشعار پر مفید نوٹ اضافہ کیے گئے ہیں۔ شرح کی وہ خصوصیت بھی قائم رکھی گئی ہے جس کے طرف رسالہ معارف نے اپنے ریویو میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”یہ شرح دیکھنے کے قابل ہے“ اس میں شارح نے نہایت اختصار کے ساتھ اشعار کا مطلب بیان کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ خود غالب کی زبان سے اس مطلب کو ادا کیا جائے۔“

غیر مطبوعہ کلام کے ذیل میں ایک ایسے قصیدہ اور قطعہ تاریخ کو جگہ دی گئی ہے جو اس سے پہلی مشاعتوں میں درج نہ ہوا تھا۔ غالب کے غیر مطبوعہ کلام کی جواب روشنی میں لایا جا رہا ہے وہ نہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ کلام جو ان کے مروجہ دیوان کی ترتیب کے وقت موجود تھا۔ اور جس کو انھوں نے غیر قابل برداشت سمجھ کر اپنے انتخاب میں نہیں لیا تھا۔ اور جس کی نسبت خود یہ لکھا ہے:-

”امید کہ تخیل سراپان سخنور ستائے، ہر گندہ اربیتے را کہ خارج ادبیا
اور اقربا بند ادب آثار تراوش رگ گلک این نامہ سیاہ نشا ستند و سراسر
غیر مطبوعہ کلام وہ ہے جو دیوان کے طبع ہونے کے بعد تصنیف ہوا اس دیوان
میں غیر مطبوعہ کلام کے تحت میں جو اشعار ہم نے لکھے ہیں وہ زیادہ تر

آخر الذکر قسم کی ہیں۔ لیکن ہر کہ کوئی قلعہ یا غزل ایسی بھی ہو جو مروج
کے خارج شدہ کلام سے ہو۔ اس خارج شدہ کلام سے مراد انے
جس سختی کے ساتھ اپنی بے تعلقی کا اظہار القاطب لایا کیا ہو۔ اس کو
دیکھتے ہوئے اس کلام کی اشاعت اگرچہ ایک اخلاقی جرم کی حد تک
پہنچ جاتی ہو۔ لیکن اس زمانہ میں قدامیان غالب کی آوینش اُن کے
کلام کے ساتھ اس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ وہ غالب کے قلم سے نکلے ہوئے
ہر طب و یا طب کو سراور آنکھوں کا بلکہ دل میں جگہ دینے کو تیار ہیں بلکہ
کے اسی ذوق کو پورا کرنے کی غرض سے مرزا صاحب کے قدیم دیوان کا
وہ مکمل نسخہ جس میں خارج شدہ نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں۔ بھوپال کے
کتب خانہ سرکاری کی الماری سے نکال کر بازار میں لانے کی کوشش
کی جا رہی ہو۔

مردانے اپنے دیوان کا انتخاب کرتے وقت جب زواید کو اس
سے خارج کیا ہوگا تو یہ بات وہم میں بھی نہ گزری ہوگی کہ جس کو وہ حشو
و زوائد سمجھتے ہیں۔ پچاس برس بعد لوگ اس کو نفرت اور بیٹھ سہا خزانہ
تصور کریں گے۔ مرزا غالب کے اس دیوان کو مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمن
بجنوری نے ترتیب دیا تھا اور اب وہ ریاست بھوپال کے حکم سے اگر
میں ذریعہ طبع ہو۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کلام غالب پر ایک تبصرہ بھی
لکھا۔ جس کو انجمن ترقی اردو نے اپنے رسالہ اردو کے حصہ اول میں
"محاسن کلام غالب" کے عنوان سے شائع کیا ہو۔ مرحوم ڈاکٹر نے

غالب کے کلام پر جس فلسفیانہ رنگ میں تبصرہ کیا ہو وہ اردو دال سلک کے لیے اس سے زیادہ مشکل ہو جیسا کہ کلام غالب اگر بجائے اردو کے یہ مضمون زبان انگریزی میں لکھا گیا ہوتا تو بہتر ہوتا اور بقول مدیرِ معارف کم سے کم اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ ہم سے زیادہ اغیار اس کے ذریعہ سے غالب کے مرتبہ کو پہچانتے۔ ہر کیف غالب کے قدر دانوں کے لیے جو ان کو ایک زبردست فلسفی شاعر تصور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ ایک نئی چیز ہو اور اس سے یہ پتا چلتا ہو کہ اس شاعر کی جس کے کلام کو سب سے پہلے نظامی پریس بدایوں نے جاری تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھوں تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہو۔ عظمت کا سکھ اس گروہ کے قابل ترین افراد کے دلوں پر بیٹھ چکا ہو۔

ہمارے مطبوعہ دیوان کے طبع سوم پریس پو پو کرتے ہوئے چند دن منوہر لعل صاحب رشتی ایم۔ اے۔ نے۔ اخبار لیڈر آلہ آباد میں لکھا تھا ان اساتذہ میں غالب کا مرتبہ سب سے بلند ہو۔ اس لیے ہم سب کو نظامی پریس بدایوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے سچیلے سال کے اندر دیوان غالب کے تین نہایت عمدہ ایڈیشن شائع کر دیے ہیں مضمون زبان عمیق خیالی، حسن اداء، مضمون آفرینی، شیریں بیانی، معنویت، دلکشی۔ ہر حیثیت سے غالب اس وقت دوسرے شاعر سے زیادہ جدید طبقے میں مقبول اور محبوب ہو۔

مندرجہ بالا اقباس سے بخوبی ظاہر ہے کہ مرزا غالب کی اشکبالی

”شہرت شرم گیتی بعد میں خواہش دن“

کے پوسے ہونے کا وقت آگیا ہو اور آج غالب کے کلام کے
دلدادہ اس سے کہیں زیادہ موجود ہیں جتنے خود ان کے زمانہ میں تھے
اور یہی وجہ ہے کہ تقاضی پریس کے چھپے ہوئے دیوان غالب کے تین جہتیں
اور گراں قدر ایڈیشن ہانتوں ہاتھ مل چکے ہیں اور آج چوتھا ایڈیشن
آپ کے سامنے ہو۔ اگر ملک اور قوم کا ادبی مذاق اسی طرح ترقی کرتا گیا
تو وہ وقت حاکم آیا ہو کہ غالب کے اس سے زیادہ ایڈیشن نہ صرف
تقاضی پریس سے بلکہ ملک کی دوسری دارالاشاعتوں کے استہمام سے
شائع ہوں اور لوگ ان کو شوق سے پڑھیں۔

خاکسار

تقاضی۔ بدایونی

بدایوں ۱۴ جولائی ۱۹۲۶ء

دیباچہ طبع ثالث

نظامی پریس بدایوں نے سپہراں مسعود صاحب بی آ
آکسن کی تحریک سے ۱۹۱۵ء میں اردو دیوان غالب کو سب سے
پہلی مرتبہ تعلیم یافتہ طبقہ کی نقاست پسند طبع اور ساتھ ہی ان کے
عالمانہ مذاق کو ملحوظ رکھ کر شائع کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اسی مطبع
سے وہ دیوان تیسری مرتبہ چھوٹی تقطیع پر مزید انتہام سے آراستہ و پیرستہ
سنہرے کام کے خوشنما جلد سے فرین طاؤس بہشت بن کر نکلتا ہے۔ پہلا
نسخہ تو معرا تھا لیکن یہ طبع سوم اپنے پیش رو کی طرح حائل شرح ہی اس
مرتبہ شرح پر نظر ثانی کی گئی ہے اور مرزا کے خطوط سے مدد لیکر بعض حرکتہ الفاظ
اشعار کی تشریح خود مرزا کی زبان سے لکھی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس شرح

لے مرزا کے خطوط کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کتابوں کی اشاعت میں
خوشنمائی اور درباری کا خیال موجودہ زمانہ کے نقاست پسند نگارینہ سی

کی ایک خاص امتیازی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اس جدید نسخے کو ریاست
 رام پور کے سرکاری کتب خانہ کے قلمی دیوان سے جو ۵۵۵ء مطابق
 ۱۱۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے مقابلے کی عزت حاصل ہوئی۔ آخری صفحات
 میں مرزا کے وہ قطعات اور اشعار جو اصل دیوان کے علاوہ ہیں اور
 جو اس سے پہلے کسی نسخے میں نہیں چھپے ہیں شامل کر دیے گئے ہیں جن کا
 مطالعہ عجیبی سے خالی نہ ہوگا۔ اس جدید الطبع نسخے میں ایک قابل قدر
 اضافہ ڈاکٹر سید محمود صاحب غاندی پوری۔ پی۔ ایچ ڈی بیرسٹر
 ایٹ لاکھنؤ عالمیہ مقدمہ جس کو انھوں نے خاکسار کی درخواست پر
 لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی یہ مقدمہ ساسی سرزمین پر بیٹھ کر لکھا گیا ہے۔ وہاں
 مرزا نے اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا تھا اور جس خاک پاک میں آج بھی وہ
 آسودہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقدمے کے مرتب کرنے کے

تعلیم یافتہ نوجوانوں سے کم نہ تھا۔ ایک خط میں اپنے شاگرد صاحب مطبع منشی
 شبیر نرائن کو ایک مطبوعہ کتاب کی رسید دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 ”بھائی صاحب ۳۴ کتابیں بھی ہوئی برجہ دار منشی شبیر نرائن کی کل جمعہ ۱۲
 نومبر کو پہنچیں۔ کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر میں نے ادب و یقین
 جانا کہ طلائی کام پر یہ کتابیں طاہر و سبشت بن جائیں گی جو میں ان کو دیکھ کر
 شرمائیں گی (اور دوسرے معنی)“
 لے یہ وہ قلمی دیوان ہے جس کو مرزا نے قبل ہنگامہ شفاء نواب محمد یوسف خان
 بہادر والی رام پور کے بزرگ بنا تھا۔ اس کے آخر میں نواب ضیاء الدین خان
 میر کی ایک عجیب تقریب بھی شامل ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس دیوان میں
 کل ۱۶۹ اشعار ہیں۔ مرزا کے ایک خط مورخہ ۳۰ مئی ۱۲۵۵ھ سے جو منشی

دوران میں مرزا غالب کی زیارت کی غرض سے "سلطان جی" میں جا کر عالم خموشاں کی بھی سیر کی اور کیا عجیب ہو کہ وہاں مرزا غالب کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے ہوں۔ جیسا کہ اس مقدمے کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے یعنی اس میں انھوں نے وہ نکات پیدا کیے ہیں جو آج تک مرزا غالب کے سوانح نگاروں یا ان کے کلام پر تنقید کرنے والوں کو نہ سوچے تھے۔ اس مرتبہ مرزا کی تصویر کے علاوہ ان کے ایک غیر مطبوعہ خط کا نوٹ بھی دیا گیا ہے جس سے مصنف کی شان خط کی زیارت ہو جاتی ہے یہ خط قاضی عبدالحمیل صاحب بیرونی کے ذخیرہ سے نکال کر ان کو خلیفہ احمد قاضی محمد خلیل صاحب رئیس بریلی نے ہمیں عنایت کیا ہے جس کے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ یہ خط پہلی مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس سے قبل اسے دو مرتبہ وغیرہ کے مؤلفین کی اس خط تک دسترس نہیں ہوئی تھی۔ خلاصہ

شیونرائن صاحب کے نام لکھا گیا اور جو اسے دو مہلی میں موجود ہو ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل جو نسخہ مرزا کے دیوان کا طبع ہوا تھا وہ تلف ہو چکا تھا۔ جب ان کے دوستوں نے اس دیوان کو شائع کرنا چاہا تو اسی نسخہ موجودہ کتب خانہ رام پور کی نقل حاصل کر کے اس کو مطبع میں بھیجا گیا تھا۔ گویا آج تک مرزا کے کلام کو زندہ رکھنے کا سبب یہی قلمی دیوان ہے۔^{۱۲} اس مقام کو جہاں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین بدایونی مدفون ہیں سلطان جی کہتے ہیں ۱۲۔

اس جدید نسخے کو دل آویزا اور نظر فریب بنانے میں حتی المقدور
 کوئی دقیقہ اٹھانا نہیں رکھا گیا ہے۔ خدا کرے کہ وہ
 موجودہ زمانہ کی نفاست پسند جدید
 تعلیم یافتہ جماعت میں مقبول ہو
 اور اس کی اشاعت سے مصنف
 کی روح محفوظ ہو۔

غیاثی

نظامی بدایونی

۸ دسمبر ۱۹۱۹ء

ویسایہ طبع ثانی

سپارر اس مسعود صاحب کی تحریک پر صبح پہلے دیوان غالب کا
خاص ایڈیشن نظامی پریس میں ۱۹۵۷ء میں نکلا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسعود
اتفاق سے یہ خاکسار کئی ماہ تک بستر عدالت پر پڑا رہا اور اس وجہ سے اس
کی کاپیوں کی صحت کا انتظام دوسروں کے ہاتھ میں رہا اور یہ ادعا کہ وہ
غلطیوں سے پاک ہو جاتا رہا۔ جیسا کہ اس معذرت نامے سے جو اس ایڈیشن کے
آخر میں لکھنا پڑا تھا ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہ ایڈیشن بازار میں دستیاب ہونے والے
نسخوں سے کیا بہ لحاظ اپنی و لفر بیبیوں اور کیا بہ لحاظ صحت بسا عظمت تھا۔
یہی وجہ ہوئی کہ شاید یقین کلام غالب نے میری توقع سے زیادہ اس کی قدر
فرمائی۔ اس ایڈیشن کے خریداروں میں فیصدی ۹۰۔ انگریزی و اردو اصحاب
شامل ہیں جن میں زیادہ تعداد اگرچہ ریٹ وکلا اور پریس صاحبان کی ہو اس سے
یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نئے تعلیم یافتہ اصحاب کے حلقے میں دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن کو

ہر دلعزیز بناتے ہیں محض اس کی ظاہری خوشنمائی ہی محرک نہیں ہوتی۔ بلکہ
 واقعہ یہ ہے کہ صرف غالب کا کلام ہی وہ کلام ہے جو متصوفیانہ مذاق کے ساتھ
 فلسفی مسائل سے بھی مالا مال ہے۔ غالب کا تخیل وہ چیز ہے جو کبھی پُرانا نہیں ہو سکتا
 یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان نفلیم یافتہ اشخاص کی طبیعتوں کا رجحان غالب کے
 طرف بڑھا ہوا ہے۔ غالب کو اپنی زندگی میں جب کہ اس کے معاصرین اس کے
 طرز کلام پر صرف اس وجہ سے مضمحلہ اڑا لے تھے کہ اس نے شاعری کی ایک
 جدید شاہ راہ قائم کی تھی اور عشق و عاشقی اور گل و بلبل کے پارینہ مضامین
 اس کا مطمح نظر کہیں بلند تھا۔ کیا خبر تھی کہ اس کے مرنے سے تقریباً نصف
 صدی بعد وہ خوبیاں جو اس نے اپنی شاعری میں سب سے علیحدہ ہو کر پیدا کی
 تھیں عام طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی یہ امر واقعہ ہے کہ سب سے پہلے
 غالب نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو نظم میں ہر طرح کی فصاحت و بلاغت فلسفہ و حکمت
 اور پھر لہجہ و بات کے ادا کرنے کی قابلیت موجود ہے۔ غالب نے شاعری کے مقصد کو
 خوب پہچانا ہے وہ صرف غزل سرائی سے غیر مہذب جذبات کو ابھارنا پسند
 کرتا بلکہ اس نے وہ روش اور اسلوب بیان اختیار کیا تھا جس سے وہ ایسے
 حکیمانہ خیالات دنیا کے سامنے پیش کر سکے جو دوسروں کی اصلاح کا باعث
 ہوں اور انسانی اخلاق کا پاپہ بلند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نویس اس کو
 یوروپین مصنفین کا ہم پایہ سمجھتے ہیں۔ غالبائیاں پر یہ اعتراض کیا جائے گا
 کہ ایک شخص جو رند مشرب ہو وہ دوسروں کی اصلاح کیا کر سکتا ہے۔
 بیشک غالب ایک قابل ترک عادت میں مبتلا ہو گیا تھا لیکن وہ نیا

صدافت شعار اور راسخ گو تھا۔ اس نے اپنے کلام میں اپنی اس مذہب و
 عادت پر جا بجا ملامت کی ہو اور اس لیے اس کی کسر و پا کا رد اہل دین اور
 نمائشی پرہیزگاروں سے بدرجہا قابلِ توجہ ہے۔ بہر حال اس سے انکار
 نہیں ہو سکتا کہ اس کے کلام میں توحید، تصوف، حکمت، فلسفہ، عبرت
 بے ثباتی دنیا، خودداری، استغناء اور اسی قسم کے اخلاقی مضامین بکثرت
 پائے جاتے ہیں۔ غالب نے ان مضامین پر کبھی انحراف نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی
 مشرب کی وجہ سے جہاں کہیں اس قسم کے مضامین پتھلم اٹھانے کا ذکر کیا
 ہے تو انفعال کے ساتھ کہتا ہے:

ہم مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
 تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ غوار ہوتا

اردو شاعری میں تو غالب کا خاص مرتبہ تھا ہی۔ فارسی میں بھی اس کا
 پایہ کسی اہل زبان شاعر سے کم نہیں ہے۔ اس اردو دیوان کے دیباچہ میں
 اس کی فارسی شاعری سے بحث کرنا ہمارے منصب سے باہر ہے
 اس مولفہ پر ہم صرف یہ کہنا ہی کہ اپنے اردو کلام میں جو مضامین غالب نے
 ادا کیے ہیں وہ معنی خیزی کے لحاظ سے فارسی اشعار سے کسی طور پر کم نہیں
 ہیں بلکہ بعض حالتوں میں وہ فارسی سے بھی زیادہ ممتاز ہیں ہم دیکھتے ہیں
 کہ غالب کے اردو کلام میں جا بجا فارسی کے پویند لگائے گئے ہیں جس کی وجہ
 سے وہ مشکل اور دقیق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس روش کو چھوڑ کر صفا
 اور سادگی کی طرف جاتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سادگی بیان پر جو قدرت کھتا ہے

وہ دوسرے کو بہت کم حاصل ہو۔ اس کے دقیق اشعار اور فارسیت کے رنگ اس نے یہ ضرورت پیدا کر دی ہے کہ اس کے مطالب کو عام فہم ادب ساز بنانے کے لیے دیوان کی شرح لکھی جائے چنانچہ اس وقت تک کسی شرح شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ موجودہ شرحیں دلدادگان کلام غالب کے مزدوروں کو پورا کرتی ہیں اور اس وجہ سے ہم نے پہلے ایڈیشن کو معرا شائع کرنا کافی سمجھا تھا۔ اس ایڈیشن میں صرف اشارات املائی کے استعمال سے مشکل اشعار کو اس قابل بنادیا تھا کہ وہ پڑھنے کے ساتھ ہی ناظرین کے ذہن میں ترجمائیں لیکن اکثر احباب نے ہمیں مجبور کیا اور یہ مشورہ دیا کہ دوسرے ایڈیشن میں مشکل الفاظ کے معنی عام فہم اردو میں اور دقیق مضامین کی شرح مختصر طریقے سے بطور حاشیہ ہر صفحے پر متن کے تحت میں لکھ دی جائے تاکہ ناظرین کو کسی دوسری شرح کے سامنے رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے حاشیہ کے لکھنے میں ہم نے شرح طباطبائی مولانا حسرت اور خود رفعات غالب کو جو عود ہندی میں موجود ہیں پیش نظر رکھا ہے حضرت شوکت میرٹھی کی شرح دیکھنے کا بھی اس کتاب میں موقع ملا اس شرح میں اگرچہ مکمل دیوان نقل نہیں کیا گیا ہے لیکن جن اشعار کی شرح لکھی گئی ہے ان میں سے اکثر کی عام دیوانوں سے جدا ہو کر کلام غالب کی وہ گت بنائی ہوئی ہیں جس سے گوشہ قیوم غالب کی روح کو ضرور کوفت ہوئی ہوگی مثلاً تمام نسخوں میں یہ لکھا ہوا ہے

نئے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے کہ حسرت سنج ہوں غصہ تم نے جدائی کا

شوکت صاحب اصلاح فرماتے ہیں کہ
 مددے نالے کو اتنا طول لکھا مختصر لکھدے کہ حیرت سنج میں عرض ستم نالے جدائی کا
 اس طرح کے عرقہ اشعار شوکت صاحب کی شرح میں اکثر ملتے ہیں اگر حضرت
 شوکت کسی قدیم نسخہ دیوان کا حوالہ دیتے اور اس کی بنا پر اشعار کی تصحیح کرتے
 تو حق بجانب تھا۔ عام ملبوعہ دیوانوں میں بھی بعض اشعار میں اختلاف پایا جاتا ہے
 اور اسی وجہ سے ہمیں چند ایڈیشن مختلف مطابع کے چھپے ہوئے تصحیح کی غرض سے
 جمع کرنے پڑے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت سب سے زیادہ قدیم
 چھپا ہوا وہ نسخہ دستیاب ہوا تھا جو مطبع احمدی دہلی سے مسئلہ میں شائع
 ہوا تھا اور جس کی کاپیوں کی صورت جو مرزا نے کی تھی۔ اس مرتبہ اس سے بھی زیادہ
 پرانا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آیا جو اصل دیوان سے نقل کیا گیا ہے جس کو پہلی مرتبہ
 غالب نے مسئلہ میں مرتب کیا تھا۔ یہ نقل بھی جو ہمیں دستیاب ہوئی ہے اسی
 زمانے کی لکھی ہوئی ہے اس کے ساتھ ایک دیباچہ بزبان فارسی مصنف نے لکھا ہے
 جس کو ناظرین کے مطالعہ کے لیے اس دیوان کے شروع میں بحسبہ درج کیا گیا ہے
 اس دیباچہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ابو الفوارس دیوان سے پہلے مصنف
 نے مسئلہ میں ترتیب دیا۔ لیکن اس میں مصنف کی بعض مشہور غزلیں نہیں ہیں
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کے بعد دوسرا نسخہ مرزا نے ان غزلیات کو
 شامل کر کے جو سال مذکور کے بعد تصنیف ہوئیں ترتیب دیا ہے اور وہی کتاب
 سلج ہے اگر اس قلمی نسخہ کی جو مشہور غزلیں لکھی ہو ہیں ملائی متالعینہ کی جائے بعض
 مشہور غزلیں نکال دینی پڑیں گی مثلاً "غزل" لازم تھا کہ دیکھو مرزا ستم کوئی دانی

جس کا مضمون نامہ نئی واقعہ پر مشتمل ہو اور جو یقیناً غالب کی تصنیف ہو۔ اس لیے اس
 قلمی دیوان سے صرف یہ مدد لی گئی ہو کہ بعض خفیف غلطیاں جو مطبوعہ دیوان
 میں پائی گئیں درست کر لی گئی ہیں۔ موجودہ ایڈیشن میں حتی الامکان کتابت
 کی غلطیوں کی صحت کی گئی ہو لیکن پھر بھی ممکن ہو کہ بعض مختصص اور نکتہ چیں
 نگاہیں کتاب کے کسی نہ کسی سو کوڑھوڑ بکالیں۔ نہایت سختی کے ساتھ کتابت
 میں اس ملا کا خیال رکھا گیا ہو جو زمانہ حال میں سرچشتہ تعلیم کی کتابوں میں
 مروج ہو اور جس سے اردو کتابت کا یہ نقص دور ہو جاتا ہو کہ اُن میں مختلف
 آوازوں کو ایک ہی صورت میں لکھا جاتا ہو مثلاً گھر۔ گہ۔ نے۔ نی۔ ڈیو غیر
 جہاں تک معنی نے اجادت دی ہو مرکب لفظوں کو علیحدہ کر کے لکھا گیا ہو
 یعنی اُن دو لفظوں کو جو جداگانہ جنسیت رکھتے ہیں قطعی طور پر ملا جلا جائز
 نہیں رکھا ہو مثلاً کش کش کو یہ صورت کشکش نہیں لکھا ہو۔

اس طرزِ تحریر کے اختیار کرنے سے صرف یہ مقصد ہو کہ اردو رسم الخط
 سریع الفہم صورت اختیار کر لے اور یہ بھی خیالی رکھا ہو کہ لفظ کی صورت
 آواز سے مطابقت کرے مثلاً نہ دے نامے کو اتنا طول النح اس طریقے سے
 نہیں لکھا نہ دے نامہ کو اتنا طول النح اشارات الملامی میں بھی اس ترتیباً
 صحت کا لحاظ رکھا گیا ہو چونکہ اردو میں اس وقت اشارات الملامی کی صورت
 مخصوص نہ تھیں اس لیے ہم نے انگریزی اشارات الملامی کا اتیلع کیا ہو البتہ
 اس قدر تصرف کیا ہو کہ نامے کی جگہ خفیف ڈیش سے کام لیا ہو پہلے
 ایڈیشن میں مرزا کا صرف فو ویا گیا تھا۔ اس مرتبہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہو

خط حاصل کر کے اس کا عکس بھی چھاپا گیا ہو جس کے لیے ہم قاضی محمد خلیل صاحب
 رئیس بریلی کے شکر گزار ہیں۔ یہ خط قاضی صاحب موصوف کے پاس
 محفوظ تھا۔ مولوی وہاب الدین صاحب طالب فرشتوری بدایونی کے
 ذریعہ ہم تک پہنچا۔ جس کے لیے مولوی صاحب موصوف بھی مستحق شکر ہیں
 امید ہو کہ اردو ادب کی یہ خدمت پسند بیگم کی نگاہ سے دیکھی
 جائے گی۔ اردو دیوان غالب کا یہ دوسرا ایڈیشن فی الواقع ترقی ادب و
 کی اس سیکم کو جو عالی جناب سیدہ ماں مسعود صاحب بی۔ او آکسن
 ناظم تعلیمات سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کے عرصہ تک زیرِ غور رہی ہو پہلی
 قسط ہو۔ خدا سے دعا ہے کہ ہماری یہ کوشش مقبول نام ہو تاکہ آئندہ ہمیں
 ہمت ہو کہ اس سلسلے میں اردو کے دوسرے قدیم اساتذہ کا کلام اسی طریقہ
 سے شائع کر سکیں اور ہماری یہ ربط و عاریت لفافہ مست پسند علم دوست تعلیم یافتہ
 اصحاب کے کتب خانوں کی زینت ہو کر مصنفین کے نام کو جنھوں نے اردو کی
 خدمت میں اپنی عمریں صرف کر دی ہیں زندہ اور قائم رکھ سکیں :

خاکسار
 نظامی عظمیٰ عنہ

بدایوں مارچ ۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع اول

زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد

شد آل مرغ کو فیضہ زریں نہاد

یادش بخیر وہ زمانہ بھی کیا زمانہ ہوگا۔ جب کہ ایشیائی علوم و فنون کے چشمے حیرت انگیز ہند کے گھر گھر میں ابل رہے ہوں گے تیمور سے پہلے اور اس کے بعد جب کہ مسلمان فاتحین نے ملک ہندوستان پر فاتحانہ حملے کیے ہیں اس وقت کس کو یقین ہوگا کہ یہ آریہ ورت کا دس ان بدلیسیوں کی بدولت اپنی عالی شان و شوکت اپنی کامل عظمت و جلالت اپنی اتم لیاقت و قابلیت کے لحاظ سے عہد خلفائے عباسیہ کا ہم سرد ہوگا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب فاتح قوم کے ساتھ مفتوح اقوام بھی قدم بہ قدم ترقی کے میدانوں کو طو کرتی نظر آتی تھیں جس حکم راں کو جن علوم و فنون کے گمراہ ماہرین کی تلاش ہوتی تھی۔ نگاہ التفاسن کے ایک معمولی سے اشارہ

پر ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں دور و ولت پر حاضر ہو جاتے تھے قطب الدین
ایک سے مرحوم بہادر شاہ ظفر تک کے درباروں پر نظر ڈالی جائے کوئی
دربار ایسا نظر نہ آئے گا جس کے میر و دشوں میں قہجین روزگار کے جیسے
لازمہ موزونیت و تریبائش نہ ہوں۔

جس زمانہ کی یہ حالت ہو اس زمانہ کی دلچسپیوں اور مشاغل کا کیا
پوچھنا؟ کتنا سماں بے فکری کا زمانہ! سلطنتِ قدرداں خود قابل ان
صورتوں میں جو مشغول ہوں گے غالباً مفید اور علمی ہی ہونگے۔ یہ مسلم ہو کہ کوئی
مشغلہ بغیر تحریک و تقابل کے ترقی پذیر نہیں ہوتا۔ اور تحریک و تقابل کے لیے
سوسائٹی کا ہم خیال وہم لیاقت ہونا لازمی ہو۔ چنانچہ اس زمانہ میں ہم لیاقتی
وہم خیالی کی کمی نہ تھی۔ جہاں کسی نے ایک خیال کو عملی جامہ پہنایا چرخ سے
چراغ جلنے لگا۔

دیگر علوم و فنون کی شاعری کا ستارہ بھی کچھ کم عروج پر نہ تھا۔ شاعروں
کے منہ مویوں سے بھرے جاتے تھے۔ سخن بنوں کا کلام در درواہ میں تلا جاتا
تھا۔ فردوسِ پراشرفی صلیہ میں ملتی تھی اور پھر جاگیر است مستزاد۔ ان ترقیوں
اور تہذیب و انہوں کے نظام کے ایک دو نہیں بلکہ چند در چند صدیوں تک بکھنے
والوں کی آنکھیں اس چکاچوند پیدا کرنے رہے۔ مگر تیرھویں صدی عیسوی کے
آئینہ تک اس عروج نے سارے مروج طوکر کے ترقی منکوس کی گردان شروع
کر دی اور گویا چراغ لیکر ڈھونڈھنے سے بھی ان باکمال جموں کا پتا نہ لانا تھا
حالِ فال کوئی صاحبِ کمال نظر آ جاتا تھا۔ مگر آہ اور صد آہ کہ آج وہ حقیقی

نقطہ الرجال ہو کہ بحر نام یاد رہ جانے کے اُن باکمالوں میں سے کسی ایک
فرد کا نشان نہیں ذرا اعتبار دیا اولیٰ آلا بصا سراسر

پیش آریں بر زلفِ گاہِ افسوس می خورد و نہ خلاق

می خوردند افسوس در ایام ما بر ماندگان

تیرہویں صدی کی آخری نمود اُس باکمال شاعرِ خستہ ہو گئی جس کو
علیٰ کل غالب کا بھی مبالغہ نہیں یعنی نجم الدولہ میرزا **اسد اللہ خاں**

غالب دجن کا پورا دیوان نئے سامان کے ساتھ ان چند سطروں کے بعد

پیش نظر ہو گا۔ اُن باکمال اور فطرت شناس شعرا میں تھے جن کی سچی تعریف

کے لیے فی زمانہ ہم جیسے نااہلوں کو اس شہرِ شریف سے گھٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں

سعدی ثنائے توند تواند بشرح گفت

خاموشی از ثنائے توند ثنائے تست

مردِ غالب کی شاعری کے مدارج کو پہنچنا اور اُن کے اصلی مفہوم

کو سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اور دو شعرا میں ایک اور صرف وہی

ایک ایسے مختصر النوع اور مختصر الطبیعة فرد فرید گز رہے ہیں۔ جن کی ہر بات

میں جدت ہر رنگ میں نہرت۔ ہر تخیل میں فوقیت نظر آتی ہے۔ اگر چنانچہ

کی شاعری بھی بہ لحاظِ احوال و قواعد کوئی نئی شاعری نہیں ہے۔ اصناف

سخن کی وہی قسمیں اور اس میں وہی پابندیاں نظر آتی ہیں جن کی ابتدا اولیٰ نے

اور ترمیم و اصلاح میر نے کی ہے۔ این ہمہ اُن کا کوئی قصیدہ کوئی تنوی

کوئی قلمہ کوئی غزل کوئی رباعی حتیٰ کہ ایک فرد بھی ایسی نہ ملے گی جو اپنے

علوخیل۔ رفعت مضمون۔ موزوں اسالیب تخصیص ترکیب اور دل آویز
ادب میں تمام اساتذہ سلف و خلف کے کلام سے جداگانہ شان رکھتی ہو
اُن کے ممتاز کلام کی ایک ادنیٰ سی شناخت یہ ہو کہ جب کوئی شعراُن کا
پڑھا جاتا ہو تو بغیر اس کے کہ نام و تخلص معلوم ہونے والے جس کا مذاق سخن صحیح ہو
بے تکلف سمجھ جاتا ہو کہ یہ مرزا غالب کا شعر ہو۔ یہی حیثیت ممیزہ بتاتی ہو کہ اُن کے
زمانہ میں بعض اہل سخن بوجہ اجنبیت روش معاصرانہ لگے اُن کے کلام کو ناپسند
کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اس معاندانہ خیال کا اثر اب تک یہ پاتی ہو کہ جہاں ایسے لوگوں
کوئی شعر فارسی اور اجنبی ترکیب و اضافت کا پڑھایا سمجھا جاتا ہو تو بے تکان
کہہ دیا جاتا ہو کہ یہ مرزا غالب کا رنگ ہو حالانکہ یہ خیال و اقیقت سے کوسوں
دور ہو۔

لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹھول

سو تکلف اور اس کی سپیدھی بات

انھیں خیال سے مجبور ہو کر جا بجا مرزا مرحوم نے کہا ہو۔

مشکل ہو زبں کلام میرا سے دل سن سن کے اُسے سنو رانِ کامل
اساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و مگر نہ گویم مشکل
ظاہر ہو کہ آج نہ مرزا غالب زندہ ہیں نہ اُن کے معاصرین اور قدر وادب
موجود ہیں نہ وہ قابلیت و فن وانی ہو مگر اس نئی اور مغربی دنیا کی بدشہنی
میں ایک پُرانے اور ایشیائی شاعر کے موتیوں کی چمک غالب نظر
آتی ہو۔

ابن سعادۃ نے زور باند و فیست

۳۰۰ بخش خدا سے بخشند ۵

اگر مرزا غالب شعر کی طرح حلقہ متصوفین میں بھی شامل ہوتے
تو آج ان کے قلم کو محفوظات کرامت میں شامل کیا جاتا جو اپنے
مرنے سے پیشتر فرما گئے ہیں ۵

۳۰۱ دیوانم کہ مرست سخن خواہد شدین
ابن و ان فخط خسریار علی کہن خواہد شدین
کو کبر اور عدم ادب قبولی بودہ است
شہرتا شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدین

یہی مقبولیت عام جو مرزائے مرحوم کے انتقال سے چالیس
پینتالیس سال بعد پیدا ہوئی ہے۔ جو وہ اشاعت کی اصلی محرک ہے اور
اسی تحریک نے نہ صرف ہنرمند مطبع نظامی کو بلکہ اکثر اصحاب کو آمادہ کر دیا کہ
مرزائے کلام کا صحیح اور دلکش ایڈیشن شائع کیا جائے۔ اب سے پہلے چند
ہر چند ایڈیشن دیوان غالب کے شائع ہو چکے ہیں جن میں تین نسخے ایسے
ہیں جو مرزائے مرحوم کی زندگی میں شائع ہوئے اور ایک آدھ کی
تصحیح بھی مرزا سے منسوب کی گئی ہے۔ ان کے سوا چار پانچ نسخے متفرق
مطبوعات سے نکلے ہیں۔ نیز دو تین تراجم نے بذیل شرح دیوان کا تراجم
چھاپ دیا ہے۔ مگر ان سب مطبوعات میں کوئی نسخہ ایسا نہیں دیکھا گیا

جو کم از کم دس پانچ قلیلیوں کا حال نہ ہو۔ اسی صورت میں کہ خود مرزا کی
زندگی میں دیوان شائع ہوا اور واقفین فن شرح بھی ان کا کلام چھاپیں
پھر بھی ایک نہیں بیسیوں قلیلیوں کا رہ جانا تعجب کی بات ہو۔
ہم نے اس دیوان میں جن باتوں کا التزام کیا ہو۔ ان کی تفصیل یہ ہے
کہ سب سے پہلے عمدہ کاغذ۔ دلفریب خط۔ موزوں لفظیج۔ صاف ستھری
چھپائی کا خصوصیت سے انتظام کیا ہو۔ اور پھر آج کل کی رعایت کتابت
سے تمام ان نشانیوں کو بہ احتیاط تمام جا بجا منضم کیا ہو۔ جن کی بدولت
معمولی اور دو خواں بھی آسانی شعر کو پڑھ سکیں۔ پھر حتیٰ الوسع صحت اشعار
کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہو اور مختلف دوا دین اور شرحوں اور کلام مرزا
کے حاقطوں سے تصدیق و مقابلہ کیا ہو۔ ان اہتماموں کے بعد بھی اگر کوئی
فرد گذشتہ رہ گئی ہو تو اس کو بجز اقتضائے بشریت اور کیا کہا جاسکتا
ہے کہ بیچ بیکر خالی از خطا نہ ہو۔

اس دیوان کی تحریک اشاعت اور ترتیب دہندہ دین کے متعلق
خصوصیت کے ساتھ مجھے اپنے ہمسزد دوست فخر قوم سید راہل مسعود
بی۔ اے بیرسٹریٹ لادنبیرہ ~~سید~~ مرحوم کا جن کی متواتر تحریک اور
اعراض خاص نے مجھے آمادہ کیا کہ میں آج موجودہ حیثیت سے دیوان غائب
کو شائع کر دوں۔ شکر یہ ادا کرنا ہو۔

اس دیوان میں ناظرین کرام کو کچھ کلام ایسا بھی ملیگا جو اب تک کے
موجودہ دوا دین میں نہیں ہے۔ اگرچہ اس کلام کے سوا ہم کو اور کلام بھی

مرزا سے فسوب ملا۔ مگر بعد تنقید و تحقیق جو کلام ان کا متحقق ہوا وہی اس میں شامل کیا گیا۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مرد غالب ہی کا مکھڑا کلام ہم سے اتنی زیادتی فوجیت رکھتا ہے جو دوسروں کے کلام سے تمیز ہو سکتا ہے اور اسی معیار نے ہم کو کھوٹی ٹھکسال سے کھرے سکوں کے الگ کرنے کا موقعہ دیا

ورنہ

ہزار نکتہ ہا یک تر زمواں جا سست
 نہ ہر کہ سہ بر اشہ قلندر ی داند
 کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اس کے مختصر حالات سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے چند احباب کا اصرار تھا کہ مرزا کی سوانح عمری بھی دیوان سے قبل دی جائے۔ لیکن چونکہ اس مضمون پر مولانا حالی مرحوم کی ایک مبسوط تصنیف یا دیگر غالب شائع ہو کر ملک کے تمام علم دوست احباب کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہے۔ لہذا اسی کتاب سے مرزا کی لائف کی مندرجہ ذیل اطلاعوں پر قناعت کی جاتی ہے۔

نام :- مرزا اسد اللہ خاں معروف یہ مرزا نوشہ
 خطاب :- نجم الدولہ ویر الملک نظام جنگ۔
 تخلص :- غالب۔ بیختمہ میں ابتداء اسد لکھتے تھے۔
 خاندان :- ایک ترک سیاست دان نسب تیرا بن فریدوں سے ملتا ہے۔
 ولادت :- درجہ سلسلہ میں بمقام آگرہ۔
 تعلیم :- اول اول شیخ معظم ہندی سے تعلیم پائی اس کے بعد

عہد احمد نو مسلم ایرانی سے جن کا آتش پرستی کے زمانہ میں
ہرمزد نام تھا فارسی زبان حاصل کی۔

مرزا کی شادی ۱۳۵۵ء میں نواب فخر الدولہ کے چھوٹے بھائی
مرزا الہی بخش کے یہاں ہوئی تھی۔

زمانہ طفولیت اگرے میں گزرا۔ ۵ برس کے قریب
دل میں رہے لیکن کبھی کوئی ذاتی مکان نہیں خریدا ہمیشہ
کرایہ کے مکان میں رہتے رہے۔

کوئی اولاد صلیبی نہیں چھوڑی۔ ابتدا میں سانس نہ بچے ہوئے
مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔

مرد اکوفن سخن میں اپنے کمال پر بہت کچھ نادر تھا و بالکل
بجا تھا۔ سلامتی طبع مختلفہ نظر ان کا حصہ تھا۔ ادیبانِ ہم
وہ حق پسند بھی تھے۔ شاعری میں ان کو باقاعدہ کسی سے
تلمذ حاصل نہ تھا۔ لیکن وقت پسندی کو چھوڑ کر جبکہ وہ
سلاست کی طرف متوجہ ہوئے تو کتنا پڑتا ہی کہ صفائی
زبان میں انھوں نے میر تقی مرحوم کی تقلید کی جن کے وہ
بڑے مقتد تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

غالب اپنا عقیدہ ہی بقولِ تاسخ
آپسے بہرہ آویز مقتد میر نہیں
پھر کہتے ہیں۔

ماہل۔

مسکن۔

اولاد۔

شاعری۔

رہنے کے تمہیں متاوا نہیں ہو غالب
 کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا
 دیوان اور دو مشہور ہے کہ اس کو مولانا فضل الحق صاحب
 غیر آبادی کی رائے سے مردانے اپنے بڑے دیوان سے
 منتخب کیا تھا۔ اس زمانہ میں اکثر غزلیں جو اس دیوان
 میں نہیں پائی جاتیں غالب کے غیر مبلوہ کلام کے نام
 سے شائع ہو رہی ہیں ہمارا ہاں تک خیال ہی یہ وہی
 کلام ہی جس کو مردانے اپنے انتخاب میں نہیں لیا تھا۔
 عود ہندی۔ اور دوئے معلیٰ کلیات شریعت فارسی
 قاطع برہان پنج آہنگ۔ مہر نیم رو و درخشاں قیوم
 کی نامکمل تاریخ ہمایوں کے حالات تک (دستیوئے
 حالات بعد) گل رعنا۔ (انتخاب دیوان اور دو فارسی
 لطائف غیبی و سید حسین وغیرہ متفرق رسائل۔
 کیسا ہی مشکل مضمون ہو وہ ایک سرسری نظر میں نہ کو
 پہنچ جاتے تھے۔ تھاق اور معارف کی کتابیں اکثر
 مطالعے میں رہتی تھیں۔

تصانیف۔

شعر فنی و علمی
 مشاغل

مردان کی تقریریں ان کی تخریب اور ان کی نظم و شریعت
 کچھ کم لطف نہ تھا۔ بقول مولانا حالی مرزا جیو اس قدر
 ظرافت تھی کہ اگر ان کو بھائے جیوان تا طبع کے جیوان

بہرہ گوئی اور
 ظرافت۔

ظریفٹ کہا جائے تو بجا ہو۔ حسن بیان حاضر عوامی بات
میں بات پیدا کرنا ان کی خصوصیات میں سے تھا
اخلاق و فراخ نہایت وسیع الاخلاق اور کثیر الاحباب تھے جو شخص
وصلگی اور مروت ان سے ملنے جاتا۔ کیسا ہی منہموم ہوتا خوش ہو کر آتا۔
فراخ وصلہ ایسے کہ کوئی سائل ان کے در سے خالی
نہ پھرتا۔ محتاجوں کی حتی الامکان مدد کرتے۔

خود داری :- بنیر یا لگی یا ہواد اسکے کہیں باہر نہ نکلے۔ عمائد شہر میں
جو لوگ ان کی ملاقات کو نہ آتے وہ بھی ان کے
مکان پر نہ جاتے مرزا کی خود داری کی ایک مشہور
مثال یہی کہ جب دہلی کالج کی پروفیسری کے لیے
پلاسے لگے تو صرف اس بات پر بغیر ملے چلے آئے کہ
مسٹر تامسن جنھوں نے بلایا تھا استقبال کو نہیں
آئے۔

معاش :- مرزا کو سائنس سوریہ پیہ سالانہ کی نیشن ملتی تھی۔ قدر کے
تین سال تک سائنس عارضی طور پر بند رہی تھی اس زمانہ
میں مرزا کی نہایت حسرت سے بسر ہوئی۔ قدر کے
دو سال بعد دربار امپور سے سوریہ پیہ ماہوار
ملنے لگے تھے جو وقت و فائدہ تکس بپا رہی ہے
لیکن یہ تنخواہ بھی ان کے خرچ کو کافی نہ ہوتی تھی

کبھی فراغت نصیب نہ ہوئی۔ ایک موقع پر فرمایا ہوا
”میں کپڑے کھانا ہوں“

ذریعہ ہوا۔۔۔ مرد اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے
تھے۔ توحید و جدی کے قائل تھے جس کا پتہ ان کی
شاعری سے ملتا ہے۔ ان کو اہلبیت سے نہایت
محبت تھی اور غالباً تفضیلی تھے۔ مولانا خرقہ میں سر الخیر
کے خاندان میں مرید تھے۔ اسی وجہ سے ان کی تجیز و
اہل سنت کے طریق پر عمل میں آئی۔

وفات اور دفن :- مرزا نے ۷۳ برس چار مہینے کی عمر میں ۱۸ فروری
کو دہلی میں انتقال کیا اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا
محبوب الہی میں دفن ہوئے

زادیہ نشین گناہی

خاکسار نظامی بدایونی

پراپوں روئیل کھنڈ

۱۶ جنوری ۱۹۱۵ء

الرد

دیوان غالب

مع شرح نظامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

<p>نقش فراوی ہر کس کی شوخی تحریر کا کا دکا و سخت جانی۔ ہائے تنہائی پہنچا</p>	<p>کا غدی ہی پہن۔ ہر پیکر تصویر کا صبح کرنا شام کا۔ لانا ہی بجے شیر کا</p>
--	--

لے نقش۔ تصویر۔ کا غدی پہن۔ فراویوں کا لباس۔ الفاظ کو شرکی صورت میں کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے۔ نقش (تصویر) لباس کا غدی کس کی بیدار و تحریر کا فراوی ہو؟ عود ہندی میں خود مرزا نے جو مطلب لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہستی موجب مال و مال اور اس کی تصویر بھی بزبان حال فرما دیتی ہے کہ مجھ کو ہست کر کے کیوں بچ ہستی میں مبتلا کر دیا۔ مولانا طباطبائی کے نزدیک شعرا و اے مطابق قاصر وہ فرماتے ہیں کہ شوخی تحریر کا لفظ معنی چیز نہیں ہے مطلع بنانے کے بولا گیا ہے اس کی جگہ ہستی بے اعتبار یا ہستی غیر مال و غیرہ کی ضرورت تھی کہ وجہ مال اور باعث فراوی کا اظہار ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شوخی کا لفظ نہایت پر مغزی اور اس میں معانی پر جادوی ہے مولانا طباطبائی کا یہ کہنا کہ ہستی کے بارے شوخی کا لفظ لانے کے قریب ہستی کے جذب پر پیدا نہیں ہوا صیح نہیں ہے کیونکہ خود پیکر کے لفظ سے جو تصویر کے ساتھ لایا گیا ہے ہستی یعنی روح کا جذب ظاہر ہے اور شعریں جو استفہام ہے وہ ایک اشارہ ہے جو اب صریح و پیہ کی جانب اور اس قسم کا سوال جس کا جواب یہی اور ملزمی ہونے کا نام پر مال ہو اور جو تاکید و اثبات اس قسم کے کتابوں میں ہوتی ہے وہ صراحت میں ممکن نہیں اور اگر جو بگیا جائے تو غالباً اس شعریں ہی مطلب لایا گیا ہے جو مولانا و م کے مشہور شعریں ہست و زنی حاکمیت میکند انہی سے لایا ہوتا ہے اس لیے اس شعر کو مصلیٰ فراموش کیا گیا کہ لے کا دکا و پہن کاوش و کاہن طلب یہ کہ کہ عاشق کے یہ قوت کی لڑوں کا کاٹھا ایسا ہی شکل ہو جیسا فراد کے دلوں جو شیر کا لانا۔ کا دکا و کہہ کنی اور صبح کے پیدہ کو جو شیر سے جو مشابہت ہے لفظ

<p>سینہ شمشیر سے باہر ہے۔ دم شمشیر کا معاذتقا ہی اپنے عالم نفس پر ہکا</p>	<p>بے اختیار شوق دیکھا جائے ابھی۔ دم شمشیر جس قدر چاہے بچائے</p>
<p>نہیں کہ ہوں غالب سیری میں بھی آتش زہا سوئے آتش دیدہ ہے۔ حلقہ مری زنجیر کا</p>	
<p>صحرانگر۔ پتلی چشم سو و تھا ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ سو و تھا</p>	<p>بے قیاس۔ اور کوئی نہ آیا بروئے کار آتش کی نے نقش سوید کیا درست</p>
<p>۱۔ غائب کش۔ دم شمشیر تلوار کی بارہ مطلب ہے کہ میری شوق شہادت میں ابھی کش ہے کراس کی وجہ سے سینہ شمشیر سے دم شمشیر باہر نکلتا ہے۔ گویا گئے طے کے لیے تیار ہے۔ گویا دم سینہ میں رہتا ہے۔ مگر جہ پے اختیار سے تلوار کا دم لبوں پر آگیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تلوار میں تلوار کی بارہ باہر کی طرف ہوتی ہے۔ ۱۲ ۲۔ یعنی سماعت کا شوق کتنی ہی کوشش کرے مگر میری تقریب کے مطلب سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اپنے خیالات کو دوسروں کے لیے بے معنی بتانا۔ وہ شعر کا ایک یا مال مضموں کی مضمون اول میں آگئی فاعل ہے اور دم شمشیر کا یہ اقصافت جاذبی مفعول ہی ایک سری جگہ ہوا ہے مگر خاموشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات بگنی حال ہے ۳۔ آتش زہر یا بقیار۔ سوئے آتش دیدہ۔ وہ بال ہوا کی گرمی کی حلقہ دار اور بکھر ہو گیا اور اس کی تیسرے حلقہ زنجیر کا ہر مطلب ہے کہ میرا عالم سیری میں اتنا ہے تو ابوں کہ زنجیر کی گرہاں وہ آتش دیدہ کی مانند پٹ جاتی ہے۔ ۱۳ ۴۔ برونے کا رانا۔ مرد میدان بننا۔ مگر بشتا ہے۔ شکی چشم سو و شمل چشم جامد کے نامک ۱۴ ۵۔ سوید ہوا دل ہر ایک سیاہ نقطہ۔ سو و کی اصل غزل کی پونجی دھواں کو جس طرح دھواں کی سیاہ پتلا ہوتا ہے ۶۔ ہر شے کی خاطر سے نقش سوید درست ہوتا ہے۔ یعنی دل ہر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ شاعر نے سوید کو دھواں کی سیاہ آتش کی گویا نسبت دی ہے۔ ابھی۔ زندگی کو پر اسرار اور اپنی خیالات کو دھواں کی سیاہ پتلا ہوتا ہے۔ ۱۵</p>	

<p>تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاف لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبقِ ہنوز پڑھا نیا کفن نے داغِ عیوبِ بہ سنگی</p>	<p>جب آنکھ کھل گئی نہ تیرا تھا نہ سو تھا لیکن یہی کہ رفت گیا اور پودہ تھا میں و نہ ہر لباس میں انگِ جوہر تھا</p>
<p>تیشے بغیر نہ سکا۔ کوہ کن اس گشتِ خوارِ روم و قیود تھا</p>	
<p>کہتے ہو نہ میں گے ہم۔ دل اگر پڑا پایا عشق سے طبیعت نے نسبت کا مڑا پایا دوست دار دشمن ہی۔ اٹھا دل معلوم</p>	<p>دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے دعا پایا درد کی دوا پائی۔ درد بے دوا۔ پایا آہ بے اثر دیکھی۔ مالہ مار سا۔ پایا</p>
<p>۱۰ داغِ عیوبِ بہ سنگی سے شاعر کا مطلب انسانی صفات سے مترا ہونا ہی۔ رنگِ جوہر۔ شکستہ ۱۱ گشتِ خوارِ روم و قیود۔ روم و قیود کی بے لطف کیفیت میں مبتلا رہنا۔ اس لیے طبیعت اور پودے جڑی کو کہتے ہیں جو لٹھ اترنے کے وقت ہوا کرتی ہے گشتِ خوار یعنی معنے میں سر پھرا ہوا شعر کا مطلب یہ کہ آوازِ محبت کا تقاضا تھا کہ موت کے لیے کسی بہانہ کی ضرورت نہ پڑے اور بغیر تیشے کے ہی مرجانا۔ ۱۲</p>	
<p>۱۳ یہ کہنا کہ دل اگر پڑا پایا تو دوں گے ثابت کرتا ہوں کہ دل پایا اور صرف چھڑنے کے لیے مٹایا جاتا ہے۔ پس ہم نے دعا پایا یعنی کچھ گئے، کہ دل آپ کے پاس ہے۔ ۱۴ ۱۵ عشق ایک ایسا درد ہے جس کی دوا نہیں۔ اور پھر زندگی کا مزہ وہی ہو گیا بغیر عشق زندگی بے دروہا کی جی ۱۶</p>	
<p>۱۷ دوست دار دشمن دشمن یعنی رقیب کو عزیز رکھنے والا۔ اٹھا دل معلوم یعنی دل پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ مطلب یہ کہ آہ کی بے اثری اور مالہ کی نارسائی ثابت کر رہی ہو کہ عموماً ہمارا دل ہمارا ساتھی نہیں ہے بلکہ دشمن کا خیر خواہ ہے ورنہ آہ بے اثر اور مالہ نارسا کرتا ۱۸</p>	

سادگی و پرکاری: بے خودی و ہشیاری خچہ پھر لگا کھلنے۔ آج ہم نے اپنا دل حالی دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی	حسن کو تغافل میں۔ جرات آتا پایا خوں کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا۔ پایا ہم نے بار بار دھونڈا تھا۔ تم نے بار بار پایا
--	--

شور پندرنا صح نے زخم پرنک چھڑکا آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا فرمایا	
--	--

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا حل گیا دل بچنے وق میل رو یا دیارتک باقی نہیں میں عقلم سے بھی پرے مول۔ و نہ غافل باطل	آتش خاموش کے مانند۔ گویا حل گیا اگ اس گھر میں لگی آبی کہ جوتھا۔ حل گیا میری آہ تشنیں سے بال غنقا۔ حل گیا
--	--

۱۱۔ سادگی: بھولا پن۔ پرکاری۔ چالاکی۔ شاعر کہتا ہے کہ حسینیوں کا تغافل بھی عشاق کی جرات کے لیے یعنی ان کا دل دیکھنے کے لیے ہوتا ہو گویا ان کا بظاہر ہی بھولا پن فی الواقع چالاکی ہے اور ان کی بے خودی یا بے خبری اصل ہوشیاری ہو ۱۲۔	۱۱۔ سادگی: بھولا پن۔ پرکاری۔ چالاکی۔ شاعر کہتا ہے کہ حسینیوں کا تغافل بھی عشاق کی جرات کے لیے یعنی ان کا دل دیکھنے کے لیے ہوتا ہو گویا ان کا بظاہر ہی بھولا پن فی الواقع چالاکی ہے اور ان کی بے خودی یا بے خبری اصل ہوشیاری ہو ۱۲۔
۱۳۔ مطالبہ: کہ تم غلاما جوش جنوں تازہ ہو گیا ہے اب فصل بہار ہو۔ خچہ اور دل کی تشبیہ عام ہو اسی باعث خچہ نے شاعر کے خوں کشاۃ دل کی تصویر اس کے سامنے پیش کر دی ۱۴۔	۱۳۔ مطالبہ: کہ تم غلاما جوش جنوں تازہ ہو گیا ہے اب فصل بہار ہو۔ خچہ اور دل کی تشبیہ عام ہو اسی باعث خچہ نے شاعر کے خوں کشاۃ دل کی تصویر اس کے سامنے پیش کر دی ۱۴۔
۱۵۔ آپ سے اشارہ تلخ کی طرف ہے بطور طنز و تشبیہ استعمال ہوا ہو ذوق کہتا ہو واہ ر شور محبت خوب ہی چھڑکا نکا، شور اور نکا قابل لحاظ ہیں ۱۶۔	۱۵۔ آپ سے اشارہ تلخ کی طرف ہے بطور طنز و تشبیہ استعمال ہوا ہو ذوق کہتا ہو واہ ر شور محبت خوب ہی چھڑکا نکا، شور اور نکا قابل لحاظ ہیں ۱۶۔
۱۷۔ مولانا طباطبائی نے آگ سے آتش رشک مراد لی ہے۔ بہتر ہوتا کہ آگ لکھنے سے یا سحر ناکا کی تباہی و بربادی سمجھی جاتی جس کے بعد ذوق میل و یا دیارتک شجہ جانا قدرتی ہو گا ۱۸۔ بال غنقا: یا رے شاعر اپنی فدا کر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہو وہ اپنی مستی کو عدم کو بھی پرے نظر کرتا ہو بال غنقا: یا رے معنی ہو سکتی ہیں کہ جس جگہ ہو وہاں غنقا کو بال کشائی کا یا ر نہیں ہو۔ پری لکھنویں شروک اور ولی میں رائے ہو	۱۷۔ مولانا طباطبائی نے آگ سے آتش رشک مراد لی ہے۔ بہتر ہوتا کہ آگ لکھنے سے یا سحر ناکا کی تباہی و بربادی سمجھی جاتی جس کے بعد ذوق میل و یا دیارتک شجہ جانا قدرتی ہو گا ۱۸۔ بال غنقا: یا رے شاعر اپنی فدا کر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہو وہ اپنی مستی کو عدم کو بھی پرے نظر کرتا ہو بال غنقا: یا رے معنی ہو سکتی ہیں کہ جس جگہ ہو وہاں غنقا کو بال کشائی کا یا ر نہیں ہو۔ پری لکھنویں شروک اور ولی میں رائے ہو

<p>کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحر اہل گیا اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما اہل گیا</p>	<p>عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گری کہاں دل نہیں بچھہ کو دکھاتا۔ ورنہ داغوں کی بہا</p>
	<p>ہیں ہوں اور فسردگی کی آرزو غالب کے دل دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا جل گیا</p>
<p>قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا تیر بھی سینہ لسم سے۔ پرافشاں نکلا</p>	<p>شوق ہر رنگ قیپ۔ سرو ساماں نکلا زخم نے داد نہ دی۔ تنگی دل کی یارب</p>
<p>۱۱ عرض کرنا۔ پیش کرنا جو ہر اندیشہ "سوق" بچا رہا فکر کرنا۔ شاعر کہتا ہے کہ فکر کا جو ہر جو مجھ میں موجود ہے اسے کس کس نے سامنے پیش کر دیا اس میں اس قدر حیرت ہو کہ وحشت کا کچھ یوں ہی سا خیال آنے سے صحر اہل کر خاک ہو گیا۔ اظہارِ وحشت کی صورت میں خدا معلوم کیا ہوتا۔ عرض کر جو ہر سے تناسب الفاظ یا بصورت ہو ۱۲ ۱۱ کا رفرما دیکھ کر لے والا لفظ الا چراغاں یہ لفظ چراغ کی جمع نہیں ہو بلکہ اس روشنی کو کہتے ہیں۔ کسی عام عجب یا خوشی کے موقع پر ہوتی ہے اور اس معروف سنائی کے علاوہ ایک سزا کا نام جو جو یہ کہ مجرم کے سر میں چڑ جلد گہرے زخم کر دے جاتے تھے اور ان زخموں میں شمع جلاتے تھے ۱۱ طرزِ تپاک سے مراد ظاہری تپاک اور منافقانہ بڑاؤ یعنی اس منافقانہ گرجوئی سے میں افسردگی اور سرد مہری بہتر سمجھتا ہوں اور اسی کا آرزو مند ہوں ۱۲ ۱۱ شوق۔ عشق۔ ہر رنگ ہر طرح۔ ہر حال۔ رقیب۔ دشمن۔ رنگ کا لفظ تصویر کی مناسبت سے استعمال ہوا ہے۔ اس شعر کا مطلب صاف ہے صرف پردہ کا لفظ قریب ہے۔ دراصل نفس معنی اس لفظ کا کوئی اثر نہیں پردہ تصویر سے مراد تصویر اور مضامین حجازی ہر پردہ کی رعایت ثانی کے ساتھ ظاہر ہے۔ شاعر نے نزدیک قیپ کی تصویر عریاں ہی چھینی جاسکتی ہو ۱۲ ۱۱ داغوں کی۔ تدبیر نہ کی۔ پرافشاں۔ پھٹتا ہوا یعنی سراپہ اور پریشاں ۱۲</p>	

<p>جو تری بزم سے نکلا۔ سو پریشاں نکلا کام یاروں کا۔ یہ قریبے نذاں نکلا سخت مشکل ہی کہ یہ کام بھی آسان نکلا</p>	<p>بوسے گل۔ نالہ دل۔ دو چراغ محفل دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت و مد تھی نو آموز فنا۔ بہت دشوار پسند</p>
<p>دل میں بھر کر یہ نے ایک شورا ٹھکانا ۵۲۔ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوقاں نکلا</p>	
<p>عشق نیر و پیشہ طلبگار۔ مرد تھا ارٹنے سے پیشتر بھی۔ مرا شاگ زدہ تھا</p>	<p>چمکی میں مر گیا۔ جو نہ باب نیر و تھا تھا زندگی میں مرگ کا کھنکھایا لگا ہوا</p>
<p>۱۱۔ مائدہ کھانا دینے والا مجازاً بمعنی دسترخوان شاہ کنتاوی کہ میرے ہمدوں میں سے ہر شخص قدر استفادہ خود کا میاں ہوا۔ ۱۲۔ یہ بعض خیر و اکثر و برائیوں میں ہے نماز و نماز یعنی میں ہی نو آموز فنا۔ مگر ایک برائے نسخے میں جو مرد کی زندگی میں طبع ہوا ہے "تھی نو آموز فنا" "ہو جو" "ای" "اور" کے مقابل میں قریب الفہم ہے یعنی میری بہت ایسی دشواریاں تھیں کہ وہیں نہ اس کے لیے ایک معمولی نو آموزی کا سا کام تھا اس لیے سخت مشکل ہی کہ یہ کام بھی آسان ہو یعنی اسوس کہ ہمارے مراحل فنا بھی پرسانی سے ہو گئے۔ ۱۳۔ ۱۱۔ باب نیر و۔ لائق نیر و یا جنگ کے قابل عشق نیر و پیشہ طلبگار مرد تھا۔ یعنی عشق جہاں مرد جنگ کو مقابلہ کے لیے چاہتا تھا۔ ۱۲۔ ۱۳۔ یعنی موت کے کھنکے کی وجہ سے زندگی ہی میں چہرے ہی اسی اسی اسی اسی اسی اسی اسی اسی اسی جیسے مرنے کے وقت ہوتی ہے۔ ۱۴۔</p>	

<p>مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا۔ اس رہ گزریں جلوہ گل آگے گرد تھا دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا زندہ الیں بھی خیال بیابان لہر و تھا</p>	<p>تا بہشت ہنست ہا سے وفا کر رہا تھا ہر دل تا جگر کہ سب حل دیا خوں ہو اب جانی ہو کوئی کشمکش اندوہ عشق کی احباب چارہ ساز ہی جہشت کر سکے</p>
	<p>یہ لاش بے کفن اس نہایت جاں کی ہو حق مغفرت کیسے عجب آزاد مرد تھا</p>
<p>شمار سچہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا</p>	<p>تماشاے بیک کفن دل سپنہ آیا</p>
<p>اس میں اُس وقت وفا کا عادی تھا جب کہ میری طفلی اور ناجائز بکامی کا عالم تھا ۱۲۔ یہ گرد تھا۔ خاک بھی نہ تھا۔ بے وقت تھا یعنی بھی ہم بھی رنگین طبع تھے اور اب تو دل بیکر سب منہ دم رکھتے ہیں ۱۳۔ تلا وہی اسی طرح پایہ اشارہ ہو دل کے جانے کی طرف۔ وہ سہری صورتیں ہیں یہ مٹی ہوئے کہ دل نہ ہا تو یہ بجائے خود ایک درد ہو گیا۔ میر لکھتا ہو سہ</p> <p>غم رہا جب تک کہ دم میں رہا ۱۴۔ دم کے جانے کا نہایت غم رہا سچے شمار سچہ بہت سچ کے والوں کا شمار کرنا۔ مرغوب ہوا اصرار دل بیک کفن ہر دن ایک تھے میں سو سو دل لینا پسند آیا۔ پسند ہوا مطلب یہ ہو کہ عشق کو تسبیح کا شمار کرنا جس میں غم و سو داغ ہوتے ہیں اس وجہ سے پسند آیا ہے کہ اس میں اُس کی خواہش کے مطابق ایک ہی وار میں سو سو دل پتھیا لینے کی مشابہت ہو جو شمار سچہ آیا۔ کافیا حل ہو مرغوب آغا فارسی محاورہ مرغوب آمدن کا لفظی ترجمہ جو حسن طرح خوش آمدن کا خوش آہا۔ لیکن اول اندک ارادہ میں کم استعمال کیا جاتا ہو ۱۵۔</p>	

فیض بے دلی۔ نو میدی جاوید آساں ہی ہو گئے سیر گل۔ آئینہ بے ہری قاتل	کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا کہ انداز بخوں غلبتیں سبیل پسند آیا
---	---

جراحت تھخہ۔ الماس اونٹیاں۔ داغ جگر پر مبارکہ باد اسد غم خوار جان درویش۔ آیا	
--	--

دہریہ نقش وفا۔ وجہ سی نہ ہوا	۸	ہی یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
------------------------------	---	------------------------------------

یہ دنیا کی طرف سے بیداری کے سبب ہمیشہ کی مایوسی کا برداشت کر لیتا ہمارے لیے
آسان ہے۔ دوسرے مصرعہ میں شاعر کہتا ہے کہ ہمارا عقدہ مشکل کشائش کو پسند آگیا، یعنی
اب ہماری مشکل کبھی آسان نہ ہوگی کیونکہ کشائش کو جو عقدہ پسند آگیا ہو اس کا حل ہونا معلوم۔
بیداری کے معنی ہیں دل سے محرومی۔ مثلاً میں بیدل یہ جمال تو عجیب حیرانم۔ مجازاً کم ذوقی۔
اور بے حسی کو بھی کہتے ہیں۔ مثلاً بے دلی ہائے تماشا کہ نہ ہر تہ ہے نہ ذوق بے دلی
یعنی افسردگی و کم ذوقی بھی دوسرے مطلب کے لیے مفید ہو۔ یعنی دنیا سے افسردگی
اور بے لطفی پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہم کو امید غریب نہ رہی۔ اس لیے نو میدی جاوید کی
وہ دل آنگاری اور جاں کا ہی ہمارے لیے ختم ہو گئی۔ درہ مایوس ہونا اور ہمیشہ کے لیے
مایوس ہونا کتنا حقیقتاً ایک سخت مشکل کام جس کو کشائش نے آسان کرنے کے لیے
انتخاب فرمایا اور یوں آسان کر دیا کہ ہمیں بے دلی عطا فرمادی ۱۲۔

۱۳ ہوائے سیر گل۔ سیر گل کی خواہش۔ آئینہ بے ہری قاتل۔ قاتل کی سخت دلی کا ثبوت
پہلے مصرعہ میں فعل "ہو" محذوف ہے۔ انداز بخوں غلبتیں سبیل سبیل کا خون میں لوٹنے کا انداز
مطلب یہ ہے کہ قاتل کا سیر گل دیکھنے کے لیے جانا اس کی چٹا جلی کی دلیل ہو نہ کہ محبت گل کی نشا
گل اسے صرف اس وجہ سے پسند ہو کہ گل کو خون میں لوٹنے والے سبیل سے مشابہت ہے ۱۲
۱۳ حیران لکھنؤ غم الماس۔ ریا لفتح ہیرا اور جہر داتلوار کی ایک قسم "غوار جان درویش" عشق سے مراد ہے

<p>بہزہ خط سے تراکام سرکش نہ دیا میں نے چاہا تھا کہ اندوہ جھاسی چھوٹوں دل گزرگاہ خیال کو دساو ہی سہی اتوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی اسی کبھی کس سے محرومی قسمت کی شکایت کچھ</p>	<p>یہ نہ مرد بھی۔ حریف دم افنی نہ ہوا وہ تنگ مرے مرنے پہ بھی راہنی نہ ہوا گر لہش جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا گوش ہست کش گلابا نگ لٹلی نہ ہوا مہ نے چاہا تھا کہ مرجائیں وہ بھی ہوا</p>
--	---

مر گیا صدمہ یک خیش لب سے غالب
نا توانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

لہ نہ مرد۔ بہزنگ کا ایک قیمتی پتھر۔ افنی سیانہ۔ بہزہ خط کو زمر سے تشبیہ دی ہے اور کمال کو
افنی سے اپنے معشوق سے شاعر کہتا ہے کہ زمر کے عکس سے سیانہ تو اندھا ہو جاتا ہے لیکن
تیرا بہزہ خط کیسا زمر دہے کہ زلف کے سیانہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ بہزہ خط نکل آنے
کے باوجود زلف کا دھیرا اثر یعنی دل فریبی پر مشورہ باقی ہو ۱۲۔
عہ مصرعہ ثانی کے معنی کہنے سے شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر
سافس پرہیزگاری کی منزل پر پہنچنے کی راہ نہیں بن سکتی تو دل شراب اور جام کے
خیال کی گزرگاہ بن سکتا ہے۔ یعنی اگر منتقی ہوتا ممکن نہیں تو رند ہی سہی ۱۲
سہ گلابا نگ۔ آواز خوش ۱۲۔
سہ حریف۔ مقابل۔ حریف دم عیسیٰ کو برداشت نہ کر سکا۔

نشان گہری زہد اس قدر حسنِ خواں کا
 بیاں کیا کیجیے پیراؤ کاوش ہاؤ مرغزار کا
 نہ آئی سطوتِ قاتل بھی نہ مرنے والوں کو
 دکھاؤں گا تماشا۔ دی اگر فرصت نہ ملے
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے کے

۹ وہ ایک گلدستہ ہے ہم بخود و کس طاقی لسیاں
 کہ ہر اک قطرہ خوں دانہ ہے تسبیحِ جڑوں کا
 بیا دانوں میں چمکنا ہو آئینہ نیستاں کا
 مرا ہر داغِ دل ایک تخم ہے سرورِ چراغاں کا
 کرے جو پر تو خورشیدِ عالم۔ شبنمستاں کا

لے طاقی لسیاں کیا :- اضافت مجازی گلدستہ اور طاق کی رعایت ظاہر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ
 ہم بخود ان محبت ایک عالم کو بھلائیے ہیں اور زہد جس بلغِ فروس کی تعریف میں اس قدر
 رطب اللسان ہو ہم اس کا خیالی ترک کر چکے کسی چیز کو طاق پر رکھنا۔ اس کا خیالی ترک کر دینا
 یہی ترکیب ایک جگہ اور بھی ہے یاد تھیں ہم کو بھی کہ گادگ بزم آرائیاں۔ لیکن اس
 نقش و نگار طاقی لسیاں ہو گئیں طاقی لسیاں کے معنی میں بام لسیاں بھی فارسی میں متعول
 ملے قطرہ خوں کو مرجان یعنی موتیوں کے دانے سے جو تسبیح میں پڑا ہوا ہے تسبیحہ دی ہے یعنی
 ترکات یا رنے ہر قطرہ خوں میں سوراخ کروا ہوا ہے۔

لے سطوت :- رعب نیستاں :- فی پید ہونے کی جگہ :- ذوہ چتر جس سے مانے کے مانند
 آواز پیدا ہوتی ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رعب محسوس سے مرعوب ہو کر بطور بجز
 دانست میں تھکا لیا تھا۔ لیکن اس کا رعب میرے نابالوں کو زد و کسکا اور وہ تھکا ہوا
 بجز کے لیے دانست میں لیا تھا ریشہ نیستاں بن گیا یعنی نالہ کشی کی جڑ بن گیا۔ فارسی محاورہ
 ہے جس پر دندال گرفت جس سے مراد ہوا خمار بجز کرنا۔ یہ محاورہ ایران اور ترکستان کا ہے اور
 یہ محاورہ اس فوجی رسم سے پیدا ہوا ہے کہ مغلوب اپنے دانوں میں تھکا لیکر فتح سے
 طالبِ امان ہونے لگے۔

لے شبنمستاں مرکب ہے شبنم اور ستاں سے یعنی وہ جگہ جو شبنم سے بھگی ہوئی ہو
 اس شعر میں آئینہ خانہ کی مثال شبنمستاں سے تشبیہ مرکب ہے۔

<p>ہیولی برقی خرم کا خون گرم تھاں کا بنا رہا اب کھوٹے پرگھاس کے پھوڑوں کا چراغ مردہ ہوں بین زبانِ عربیاں کا دلِ افسردہ گویا حجرِ یوسف کے زنداں کا سبب کیا؟ خواب میں آرزو تیرے نہاں کا قیامت ہے شرکِ آلودہ ہوتا تیری گان کا</p>	<p>مری تعمیر میں مضمحل ایک صورتِ جہانی کی آگاہی گھر میں ہر سو ہنرد ویرانی تماشہ کر خموشی میں ان کے گشتہ لاکھوں روہیں ہیں ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے بغل میں غم کی آج آسپا ہے یہ کہیں نہ نہیں معلوم کس کس کا ہو پانی ہوا ہو گا</p>
<p>نظر میں ہو ہماری جادہ راہ فنا کا لب کہ یہ شیرازہ سی عالم کے اجڑائے پریشاں کا</p>	
<p>راہ تعمیر و تخریب فلسفہ کی مشہور اصطلاحیں ہیں جس کے معنی بنانا اور بگاڑنا ہیں۔ تخریب پوشیدہ ہیولی فلسفہ کی اصطلاح میں مادہ کو کہتے ہیں۔ خون گرم، سرگرمی و ہتھکان کے معنی کا شکار ہونے کے ہیں۔ یہاں سے مراد حرارتِ غریبی سے ہو اور خرم میں حیاتِ جہانی سے استعارہ ہو خون گرم سرگرمی برقی خرم میں شعر کا قیام ہے کہ جو انسانی حقیقتِ فانی ہو فانی عنصر سے بنایا گیا ہو۔ اس سے بھی زیادہ صاف مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میرا وجود میری فنا کی دلیل ہے جس طرح وہ تھاں کی سرگرمی خود اس کی خرم میں دکھایاں کہے لیے بجلی کا کام کرتی ہو غرض یہ کہ نہ دھتھان اپنی سرگرمی کو کشش سے خرم میں اکٹھا کرتا نہ بجلی اس کو برباد کرتی۔ اس شعر میں فلسفیوں کی اصطلاحوں میں اور شعاعی عناصر میں غنی و انسانی ہستی کے ثبات کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ غالباً ہی کا حصہ ہے اس طرح مردہ: بچھا ہوا چراغ: چراغ کی لو اور آدھی کی زبان کی تشبیہ ظاہر ہو۔ بچھے ہوئے چراغ میں لو نہیں ہوتی، اس لیے اس سے بے زبان آدمی کو تشبیہ دی ہے اس طرح میں خیالی یا کہ یوسف اور دلِ افسردہ کو حجرِ زنداں کے تشبیہ دی ہے کہ ہو پانی ہونا یعنی رونا۔ ٹرکانِ شرکِ آلودہ: آتشوں میں ڈوبی ہوئی پلکیں ۱۲۔ سر شہ جاؤ راہ فنا کو دنیا کے اجڑائے پریشاں کا شیرازہ اس لیے کہا گیا کہ تمام اوراقِ عالم فنا ایک ہی کشتہ میں سبے ہوئے ہیں ۱۳</p>	

۱۰۔ حباب موجہ رفتا ہو نقش قدیم میرا کہ موج بوسے گل سزا کہ میرا آنا تو میرا	۱۱۔ تم ہو گایا ہاں ماندگی سے وق کم میرا محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ دماغی ہو
عبادت برق کی کرتا ہوں افسوس حاصل کا جو تو دیلے دی ہو۔ تو میں بھی باز وہیں حاصل کا	۱۲۔ سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی بقدر ظرف ہی ساقی غماریت نہ کامی بھی

۱۔ ایک بیاباں ماندگی۔ کثرت ماندگی ذوق فوق و نور دی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح
موج کا ذوق روانی کبھی کم نہیں ہوتا اسی طرح میرا ذوق رہ نور دی بھی کم نہیں ہوتا
چاہے میں کتنا ہی کیوں نہ تھک جاؤں ایک بیاباں مقدار اور کثرت کے لیے ایک
دوسری جگہ بھی استعمال ہوا ہو۔ ایک بیاباں جلوہ گل فرش پا انداز ہی ۱۲
۲۔ شاعر کہتا ہے کہ پہلے مجھے چمن سے عشق تھا اور اب یہ حال ہو کہ بوسے گل سے تاک میں
آتا ہو یعنی جی بزار ہوتا ہو ۱۲

۳۔ سراپا رہن عشق۔ ۴۔ تن بنائے عشق۔ ناگزیر الفت ہستی۔ فارسی محاورہ ہے یعنی
زندگی پر مجبور ہوں۔ افسوس حاصل کا۔ خرمن کے نقصان کا افسوس۔ مطلب یہ کہ ادھر تو
مثلائے عشق ہوں خنکا کر دیتا جس کا خاصہ ہو اور ادھر اپنی زندگی کو غریب رکھتا ہوں جو
مقتضائے فطرت ہو۔ پس میری مثل اس دیہقان کی سی ہو جو بجلی کو پوچھا بھی ہوا دے اپنے
خرمن کی بہا دی بہت شامف بھی ہو۔

۵۔ تمہارا نہ:۔ انگڑائی مجازاً میرے کام کا نتیجہ اس شعر کا مطلب صاف ہے شاعر کہتا ہے
کہ اگر ساقی کا ظرف دریا کی سی حیثیت رکھتا ہے تو میرا حوصلہ بھی اس قدر بڑھا ہوا ہے
کہ میں دریا کو لوش کر سکتا ہوں۔ ۱۲

محرم نہیں ہے تو ہی۔ نواہاے راز کا
 رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہی
 نواور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
 عرفہ ہی ضبط آہ میں میرا۔ دگر میں
 ہیں بس کہ جوش بادہ سی شیشے اچھل ہے

۱۲ یاں ورنہ چو چاہے پردہ ہر ساز کا
 یہ وقت ہی شگفتن گل ہائے ناز کا
 ہیں اور دکھ تری شرہ ہائے دراز کا
 طعمہ ہوں۔ ایک ہی نفس جاں گداز کا
 ہر گوشہ بساط ہی۔ سر شیشہ باز کا

محرم۔ جو محرم یعنی پردہ نشینوں میں آنا جانا ہے۔ مجازاً وہ شخص جو بھیدوں سے واقف ہو
 مثلاً محرم راز۔ حجاب یعنی پردہ جس کو پردہ ساز کے ساتھ لفظی مناسبت حاصل ہے۔ شعر کا
 مطلب یہ ہے کہ تو بھید کی باتوں سے خود ناواقف ہو یا یہ کہ تیرے پاس گوش مشنوا نہیں ہے نہ
 دنیا میں بظاہر تجھے پردہ نظر آئے وہ بھی پردہ ساز کی طرح اسرار الہی ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی جو
 چیزیں بظاہر مانع کشف راز معلوم ہوتی ہیں وہ درحقیقت کاشف راز ہیں ۱۲
 ۱۲ اس شعر میں شاعر نے اپنے رنگ شکستہ یعنی اڑے ہوئے رنگ کو بہار نظارہ
 کی صبح سے تشبیہ دی ہے اور چونا صبح کے وقت پھول کھلتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے عشق
 سے کہتا ہے کہ صبح کے وقت میرے منہ پر ہوا یاں اڑتے ہوئے دیکھ کر تو بھی
 اپنے ناز کے پھول کو کھانے دے یعنی سرگرم ناز ہو ۱۲۔

۱۲ شرہ ہائے دراز۔ دل میں گھر کرنے والی مرگاں ۱۲
 ۱۲ عرفہ۔ فائدہ۔ طعمہ بالضم۔ نورین و نقد نفس جاں گداز۔ جان کو گھلا دینے والی سانس
 یعنی روح کو تحلیل کرنے والی آہ۔

۱۲ ہر گوشہ بساط۔ ہر بزم عیش و محبہ کے کوؤں پر شراب جنی ہوئی ہیں فرش کا گوشہ شیشہ باز
 بازی گروں کا ایک فرقہ ہے جو سر پر شیشہ رکھ کر ناچتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ باد
 حرکات و قاصی شیشہ ان کے سر سے نہیں گرتا ۱۲

کاوش کا دل کہے ہو تھا ضا۔ کہ ہو نہ	ماخن پر قرض۔ اس گروہ نیم باز کا
	<p>ناراج کاوش غم بھرا ہوا اس سے سید نہ کرتھا۔ دقت نہ گہرائے راز کا</p>
<p>۱۲۔ رکھو یا رب! یہ درگتیز کو ہر کھلا اس نکاح سے کہ گویا بستی کا در کھلا آستین میں شہنشاہاں۔ ہاتھ میں شتر کھلا یہ کیا کم ہو کہ مجھ سے وہ بری پیکر کھلا خلد کا اک دم ہو میری گور کے اندر کھلا زلف سے بڑھ کر نقاب اس رخ کے منہ پر کھلا</p>	<p>۱۳۔ بزم شہنشاہ میں اشعار کا ذکر کھلا شہب ہوتی پھر۔ انجم خندہ کا منظر کھلا گویا بستی کا در کھلا۔ گویا بستی کا در کھلا گویا بستی کا در کھلا۔ گویا بستی کا در کھلا گویا بستی کا در کھلا۔ گویا بستی کا در کھلا گویا بستی کا در کھلا۔ گویا بستی کا در کھلا</p>
<p>۱۴۔ گروہ نیم باز مراد دل سے ہو یعنی جہول بوجہ تکی گروہ ہو کے رہ گیا ہو نیم باز سے یہ اشارہ ہے کہ یہ دل پہلے بھی لذت کاوش سے سرور مند ہو چکا ہے گروہ ناتمام رہا ۱۲ ۱۵۔ تالیج یعنی قارت فارسی میں تالیج وادن اور تالیج کردن دونوں مستعمل ہیں غالب نے اردو میں تالیج ہونا استعمال کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس امر میرے پیسے کو خوش میں ہوتا راز پوشیدہ تھے غم بھرا ہوا نے قارت کر دیا یعنی معشوق کی جدائی کے غم نے مجھے رسوا کیا ۱۲۔ ۱۶۔ دشمنہ بالفتح بمعنی خیر ایک شاعر نے بچائے دشمنہ کے دست لکھ کر اس کی شرح لکھی ہو یہ ایجاد بندہ ۱۲۵۔</p>	<p>۱۷۔ یہی پیکر کھلا معشوق نے لکھنا ۱۲۱۔ ۱۸۔ قمر میں نگاہیں معشوق کے چہرہ رنگیں کے خیال سے سرور اندوز ہیں جس طرح کوئی ہشت کا منظر سامنے ہو۔ گویا خیال اور حسن عمل دونوں کا ایک ہی شہر ہو نہ منہ پر کھلا نقاب منہ پر کھلا</p>

<p>دیر پہنے کو کہا۔ اور کہہ کے کیسا پھر گیا کیوں اندھیری ہوشی میں غم آہی بلاد کل نزول کیا ہم موغ بتیں بخش؟ جب ہو جاوے گا حال</p>	<p>جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا لیٹر کھلا آج ادھری کو رہے گا درجہ اختر کھلا نامہ لانا اور وطن سے نامہ برا کتر کھلا</p>
--	--

<p>اس کی امت میں ہیں بے پیر میں کیوں کا واسطے جس نے غالب گنبد کے در کھلا</p>	<p>عصید</p>
--	-------------

شب کہ برق سوز و دل سے۔ زہرہ ابرہ آب تھا
(ق) (۱۳) دام بابو مسکینہ
شعاع جوال۔ ہر اک۔ حلقہ گر و آب تھا
وال کرم کو غدر بارش۔ تھا غناں گیر خوام
گرہ سے یاں پسند بارش۔ کف سیلاب تھا

میں پہلے مصرعہ کا جز اول سوال اور اسی شعر کے دوسرے مصرعہ میں اس کا جواب دیا
گیا ہے یعنی ستاروں کا رخ آسمان کی طرف پھرا ہے گا۔ ۱۲
ظہ غریبہ۔ مسافرت۔ کھلا خط وہ روانہ ہوتا ہے جس میں خبر مرگ لکھی جاتی ہے ۱۲
تھ گنبد ہے درخت آسمان۔ گنبد ہے درخت کے کھلنے سے واقعہ شب حراج کی طرف اشارہ ہے
تھ زہرہ بفتح اول۔ بمعنی پتہ دلیری و شجاعت۔ جمالہ دسکٹنے والا گردن کرنے والا طلب
ہے کہ رات کو دل کی تپش جو پیش برق تھی اس سے ابر کا پتہ پانی ہو گیا تھا اور اس کے
اثر سے جو بھنور پانی میں پڑتا تھا شعاع جمالہ کی طرح چکر کھاتا تھا ۱۲۔
شہ پند بارش۔ نتیجہ کی روئی۔ کف سیلاب۔ سیلاب کے بھاگ یعنی امس کا کرم بارش
کی وجہ سے نہ ہو سکا اور یہاں بوجہ گرہ پیکے کی روئی کف سیلاب نظر آتی تھی ۱۲۔

واں خود آرائی کو بھٹا موتی پر وئے کا خیال
 یاں اچھو جم اشک میں۔ تارنگہ نمایاں تھا
 جاوہ گُل نے۔ کیا تھا۔ واں چراغاں آب جو
 یاں ارواں مژگانی چشم تر سے۔ خون تاب تھا
 یاں سر پر شوئے خوابی سے۔ تھا دیوار جو
 واں دو فرق ناز محو بالمش کم خواب تھا
 یاں۔ نفس کرتا تھا روشن۔ شمع بزم بچھوئی
 جاوہ گُل واں بساط صحبت احباب تھا
 فرش سے تاعش۔ واں۔ طوفاں تھا۔ موج رنگ کا
 یاں نہ میں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

لے مولا نا طباطبائی کو یہ اعتراض ہے کہ آپ جو کہ لفظ کے بعد لفظ "کو" کی ضرورت ہو
 اور یہ حذف صحیح نہیں ہے۔ آپ جو اور آجود لفظ ہیں اور دونوں کے معنی مختلف ہیں
 آپ جو نہر کا پانی اور آجود نہر کیب مقاب پانی کی نہر شعر میں نہر کا پانی مراد ہے اگر
 پانی کی نہر مراد لی جائے تو فی زمانہ لفظ "کو" محذوف کرنا ضرور متروک ہے مگر
 متقدمین کے یہاں ایسے حذف کی بکثرت مثالیں ملیں گی ۱۲
 لے دیوار جو دیوار کی تلاش کرنے والا۔ شاعر نے سر کو دیوار تلاش کرنے والا کہا ہے
 مطلب یہ ہے کہ پھر میں زندہ آنے کی وجہ سے میرا سر دیوار سے ٹکرانے کے لیے دیوار
 کا ٹکرائی تھا۔ فرق ناز۔ معشوق کا سر ۱۳
 لے موج رنگ کا طوفاں تھا۔ فصل گل کا جوش تھا۔ سوختن کا باب تھا۔ سوختن کا
 مصدر رگروا جا رہا تھا یعنی جلنا ہی جلنا تھا ۱۴

نالہاں۔ اس رنگ سے خوں ناپہ پیکانے لگا
 دل کہ ذوق کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا
 نالہ دل میں۔ شب انداز اثر نایاب تھا
 تھا سپندر بزم وصل غیر گو بیتاب تھا
 مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہو
 خانہ عاشق۔ مگر سازِ صدائے آب تھا
 نازش آیام خاکستر نشینی کیس کہوں
 پہلوئے اندیشہ۔ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

۱۷۔ اس رنگ سے خوں ناپہ پیکانے لگا۔ یوں کہنے لگا۔ کاوشِ ناخن استوارہ ہو
 کاوشِ غم سے ۱۲۔ مندرجہ بالا اشعار قطعہ بند ہیں اس قطعہ میں شاعر نے اپنی انکامی اور
 معشوق کی بے پروائی کا مقابلہ کیا ہے اور اس چھٹے شعر میں وہ دوسری غزل کی طرف
 حوالہ دیتے ہوئے دلچسپی میں لکھی ہوئی اشارہ کرتا ہے ۱۳
 ۱۷۔ نایاب خفا۔ نہ خفا سپند کا لادانہ جو دفع نظر کے لیے جالتے ہیں مطلب یہ ہے کہ راستہ کو
 میرے دل نے جو تالہ کیا وہ بے اثر تھا۔ یعنی میرے لیے مفید نہ تھا۔ بلکہ بجائے اس کے کہ
 اس سے مجھے تالہ پہنچا وہ باوجود بے تابی رقیب کی بزم وصل کے لیے سپند بن گیا۔
 یعنی اس نے رقیب کی بزم وصل کو نظر بند سے بچانے کی خدیش سے انجام دی ۱۴
 ۱۷۔ مقدم سیلاب۔ سیلاب کا آنا مقدم بالفتح کسی جگہ سے واپس آنے کو کہتے ہیں۔
 نشاط آہنگ۔ مسرور سازِ صدائے آب شاعر نے فارسی ترکیب سے یہ جملہ بنا کر طرز
 کا مفہوم ادا کیا ہے۔ جل ترنگ ایک ہندوستانی باجا ہوتا ہے جس میں سات پیالوں میں کم و بیش
 پانی بکھا جاتا ہے اور اسے سارنگی کے پردوں سے ملاجا جاتا ہے۔ آہنگ و ساز میں جو
 نما سہنتا ہو وہ ظاہر ہے ۱۵۔ پہلوئے اندیشہ۔ پہلوئے خیال۔
 سنجاب۔ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۸

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسانے۔ ورنہ۔ یاں
 ذرہ ذرہ۔ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے؟
 کل تاک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 یاد کر۔ وہ دن۔ کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صبر میں۔ اک دیدہ دے خواب تھا

میں نے روک رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
 اس کے سیل گرہیں۔ گردوں کھنسیاں تھا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حسنا ۱۶ خونِ جگر و دلیتِ ثرگانِ یا رہتا

بالکسرا ایک جانور کا نام ہے جس کے پوست سے پستین بناتے ہیں اور اس پستین کو بھی
 سنجاب کہتے ہیں جس کا رنگ خاکی ہوتا ہے اسی وجہ سے خاکستر لکھنی اور بستر سنجاب کا ہوتا ہے
 پر بزمِ شاعر نے اس شعر میں قضاعت پر اظہارِ فخر کیا ہے کہ مجھے خاک لکھنی میں بھی بستر سنجاب کے
 بنے ملتے تھے ۱۶

۱۷ کچھ نہ کی۔ کچھ نہ ہو سکا جنونِ نارسانا عشقِ ناتمام ۱۷ روکشِ بد مقابل یعنی جنونِ نارسانے
 اکساب فیض سے محروم رکھا۔ ورنہ یاں تو ذرہ ذرہ چشمہ نور تھا ۱۷
 ۱۸ یعنی اس کے سیلابِ گریہ کی بلندی آسمان تک پہنچ جاتی ۱۸

۱۹ ایک ایک قطرہ کا حساب دینا پڑا یعنی میرے جگر کا سارا خون آنکھوں سے قطرہ قطرہ ہو کر
 ٹپک گیا اور چونکہ میرا جگر ثرگانِ یار کے ذریعے سے خون ہوا تھا۔ اس لیے وہ خون اسی کی بات تھی

<p>لوٹا جو تو نے آئینہ تماشال وار تھا جاں دا دھوا لے سر رہ گزار تھا ہر ذرہ مثل جو ہر تیغ آب وار تھا</p>	<p>اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آردو گلیوں میں میری لہش کو کھینچے پھرو کہ میں موج سراب و منشت وفا کا نہ پوچھ حال</p>
<p>کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو۔ پر اب دیکھا تو۔ کم ہوئے یہ غم روزگار تھا</p>	
<p>آدمی کو بھی میسر نہیں۔ انساں ہونا</p>	<p>نہیں کہ دشوار ہی۔ ہر کام کا آساں ہونا، ۱۱</p>
<p>۱۱ ماتم یک شہر آردو۔ ہزاروں آردوؤں کا خون۔ ایک شہر آردو میں۔ وہی ترکیب ہو جو یک بیاباں ماندگی میں ہو (ماہ خطہ ہد صفحہ ۱۰۔ نوٹ نمبر ۵) تماشال۔ تصویر۔ مطلب یہ کہ جب انہوں نے وہ آئینہ جس میں میری تصویر تھی تو ڈوٹا لیا تو میری ہزاروں آردوؤں کا خون ہو گیا۔ یعنی مجھے اتنا درجہ کا رنج ہوا ۱۲ ۱۲ عہ ہوا نہ آردو۔ رہ گزار سے مراد وہ گزرے معشوق ہو ۱۳ ۱۳ سراب بالفتح۔ وہ رہبت جو دور سے چمکتی ہو اور پیاسے کو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ دریا پر رہا ہے۔ اسی بنا سبب سے موج سراب کہا گیا ہو اور جس طرح سراب سے پیاسا دھوکا کھاتا ہو۔ اسی طرح وفا محض سراب ہی۔ دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے شاعر کا مطلب یہ ہے و منشت وفا کے سراب کا ہر ذرہ مثل جو ہر تیغ کے عشاق با وفا کا قاتل یہ کم ہونے پر بھی دیا وہ نکلا ۱۴ ۱۴ انساں ہونا۔ یعنی انسان کامل ہونا۔ جو حقیقی صفات انساں پرست انسانیت کا نمونہ ہو مولانا حالی نے یا وگا رغا لیب میں اس شعر کے پہلے مصرعہ کو اس طرح لکھا ہے۔ جس کے مشکل ہو ہر اک کام کا آساں ہونا۔ لیکن عام دیوانوں میں اسی طرح ہے ہی جیسا ہم نے لکھا ہے اس کا</p>	

<p>گر یہ چاہے ہی خرابی مے کاشانے کی وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو جلوہ از بس کہ تھا ضلے لگے کرتا ہو عشر تفتل گر اہل تمناست پوچھ لے گئے خاک میں ہم داغ تمنای نشا عشرت پارہ دل زخم تمنای کھانا</p>	<p>درو دیوار سے پکے ہی بیاباں ہونا آپ جانا۔ اُدھر اور آپ ہی جہاں ہونا جو ہر آنہ بھی چاہے ہی ترگاں ہونا عید تظارہ ہی۔ شمشیر کا عریاں ہونا نہ ہو۔ اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا نیت پیش جگر۔ غرق نمکے اس ہونا</p>
---	--

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہو۔ اس کی دلیل سحرۃ ثانی میں بیان کی ہے کہ آدمی جو کہ میں انسان ہو۔ اس کا بھی انسان یعنی انسان کا لہذا مشکل ہے لہٰذا آئینہ سے آئینہ فلا وی مراد ہے۔ کیونکہ جو ہر مہی میں ہوتا ہو۔ آئینہ کو آنکھ سے تشبیہ

دی ہے ۱۲

۱۲ شمشیر کو ہلال سے جو نسبت ہو وہ ظاہر ہو شمشیر عریاں کو ہلال عید سمجھ کر عشاق خوش ہوتے ہیں۔ عید تظارہ سے مراد وہ عید ہے جس میں محشوق کی دید نصیب ہو مولینا طباطبائی نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں ہلال کا لفظ آنا ضروری تھا۔ بغیر اس کے شعر کا مطلب نامتام رہ گیا ہو لیکن عید کا لفظ موجود ہونے سے ذہنی وجود ہلال کا پیدا ہوتا ہو جیسے ہوند و شن کے نام سے ذہنی وجود آفتاب کا آگے چل کر لفظ شمشیر موجود ہو جو ہلال سے مشابہ ہو اور رویت ہلال کے وقت شمشیر دیکھنے کی مناسبت موجود ہو۔ ہوند و ذہنی کا مخدوف رکھنا ایک خوبی ہے کہ قابل گرفت۔ الکنایت کا ابلغ من الصراحت

مشہور مقولہ ہے ۱۳

۱۳ بصد رنگ گلستاں ہونا۔ خوشی سے باغ باغ ہونا ۱۴۔
۱۴ زخم تمنای کھانا۔ آرزو پوری ہونا ۱۵

کی مے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
پائے اس ووشیاں کا پیشیاں ہونا

حیف اس چار گروہ کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شبِ شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تاما محیط بادہ - صورت خانہ خمیازہ تھا
یک قدم وحشت سے - دس دفتر امکاں کھلا
جادو اجزائے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا

لے شوق ساقی رستخیز اندازہ - قیامت کی مثل - خمیازہ انحرافی -
محیط بادہ - خطرناک شراب کا وہ خطہاں تک شراب بھری ہو - مطلب یہ ہے کہ بات ساقی
کی آمد کے شوق نے قیامت برپا کر رکھی تھی - یہاں تک کہ خود شراب بھی خمیازہ کش تھی گوہر
ساقی کے شوق ہیں تمام شراب خانہ میں صورت خانہ خمیازہ کی کیفیت نظر آ رہی تھی ۱۲۔
۱۳۔ دو عالم وحشت - اکثر شارمین کے نزدیک دو عالم بھی پیدا کرتا ہے جس سے تشریف برائی
مراہو - دو عالم وحشت میں ادا فتنہ مقلوب قرار دی جائے تو اس کی اصل صورت ہوگی - وحشت
دو عالم جس میں اضافت اضافت مجازی ہوگی - مطلب یہ کہ دونوں عالم ایک دولت مند
جس میں جادو وحشت ایک شیرازہ تھا اور اس میں دفتر صحرائے کائنات کے تمامی
اجزاء منسلک تھے پہلے دو عالم کو وحشت کی رعایت سے دولت فرض کیا ہے - اور پھر
دولت دو عالم کو دس کی رعایت سے ایک دفتر قرار دیا ہے خلاصہ یہ کہ عقل کی مدد سے دراز
مستی نہ معلوم ہوا - بلکہ جس وقت ذرا ختم و شمع سے بیگانگی پیدا ہوئی - یعنی نشہ معرفت لے کر گیا
ایک تخت نام امراہ سرسبز کا انکشاف ہو گیا صوفیہ کے یہاں عقل کو کتاب معرفت

مانع وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے ؟
 خانہ مجنون صحر اگر وہ بے دروازہ تھا
 پوچھ مت۔ رسوائی انداز استثنائے حسن
 دست مرہون تھا۔ رخسار مرہون نمازہ تھا
 نالہ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل۔ بہ باد
 یادگارِ نازہ۔ ایک دیوان بے شیرازہ تھا

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا ؟
 زخم کے بھرنے تلک۔ ناخن نہ بڑھ آئنگے کیا ؟
 بے نیاز می حسے گزری۔ بندہ پرور کب تلک
 ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا ؟
 حضرتِ ناصح گزائیں۔ دیدہ و دل فروش راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا ؟

میں راہ قرار دیتے آئے ہیں ۱۲
 لے دیتے اوراقِ دل بہ باد۔ یہ جملہ فارسی معنی اورہ اوراقِ دل بہ باد و ان سے لیا گیا ہے
 اور اس شعر میں دل کو دیوان سے اور دل کے ٹکڑوں کو اوراقِ دیوان سے نسبت دی
 گئی ہے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے۔ نالہ دل نے اوراق کو پریشان کر دیا۔ اور دل ایک
 دیوان بے شیرازہ کی طرح ہو گیا۔ ۱۳
 پہلے اور دوسرے مصرعوں کی مختلف معنوں میں استعمال ہوا اور شاعر کا

آج وال تیخ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں ہیں
 عذریہ قتل کرنے میں وہ اب لاینگے کیا؟
 گر کیا تاح نے ہم کو قید "اچھایوں سی"
 چنوں عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا؟
 خانہ زاد زلفت ہیں۔ زنجیر سے بھاگینگے کیوں؟
 ہیں گرفتار۔ وفاداروں سے گھبرائینگے کیا؟
 اب اس معورے میں قیلا غم اُلفت اس
 ہم نے یہ مانا کہ۔ ولی میں ہیں۔ کھائینگے کیا؟

۲۰
 یہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
 ترسے وعدہ پر بیٹھے ہم۔ تو یہ جان جھوٹا
 اگر اور جیتے رہتے ہی انتظار ہوتا
 کہ نوشی سے مرہ جاتے؟ اگر اعتبار ہوتا

دوستوں کو میرے ناخن کاٹنے سے کیا فائدہ کیا پھر بڑھنا آئیگے ۱۲
 لہ شاعر کہتا ہے کہ شہرہ ملی میں آج کل غم الفسک کا قوط ہو پیشی معشوقوں کی کمی ۱۳
 لہ ایک فارسی شاعر میر عبد اللہ بیانی کہتے ہیں ۱۴
 ہم از وفادار پردہ و عذر کن ۱۵ از ذوق و عذر توبہ فردا نیرسم
 فارسی شاعر نے اپنے شعر میں صرف یہ بیان کیا ہے کہ وعدہ وصل کرنے میں اس خیال سے
 پس و پیش نہ کر کہ اس کا ایغا کرنا بڑے بگاڑ۔ کیونکہ میں ترسے وعدہ کی خوشی میں کھل جائے گا
 ہی نہ ہو گا اور نہ میں ہو گا نہ بھگے وعدہ ایغا کرنے کی نوبت آئے گی ایک غیر انصاف
 پسند نکتہ چین نے غالب سے اس شعر کو مندرجہ بالا فارسی شعر کا ترجمہ لکھا ہے لیکن
 اس نے غور نہیں کیا کہ غالب کے شعر میں جو چلا پایا جاتا ہے اور اس کے سننے سے
 سامع کے دل پر جو اثر ہوتا ہے فارسی شعر میں اس کا پتا نہیں۔ وعدہ کے کو جھوٹ جان کر

<p>کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر استوار ہوتا یہ خلش کہاں سے ہوتی؟ جو جگر کے پار ہوتا کوئی چارہ ساز ہوتا۔ کوئی غم گسار ہوتا جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر مست ہوتا غم عشق گر نہ ہوتا۔ غم روزگار ہوتا نتجہ کیا برہنہ تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا نہ کبھی جنازہ اٹھانا کہیں مزار ہوتا جو دوئی کی پو بھی ہوتی تو کہیں دچا ہوتا</p>	<p>دلی تار کی سے جاما۔ کہ بندھا تھا عہد لودا کوئی تیرے دل سے پوچھتی تیرے تیریم کش کو یہ کہاں کی دوستی ہو کہ بنے ہیں دست ناصح رگ سنگ سے ٹپکتا وہ ہو کہ پھر نہ تھمت غم اگر چہ جاں گسل ہے یہ کہاں بھرنے دل ہے کہوں گے کہیں کہ کیا ہے شب غم بڑی ہے ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہو گویں غرق یا اُسے کون دیکھ سکتا؟ کہ لگانا ہو وہ بکتا</p>
---	---

پہلے تصوف یہ تریان غالب
نتجہ ہم دلی سمجھتے۔ جو نہ باد خواہ ہوتا

اس پر زندہ رہنا ایک نئی بات ہے ۱۲
۱۱ لے تیریم کش: وہ تیر جسے چھوڑنے وقت کماندار نے کمان کو پورا نہ کھینچا ہے ۱۲
۱۳ عاشق کا غم اگر شرار بن کر پتھر میں پوشیدہ ہو تو اس کا یہ اثر ہوتا کہ رگ سنگ سے
ایسا لوٹ پٹکتا جو بند ہو گا نام نہ لیتا ۱۴
۱۵ اس مقطع کو ابو ظفر شاہ نے سن کر فرمایا تھا کہ ”بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے، مرزا
نے کہا ”حضور تو اب کبھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوا کہ کہیں میں اپنی
ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں ۱۶

۲۱	<p>ہوس کو ہر نشاط کار کیا کیا تجانی پیشگی سے۔ رعب کیا نوازش ہائے بیجا و بیکمتا ہوں نگاہ بے محابا چاہتا ہوں فروغ شعلہ خس یک نفس ہو نفس موج محیط بے خودی ہو دماغ عطر پیراہن نہیں ہو</p>	<p>نہ ہو مرنا۔ تو بچنے کا مرا کیا؟ کہاں تک۔ ای سراپا ناز کیا کیا؟ شکایت ہائے رنگیں کا۔ گلا کیا؟ تغافل ہائے تنگیں آرزو کیا؟ ہوس کو۔ پاس ناموس وفا کیا؟ تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا؟ غم آوارگی ہائے صبا کیا؟</p>
----	---	---

۱۔ نشاط کار: کام کرنے کی انگ۔ اس شعر میں بالکل چھوٹے طریقے سے اس فطرت انسانی کا بیان ہوا ہے کہ انسان کی جس قدر تھوڑی فرصت ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سرگرمی سے وہ کام انجام دیتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں جس قدر پھل پھل ہو وہ اس یقین کی بدولت ہے کہ دنیا میں نہ رہنے کا زمانہ تھوڑا ہو ۱۲

۲۔ نوازش ہائے بیجا و بیکمتا: بیجا و بیکمتا ہائے رنگیں وہ شکایتیں جو بطریق محبت ادا کی جائیں نہ بیجا و بیکمتا ۱۲

۳۔ نوازش بے محابا: نگاہ بے تکلف: بے محابا تغافل نہ کیں آزما۔ وہ چشم پوشی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جائے ۱۲

۴۔ ہوس: رقیب کی چھوٹی محبت کی طرف اشارہ ہے کہ رقیب کی محبت شعلہ خس کی طرح دم بھر کی ہو اس کو ناموس وفا کا پاس نہیں ہو ۱۲ اس شعر میں شاعر نے دنیا سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا ہے وہ کہتا ہے کہ جس شخص کو دنیا کی ہوس نہ ہو اسے دنیا کی بے وفائی کا کیا غم ہو سکتا ہو ۱۲

۵۔ عطر پیراہن: عطر پیراہن یا۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہیں پیراہن یا رقیب کی سو گھنے کا دماغ ہی نہیں اس لیے ہیں اس کا بھی غم نہیں کہ صبا اس کی خوشبو کو کبھی بھلا

<p>دل ہر قطرہ ہی سازِ انا البحر مجا کیا ہی؟ میں ضامنِ ایدھر دیکھ سن لے غارتِ گرجس و ناسن کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ یہ قتالِ وعدہ صبر آتا۔ کیوں؟</p>	<p>ہم اس کے ہیں۔ ہمارا پوچھنا کیا؟ شہیدانِ نگہ کاغذوں پہا۔ کیا؟ شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا؟ شکستِ خاطر عاشق۔ بھلا کیا؟ یہ کافرقتہ طاقست و یا کیا؟</p>
---	--

بلائے جاں ہو غالب اس کی ہر بات
 عبارت کیا۔ انشائت کیا۔ ادا کیا

(۲۲)

درخوردِ تیر و غضب۔ جب۔ کوئی ہم سا نہ ہوا
 پھر غلط کیا ہی؟ کہ ہم سا کوئی پس نہ ہوا

۱۲ سازِ انا البحر۔ وہ باجہ جس سے یہ آواز نکلتی ہو کہ میں دریا ہوں ۱۲
 ۱۳ مجا کیا ہو متال کیا ہی ۱۳
 ۱۴ شکستِ دل کو شاعر نے شکستِ قیمتِ دل سے تعبیر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ شکستِ
 دل کی صدا اگر تجھے اچھی معلوم ہوتی ہو تو دل شکنی کیے پیا اور یہ صدا اسنے چاہ۔ بھلا میرے
 دل کی صدا سے شکست کی تجھے کیا پروا ہو جو تال کرے ۱۴
 ۱۵ جگر داری بہ استقلال ۱۵
 ۱۶ یہ کافرقتہ طاقست رہا۔ اشارہ ہے وعدہ صبر آدما کی طرف جس کا ذکر مصرعہ اولیٰ
 میں آتا ہے۔ ۱۶

بزدلی میں بھی۔ وہ آزادہ خود ہیں کہ۔ ہم
 اُسے لٹے پھرتے۔ دیکھو۔ اگر وہ نہ ہوا
 سب کو قبول ہی۔ دعویٰ تری یکتائی کا
 روبرو۔ کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہوا
 کہ نہیں۔ نازش ہم نامی چشمِ خواباں
 تیرا پیار بڑا کیا ہی؟ اگر اچھا نہ ہوا
 سینے کا داغ ہو وہ تالا۔ کہ لبِ ناک نہ گیا
 خاک کا رزق ہی وہ قطرہ۔ جو دریا نہ ہوا
 نام کا میرے ہی وہ دُکھ۔ کہ کسی کو نہ ملا
 کام میں میرے ہی وہ فست نہ۔ کہ برپا نہ ہوا
 ہر بنِ مٹو سے دیم ذکر۔ نہ ٹپکے خوں ناب
 حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چپ۔ چاہ نہ ہوا
 قطرے ہیں۔ دجلہ۔ دکھائی نہ دے؟ اور جزو میں گل
 کھیل لڑکوں کا ہوا۔ دیدہ بیستا نہ ہوا

۱۱۔ خود ہیں وہ شخص جو دوسرے کی بات پسند نہ کرے ۱۲
 ۱۳۔ ہم نامی چشمِ خواباں۔ اس وجہ سے کہتا ہے کہ معشوق کی آنکھ کو پیار کہتے ہیں ۱۴
 ۱۵۔ سینے کا داغ ہو۔ قابلِ شرم ہے۔ خاک کا رزق ہو۔ راتیں گال ہو ۱۶
 ۱۷۔ نہ ٹپکے خوں ناب؟ لیں نہ لیں۔ یعنی ضرورت کے استقامت قرار ہی ہو ۱۸
 ۱۹۔ اس شعر کے پہلے سمر ہے۔ بھی استقامت قرار کی غوی ہو۔ یعنی دیدہ بیستا کو نہ ہو
 جزو میں گل کا تماشا نظر آتا ہے ۲۰

مٹی خبر گرم کہ غالب کے آدھیں گے پڑے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

اس نے ہم وہ جنوں جولاں گداے بے سروپا ہیں
کہ ہر پنجہ رترگان آہو۔ پشت خار اپنا

۲۴
پڑنڈیر کرم تحفہ ہر شرم تارسانی کا
بجوں غلتیدہ صدر رنگ۔ دعویٰ پارسائی کا
نہ او حسن تماشا دوست۔ رسوا بے وفائی کا
ہر ہر صدمہ نظر ثابت ہے۔ دعویٰ پارسائی کا

سلاہ جنوں جولاں:۔ مجنوںوں کی طرح پریشان پھرنے والا اپنی بے سروپائی اس سے ظاہر کی ہو کر پشت
خانہ تک تیار ہو۔ پنجہ رترگان آہو کو اپنا پشت خار قرار دیا ہو جس سے اپنی انتہائی وحشت کا ظہار
منظور ہے۔ پشت خار اس آگ کو کہتے ہیں جس سے میچ بجھ جاتے ہیں اور جو اکثر آزاد فقیروں کے پاس ہوتا ہے
سلاہ پڑنڈیر کرم:۔ درگاہ خدادادی میں نذر گزارا کرنے کے لیے میری شرم نارسائی کا تحفہ یعنی شرم
نارسائی کی طرف سے تحفہ، میری پرہیزگاری کا وہ دعویٰ جس کا سوگنا ہوں کے ہاتھ خون ہو چکا ہے
سلاہ حسن تماشا دوست:۔ وہ حسن جو اپنی نمائش کو دوست رکھے۔ رسوائی وفائی کا درخازی
نہ کریم رسوا بے وفائی کا ترجمہ کیا گیا ہو شاعر کہتا ہے کہ اگر میرے بار کا حسن دوسروں کو
اپنا جلوہ دکھانا پسند کرتا ہو تو اس پر الزام ہے وفائی عائد نہیں ہو سکتا۔ اگر میرے سرواں کے
سود دیکھنے والے بھی ہوں تو یہ سوگنا ہیں اس کے دعویٰ پارسائی پر مہر کرتی ہیں ۱۲

زکات حسن دے۔ اسے جلوہ بینش کہ مرآسا
 چراغ خانہ درویش ہو کا سرگدانی کا
 نہ مارا جان کر بے جرم۔ قاتل۔ تیری گردن پر
 رہا ماند خون بے گنہ۔ حق آشنائی کا
 تمنائے زباں۔ محو سپاس بے زبانی ہو
 مٹا جس سے تقاضہ شکوہ بے دست و پائی کا
 وہی رک بات ہو۔ جو یاں نفس۔ وال نہکت گل ہو
 چمن کا جلوہ باعث ہو۔ مری رنگیں نوائی کا

ملہ شاعر اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ اپنے حسن کی زکات دے تاکہ سورج کے فیض کا کاسہ گدائی اس کے
 گھر کا چراغ بجائے مطلب یہ ہے کہ معشوق کے حسن سے جو معدن نور ہو اگر چاہے کیسواں حصہ دے گا
 میں مال کا چاہے کیسواں حصہ سال بھر کے بعد دیا جاتا ہو، بھی عاشق کو مل جائے گا تو عاشق کا
 دل معرفت الہی کے نور سے مالا مال ہو جائیگا ۱۲

ملہ اس شعر میں قاتل کو مخاطب کیا گیا ہے "ای" محزون نہ محذوف ہو بعض نسخوں میں قاتل
 کی جگہ غافل ہو لیکن سب سے پہلے فقرے میں جو شاعر نے مطلع احمدی دہلی میں چھپا ہے
 اور جس کی کاپیوں کی صحت خود مرزا نے کی ہو غافل نہیں بلکہ قاتل ہو مطلب یہ ہے اسے
 قاتل تو نے بے جرم جان کر مجھے نہیں مارا اس لیے آشنائی کا حق تیری گردن پر خون بے گناہ
 کی طرح رہا یعنی حق آشنائی کا یہ تھا کہ تو مجھے قتل کر دیتا ۱۲

ملہ شاعر کہتا ہے زبان کی تمنا اس شکر میں جو کہ اس کو بے زبانی کی نعمت عطا ہوئی ہو
 اس وجہ سے بے دست و پائی کے شکوہ کا تقاضہ بھی مٹ گیا۔ یعنی بے دست و پائی
 کے شکوہ کا تقاضہ تھا کہ مجھے بیان کر کے بے زبانی کے سبب وہ تقاضا اس کا مٹ گیا ہو یا
 بے زبانی کا احسان ہوا کہ مجھے شکوہ کے بجائے تسلی کا اور جملہ ۱۲ ملہ "وہی رک بات" اشارہ
 ہو جلوہ حسن کی طرف اور جلوہ چمن سے منسلک ہوا یہ مراد ہو ۱۲

دہان برتت پٹخارہ جو زنجیر رسوائی
 عدم تکسبے وفا چرچا ہی تیری بے وفائی کا

دوے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھ ہے
 کہ حسرت بچ ہوں۔ عرض ستم ہائے مجدائی کا

گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا ۲۵
 رہہ گرا ایسا ہی شامِ بھریں ہوتا ہی آب
 لے تو لیں سوئے میں اس کے پاؤں کا پوسہ گر
 دل کو ہم صرف وفا تجھے تھی کیا معاوم تھا
 سب کے دل میں جگہ تیری جو نور صنی ہوا
 بے تکلف داغ نہ مہر دیاں ہو جائیگا
 پر تو مہتاب سیلِ خانہاں ہو جائیگا
 ایسی باتوں سے وہ کافر بگیاں ہو جائیگا
 یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتیٰ ان ہو جائیگا
 مجھ پہ گویا ایک نہایت مہرباں ہو جائیگا

۱۔ پٹخارہ: طعنہ۔ شعر نہایت پیچیدہ ہے۔ خاکر زنجیر رسوائی کی ترکیب نہایت دقیق ہے۔ ہماری رائے
 میں اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر طعنہ زن، مشتوق کا منہ تیرے حق میں زنجیر رسوائی بن گیا۔ یعنی تیری ہونانی
 کی شہرت جو تجھ کو رسوا کرنے والی تھی ایک مشتوق سے لڑ کر دوسرے تکسب اور دوسرے کی تیسرے
 تکسب پہونچی اور اس شہرت کا سلسلہ یوں ہی دوڑ نکچا گیا اور اس طرح سے زنجیر رسوائی کی صورت
 پیدا ہو گئی اور جب مشتوق کے گرد میں جو وہے وفا ہونے میں تیری بے وفائی کا چرچا اس حد تک
 پہونچ گیا تو گویا عدم تکسب بھی کیا یعنی اس کی کچھ حد نہایت ہی نہیں ہے وہی کہ چونکہ شاعر عدم
 باندھتے ہیں۔ اس لیے اس شعر میں عدم کا لفظ خاص مناسبت رکھتا ہے ۱۲
 ۲۔ اس شعر میں پر تو مہتاب چاندنی کو سیلِ آب سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ ہے کہ شبِ بھر
 کی چاندنی عاشق کے لیے موجب آزار ہوتی ہو ۱۳

گر نگاہ گرم فرماتی رہی۔ قسیم ضبط بلغ میں مجھ کو نہ لیجا۔ ورنہ میرے حال پر والے گز میرا تیرا انصاف محشر میں نہ ہوا	شعاعِ خورشید میں۔ خوں گ میں نہاں ہو جائیگا ہر گئی تر۔ ایک چشمِ خوں نشان ہو جائیگا اب تلک تو یہ توقع رہی کہ۔ وہاں ہو جائیگا
---	--

فائدہ کیا؟ سوچ۔ آخر تو بھی دانا ہوا سدا
دوستی ناداں کی ہی۔ جی کا زیاں ہو جائیگا

۲۶ میں نہ اچھا ہوا۔ بڑا نہ ہوا اک تھا شاہ ہوا۔ گلا نہ ہوا تو ہی جب بخشہ آنہ مانہ ہوا گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا آج ہی گھر میں۔ روزیا نہ ہوا بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا	۲۷ دردِ منت کش دوا نہ ہوا جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ ہم کہاں قسمت آزمائے جا ہیں کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ قریب ہو خبر گرم آن کے آنے کی کیا وہ نرود کی خدائی تھی؟
---	--

لفظ نگاہ گرم۔ نظر غتاب ۱۲
۱۱ یاہو کا رنالب میں مولانا حالی نے اس شعر کا مطلب یہ لکھا ہے کہ کیا میری بندگی نرود
کی خدائی تھی جس سے مجھے سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہاں بندگی سے مراد
عبادت نہیں بلکہ عیووبیستہ ہے۔ اگر وہاں کا اشارہ بندگی کی طرف نہ سمجھا جائے بلکہ
۱۱ وہاں سے معشوق کا نرود حسن سمجھا جائے تو مطلب وہاں ہوا جاتا ہے ۱۲

<p>جان دی دی ہوئی اُسی کی غمی زخم گرد لب گیا۔ لب نہ تھما سہزنی ہی۔ کہ دل سستانی ہو!</p>	<p>حق تو یہ ہو کہ حق ادا نہ ہوا کام گر یک گیا۔ روا نہ ہوا لے سکے دل۔ دل ستاں انا ہوا</p>
<p>کچھ تو پڑھیں کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرائے ہوا</p>	
<p>گھر میں محو ہوا اضطراب دریا کا گھر ستم زدہ ہوں۔ ذوقِ خالیہ فرسا کا دوامِ کائناتِ خاطر ہی عیشِ دنیا کا مجھے نہ مانع نہیں خندہ بازی بھیا کا</p>	<p>گیا ہے شوق کو دل میں بھی تگی جا کا چاہتا ہوں کہ تو اور پاس مکتوب خائے پائے خزاں ہی۔ بہارِ گرہی ہی غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ بلخ نہ دو</p>
<p>۱۱۔ مرزا غالب کے وقت میں تھنبا لکھا جانا تھا۔ چنانچہ اصل نسخہ ملبورہ سٹیشن میں اس لفظ کا ہی املا ہے۔ لیکن زمانہ موجودہ میں تھنبا متروک ہے تھنبا لکھا جاتا ہے ۱۲۔ ۱۱۔ شوق کو۔ اضطرابِ شوق کو۔ گھر میں محو ہوا اضطرابِ دریا کا۔ دریا گھر میں سما گیا گھر کو دل سے اور شوق کو اضطرابِ دریا سے مشابہت ہے ۱۲۔ ۱۱۔ خائے پائے خزاں۔ خزاں کے پاؤں میں لگی ہوئی ہندی کی لالی۔ بہار کی پائے کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔ ۱۱۔ خندہ بازی۔ خندہ کل۔ گلوں کی ہنسی کسی موقعہ محل سے نہیں ہوتی۔ اس لیے خندہ بے محل سے تعبیر کیا ۱۲۔</p>	

جب بہ قریب سفر یار نے محلِ بانڈھا^(۱۱)
 پیشِ شوق نے ہر ذرہ پہ۔ اک دل بانڈھا
 اہلِ بنیش نے پھیرتا کدہ شونجی نانا
 جو ہر آنسو کو طوطی بسمل بانڈھا
 یاس و امید نے۔ یک عہدہ میدان مانگا
 بحرِ ہمت نے طلسمِ دل سائل بانڈھا
 زندہ ہے۔ تشنگیِ ذوق کے مضمونِ غالب
 گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل بانڈھا

۳۵
 میں اور نرم مرے۔ یوں تشنہ کام آؤں
 گر میں نے کی تھی توبہ۔ ساقی کو کیا ہوا تھا
 اے ایک تیر جس میں دونوں چہرے پڑے ہیں
 وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جا جدا تھا

۳۶
 ۱۱۔ چیرتا کدہ سے مراد کھینچتا ہے اور چب آئینہ میں عکس یا موجود ہو تو اس میں شونجی نانا کی
 موجودگی بھی شامل ہوئی اس شونجی نانا کے اثر سے جو ہر آنسو اہلِ بنیش کو طوطی بسمل معلوم
 کرنے لگا ۱۲
 ۱۳۔ عہدہ ۱۴۔ بالفتح۔ لغوی معنی جنگجوئی۔ عہدہ میدان ۱۵۔ میدان جنگ۔ طلسم بانڈھا
 طلسم بنایا ۱۶
 ۱۷۔ تشنگیِ ذوق کے مضمون زندہ ہے۔ ذوق سخن کی تشنگی برابر قائم رہی ۱۸

<p>ورماندگی میں غالب: کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بے گرہ تھا۔ ناخن گرہ کٹا تھا</p>	
<p>۳۱ بھر۔ گرہ بھر نہ ہوتا۔ تو بیاہاں ہوتا کہ اگر تنگ نہ ہوتا۔ تو۔ پریشاں ہوتا کاش رضواں ہی۔ دیر بار کا دریاں ہوتا</p>	<p>۳۱ گھر ہمارا چونہ روئے بھی تو۔ دیریاں ہوتا تنگی دل کا گار کیا۔ یہ وہ کافر دل ہی بغیر یک عمر وسع۔ بار تو دیتا پاسے</p>
<p>۳۲ د تھا۔ کچھ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈوبھا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا ہوا۔ جب غم سے یوں بے حس۔ تو غم کیا۔ سر کے کھٹنے کا نہ ہوتا اگر جہاں سے۔ تو زانو پر دھرا ہوتا</p>	
<p>ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہی وہ ہر اک بات پر کہنا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا</p>	
<p>۱۲ لے ایک عمر ورثا۔ پر ہیز گاری کی مدت معینہ عقوبت مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا۔ میری ہستی نے مجھ کو بہاد کر دیا۔ اس شرم ہستی کی ہستی پر نہایت خوبی سے ترجیح ثابت کی گئی ہے۔ پہلے مصرع میں ہر طرح سے خدا کا ہوتا بنکر شاعر کہتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا ہوتا۔ یعنی خدا ہوتا ۱۲</p>	

<p>یہ دیکھو کہ وہ نہیں بے کار۔ باغ کا بے دیکھو کہ یہ طاقت آشوب آگئی بیل کے کار و بار یہ ہیں خندہ ہاگل تازہ نہیں ہو نشہ فکر سخن مجھے سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے بے خون دل ہو چشم میں موج لگے</p>	<p>یاں جاوہ بھی قیام ہو۔ لالے کے داغ کا کھینچا ہی عجز وصلہ نے خطا باغ کا کتنے ہیں جس کو عشق چل ہو باغ کا تریا کی قدیم ہوں۔ دو دو چرخ کا پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہو فراغ کا یہ دیکھو کہ۔ خراب ہوئی کے سراغ کا</p>
--	--

۱۔ جاوہ: بیٹیا۔ یعنی روش۔ قلیلہ: بٹی۔ پہلا مصرعہ صاف ہو۔ یعنی موسم بہا میں ہر جگہ
 پھول ہی کھلے نظر آتے ہیں۔ چپہ بھر زمین اس سے خالی نہیں ہو۔ یہاں تک کہ روشیں
 بھی گل ہلے لالہ کی کثرت کی وجہ سے گویا لالے کے داغ کا قلیلہ بنی ہوئی ہیں ۱۲۔
 ۲۔ آشوب: شور و غوغا۔ چونکہ آگئی میں معنی ہوش کی حالت میں انسان کا مبتلا
 انکار و نبوی ہونا لازمی ہے اس لئے آشوب آگئی کہا گیا۔ شاعر کہتا ہے کہ آشوب آگئی کا
 مقابلہ (یعنی انکار و نبوی سے بجات حاصل کرنا) بغیر شراب کے ناممکن ہو لیکن یہاں
 ہماری پسند جو صافگی نے باغ (جام شراب) پر خط کھینچ دیا ہے۔ یعنی ایک سانچے
 (اور ساخر بھی وہ جو ایک حد تک بھرا ہوا ہو) یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ دو دو چرخ: فکر کلام و روشن۔ تریا کی۔ ناری لذت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو
 افیون کھانے کا عادی ہو یہاں شخص عادی سے مراد ہو اور تریا کی ایک مشہور ناری
 شاعر کا شخص بھی تھا ۱۳۔

۴۔ شاعر کہتا ہے کہ میری آنکھ سے اشکوں کی راہ خون دل نہیں آیا اس لیے میں گونہ
 بن رہی ہوں۔ یعنی بغیر خون فشاں کے گویا خاک اڑ رہی ہو اور یہ دیکھو کہ (یعنی آنکھ) کی
 خون دل کے شمس میں خراب ہو ۱۴۔

بلغ شگفتہ تیرا بساط نشاطِ دل
ابر بہارِ غمگدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین چین سے غم نہاں سمجھا یک الفبت پیش نہیں صیقل آئینہ منور شرح اسباب گرفتاری خاطر منت بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم حرام	رازِ کتب و بے ربطی معنیوں سمجھا چاک کرتا ہوں میں جسے کہ گریاں سمجھا اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں نہاں سمجھا نخ پر قطرہ عرق دیدہ حیراں سمجھا
--	--

لے بعض شارحین نے تیرا کو بساط نشاطِ دل کے ساتھ مضاف کیا ہو۔ ہماری رائے میں یہ غلط ہے۔ تیرا، کہ تعلق باغ شگفتہ سے ہے۔ شاعر اپنے معشوق کے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جب تیرے حسن کا شگفتہ بلغ میرے سرور دل کا سبب ہو تو ابر بہار میری مستی کا باعث نہیں ہو سکتا ۱۲

۱۲ اس شعر کی شرح خود مرثا کی لکھی ہوئی اردو نے معلیٰ میں موجود ہے وہ لکھتے ہیں پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارتِ نولا کے آئینہ سے ہو وہ نہ جاسی آئینوں میں جو ہر کہاں اور ان کو کون صیقل کرتا ہو۔ نولا کی جس چیز کو صیقل کر دے گے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی اس کا الفبت صیقل کہتے ہیں جب یہ مقدمہ معلوم تو اب اس مفہوم کو سمجھیں مصرعہ

چاک کرتا ہوں میں جسے کہ گریاں سمجھا
یعنی ابتدائے سن تیرے مشق جنوں ہو۔ ابتک کمال فن نہیں حاصل ہوا آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا ہو پس وہی ایک صیقل کی جو چو چاک صورت الفبت کی سی ہوتی ہو اور چاک جب آثار جنوں میں سے ہو۔ "غالب"

۱۳ قطرہ عرق پہ فک ہضافت استعمال ہوا ہے یعنی قطرہ عرق۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق خود اپنے سے بھی بدگمان ہو۔ اُسے اُس بدگمانی نے سرگرم حرام ہونے دیا کیونکہ حرام سے پسینے کی بوندیں اُس کے رخ پر نمودار ہو جائیں جو عاشق کے دیدہ حیراں

بھڑکے جس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا دفع پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا	بجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہو گا سفرِ عشق میں کی ضعف نہ کر جہتِ طاہی تھا گریناں مرثیہ یا سے دل تادوم گ
--	--

دل دیا جان کے کیوں اُس کو۔ ونا دارا غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا	
---	--

دل جگر تشنہ فریاد۔ آیا پھر تڑا وقتِ سفرِ فریاد آیا	۳۵ پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا وہم لیا تھا نہ قیامت نے ہنود
---	--

سے مشابہ سمجھی جاتیں ۱۲۔ نبضِ خس: بجز کی نبض ٹولنا۔ شاعر نے اپنے بجز کو خس کہا ہے
تپشِ حرارت: شعلہ سوزاں۔ معشوق کی بدخوئی شاعر کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر
عاجزی کروں گا۔ معشوق کی بدخوئی بڑھے گی اور معشوق کی بدخوئی عاشق کی بربادی کا باعث
ہو کر رہی ہے مطلب یہ ہے کہ میرا بجز اور بھی میری ہلاکت کا سبب ہو گا ۱۲
سہ شبستاں: رات گزارنے کی جگہ اس شعر کی ترکیب صاف ہے۔ اگر استعاروں کو دو
کر دیا جائے تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ انسان غایتِ نامیابی کی حالت میں یاس و ناامیدی
اس سے تسکین و تسلی پانے کا ارنہ و متہد ہوتا ہے ۱۲
سہ دوسرے مصرعے میں آیا معنی ہوا۔ دل جگر میں حریتِ غلط محذوف ہے ۱۲
سہ اس شعر میں دوست کو رحمت کرتے وقت کی دردناک کیفیت کے تقوڑے
وقفہ سے یاد آنے کی حالت کو قہارِ مہر سے تعبیر کیا ہے ۱۲

<p>سما دگی ہائے منت۔ یعنی تقدیر و اماندگی۔ ای حسرتِ دل زندگی۔ یوں بھی گز رہی جاتی کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی آہ وہ جراتِ فریاد کہاں پھر ترسے کوچہ کو جاتا ہو خیال کوئی ویرانی سی ویرانی ہو!</p>	<p>پھر وہ نیزنگِ نظر یا د آیا نالہ کرتا تھا۔ جسگر یا د آیا کیوں ترارِ راہ گزر یا د آیا گھر تراخلد میں گریا د آیا دل سے تنگ آ کے جگریا د آیا دل گم گشتہ مگر یا د آیا دشت کو دیکھ کے گھریا د آیا</p>
---	--

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یا د آیا

۱۔ پہلے مصرعہ میں "دیکھو" کا وزن ہے۔ نیزنگِ نظر۔ معشوق کی صفت ہے۔ مطلب
 ہے کہ پہلے معشوق کے جانے میں کوئی کامیابی ہوئی جواب پھر یا د آیا ۱۲
 ۲۔ اس شعر کا مطلب ہے حسرتِ دل کا تقاضا یہ تھا کہ نالہ کیا جائے اور نالہ تھا و اماندہ
 جگر کو نالہ کرنا ہی دشوار تھا۔ نالہ اپنی و اماندگی کا غم کر رہی رہا تھا کہ جگریا د آگیا۔ پس
 نالہ چھپ رہا۔ جگریا د آیا سے مطلب ہے خوفِ معلوم ہوا۔
 ۳۔ اس شعر میں صفتِ بہام ہے۔ یعنی یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ ہمارا گھر اس قدر دیوانہ ہو
 کہ دشت کی ویرانی اس کی یاد کو نازہ کرتی ہے۔ ۱۲
 ۴۔ میں نے مجنوں کی بجائے اپنے سر میں پتھر مارا ۱۲

<p>۳۶ آپ آتے تھے مگر کوئی غناں گیر بھی تھا اس میں کچھ شائعہ خوبی تقبیر بھی تھا کبھی فراق میں تیرے کوئی پتھر بھی تھا ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا بات کرتے کہیں لب تشنہ تقریر بھی تھا گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا تا کہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا ہم ہی آشفۃ سروں ہیں ارجاں میر بھی تھا آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا آدمی کوئی ہمارا دم خسریہ بھی تھا</p>	<p>۳۷ اولیٰ تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا تم سے بچا ہی سمجھے۔ اپنی تباہی کا گارہ تو مجھے بھول گیا ہو تو پست ابتلا دوں قید میں ہو ترے وحشی کو وہی زلفت کی با بجلی اک ٹک کو زنگی آنکھوں کے گنگے نو کیا یوسف اس کو کہوں۔ اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی نہ کچھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کیجئے ٹھنڈا پیشے میں غیب نہیں رکھیئے نہ فرما دو نام ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس آیا۔ نہ سی پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پزیرا حق</p>
--	--

۱۔ غناں گیر کے لغوی معنی باگ کو پکڑنے والے کے ہیں یہاں مراد روکنے والے سے ہے۔
۲۔ فارسی ترکیب ہے اس کا اردو استعمال غالب کے لیے مخصوص ہے۔ غالب کے معترض کہتے ہیں
کہ غالب کا یہ شعر عربی ہے۔ اس فارسی شعر کا ترجمہ ہے۔ وہ غیرت ہے۔ وہاں خدا دودہ گماں جان
ہو تا دست امید کسے داند غنائش را۔ لیکن جو لوگ غالب پر یہ اعتراض کرتے ہیں وہ حکیم
افلاطون کے اس قول کو بھول جاتے ہیں کہ آسمان کے نیچے کوئی نئی چیز نہیں ہو وہ ہی
پہلی چیزیں رنگ اور صورت بدل کر بار بار آیا کرتی ہیں یہی حالت شاعروں کے
تخیل کی ہوا ہے۔ اسی کو توار دہکتے ہیں غالب نے تاخیر کی وجہ ظاہر کرنے کے لیے
غناں گیر کا جو لفظ استعمال کیا اودہ قابل وادہ ۱۲
۳۔ مصرع میں مشرق کی ایک جھلک دیکھتے ہوئے کو بجلی کا کوندنا بتایا ہے۔ تباہیت لطیف
کتا ہے اودہ ۱۳
۴۔ مصرعہ ثانی میں غناں کا فاعل ”وہ“ محذوف ہے ۱۴

	<p>دستخط کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اس لئے زمانہ میں کوئی تیر بھی تھا</p>	
<p>۳۷ زیارت کہہ ہوں۔ دل آذر دغاں کا ہیں ذل ہوں فریب و داغ و دغاں کا</p>	۳۷	<p>۱۵ لب خشک۔ در تشنگی مڑ دغاں کا چہ نہ امید دی۔ ہم سر بدگمانی</p>
<p>اوروں پہ وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا خورشید ہونہ اس کی برابر نہ ہوا تھا آنکھوں میں ہر وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا</p>	۳۸	<p>تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا چھوڑا منہ شب کی طرح و سبت قضا توفیق پر اندازہ ہمت۔ ہوا دل</p>
<p>۱۵ مصرعہ اول کے آخر میں "ہوں" محذوف ہے۔ تشنگی استعارہ ہے۔ آذر و شوق سے مطلب یہ کہ میں گویا لب خشک ہوں اُن لوگوں کا جو آذر و شوق میں مر گئے اور میں گویا زیارت گاہ ہوں آذر وہ دل لوگوں کا اس شعر میں اظہارِ ناکامی کا بیان کیا گیا ہے ۱۲ لے فریب و داغ و دغاں۔ جو لوگ وفا کا فریب کھائے ہوئے ہیں ۱۲ تہ ماہِ شمشب و وہ مصنوعی چاند جس کو مقامِ شمشب میں جلیقہ شمشب مشہور ہے ابن مقفع نے نیا کہا تھا۔ یہ چاند ایک کٹو میں سے نکلا کرتا تھا لیکن روشنی اس کی چار فرسنگ یعنی ۱۲ میل سے زیادہ نہ پھیلتی تھی ایک فرسنگ ۳۳ میل کے برابر ہوتا ہے شاعر کہتا ہے کہ وہ بے مشوق کے مقابلہ میں خورشید ماہِ شمشب کا طرح ناقص ہے ۱۲ ۱۵ نہایت دقیق خیال ادا کیا گیا ہے۔ پہلے مصرعہ میں دعویٰ ہے اور دوسرے میں ثبوت دعویٰ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے۔ اسی کے اندازہ طلب ہے اس کی تائید موقی ہے ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جس کو آنکھوں میں جگہ ملی اگر اس کی ہمت و ریا میں مولیٰ بنے پرتھاحت کر لیتی تو اس کو آنکھوں میں جگہ ملنے کا رتبہ حاصل نہ ہوتا ۱۲</p>		

چب تک کہ نہ دیکھا تھا قار۔ پار کا عالم	میں معتقد فست نہ محشر نہ ہوا تھا
میں ساوہ دل آذر و گی یار سے خوش ہوا	یعنی سبق شوق مکر نہ ہوا تھا
دربائے معاصی ننگ آبی ہو خشاک	میرا سر دامن بھی۔ ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اس دردناغ جگر سے تحصیل
آتش کدہ۔ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلس فروز یاد میں تھا	۳۹	رشتہ ہر شمع رخا کسوت عافیت تھا
--------------------------------	----	--------------------------------

۱۱۔ اس شعر کا مطلب یہ ہو کہ یار اظہار شوق سے آندہ ہو گیا۔ میں ساوہ دل اس لیے خوش ہوں کہ اظہار شوق کا سبق ہنوز ایک ہی بار پڑھا تھا۔ اس کی تکرار کی نیہنت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر یار آذر و نہ ہو جاتا تو تکرار کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اس نکرار سبق کا موقع خوب ملا ۱۲

۱۳۔ معاصی؛ جمع معصیت یعنی گناہ۔ ننگ آبی۔ پانی کی کمی تر دامن گنگار کو کہتے ہیں شعر کے معنی یہ ہیں کہ میں اس درجہ گنگار ہوں کہ باوجودیکہ دنیا کے گنگ ہوں کا دیہا پانی کی کمی کی وجہ سے خشاک ہو گیا مگر ابھی میرے دامن کا پایہ تک تر نہ ہوا۔ ۱۲
۱۴۔ سمندر برٹسے چوسے کی برابر ایک جانور کہہ جاتے ہیں جو پرنے آتش کدہ میں جہاں مارنا دراز ننگ آگ جل چکی ہو پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی سے اس کی زندگی وابستہ ہے آگ سے جدا ہونے پر وہ مرجاتا ہے زمانہ چال کی تحقیقات علم الحیوانات میں اس جانور کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ غنفا کی طرح صرف شاعروں کے خیالی ہی میں اس کا وجود ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ آتش کدہ اس زمانہ سے میرے داغ جگر سے آتش مزاحی کی تحصیل کرتا ہے جبکہ اس میں سمندر کا وجود بھی نہ تھا خلاصہ یہ کہ آتش اور آتش کدہ اور سمندر شاعر ہی کے داغ جگر سے پیدا ہوتے ہیں ۱۵۔ رشتہ ہر شمع

<p>کس قدر یارب اہلک حسرت پاؤں تھا دل بہ دل پیوستہ گویا اک لہو میں تھا جو کہ کھایا خونِ دل بے منت کیوں تھا</p>	<p>مشہور عاشق سے کوسوں تک چوکتی ہو چنا حاصل الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو کیا کہوں ہماری غم کی فراغت کا بیاں</p>
<p>صاحب کو دل نہ دینے پکٹا غور تھا اس کی خطا نہیں ہی یہ میرا قصور تھا</p>	<p>آئندہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردشِ مایہ نے</p>
<p>جس دل ہمارا تھا مجھے وہ دل نہیں ہوا ہوں شمع کشتہ در غور محفل نہیں ہوا</p>	<p>عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا جانوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے</p>
<p>موم بتی میں جوتا گا ہوتا ہو اسے رشتہ شمع کہا گیا ہو۔ کسوت پیراہن بخار کسوت تھا۔ بے چین تھا۔ فارسی کے خاد سے میں خار دہ پیراہن پودن کے معنی بے چین ہونے کے ہیں۔ غالب نے اسی محاورے کو اردو میں لیا ہو۔ کسوت بتاؤ تو اس اس لیے کہا کہ پہلے زمانہ میں یو سے کی قندیل بنا کر اس پر کپڑا چڑھاتے تھے۔ شاعر کا مطلب یہ ہو کہ معشوق کے خلوتِ خلنے میں اس کے دیدار سے شمع بے چین اور ہزار گئی ۱۱۔ دل بہ دل پیوستہ معشوق کے دل سے دل ملا ہوا مطلب یہ ہو کہ محبت کا نتیجہ ماہوسی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ اگر معشوق کے دل سے دل بھی ملا تو کیا وصل کی حالت بھی لبِ افسوس بن گئی ۱۲۔ ۱۳۔ کیموس ۱۴۔ بطراح طب میں غذا کی وہ صورت جو طبعِ دوم میں یعنی سحر میں ہو چھنے کے بعد پانی کی طرح رقیق ہو کر خون بن جاتی ہو ۱۵۔ ۱۶۔ نیاز۔ تیار بندی ۱۷۔ ۱۸۔ محفل استعارہ ہو ہستی سے ۱۹۔</p>	

مرنے کی آئے دل اور ہی تہ پیر کر کہ ہیں برو کشمش بہشت ویرا پینہ بانہی وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار دل سے ہوائے کشت و فامٹ گئی کر ویا	شایان دست بانوئے قاتل نہیں رہا پاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا حائل سوائے حسرت حائل نہیں رہا
---	---

بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر اس
جس دل ناز تھا تجھے وہ دل نہیں رہا

(۴۲)

شک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص جیت
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
ذرا۔ ذرا۔ ساغری خانہ شیرنگ ہے
گردش مجنوں چشمک ہائے یلی آشنا

۱۵ ہر شخص کے سامنے شاعر اس شعر میں زمانہ کی ناقص رشتہ ناسی کا شاکی ہو چکا
آئینہ قبول عکس میں امتیاز نہیں کرتا۔ اسی طرح زمانہ ناقص و کامل میں فرق نہیں کرتا
۱۶ ہوائے کشت و فام سے آہ و بے وقار ہو کر اور والی اشارہ ہے اس کی کشت
وفا کی طرف ۱۷

۱۸ یعنی دنیا کا ہر ایک فرد جو گردش و انقلاب میں مبتلا ہے اس کی یہ گردش نیرنگ
فلک کے اشارے سے ہو جس طرح سے بخون گردش چشم ہائے یلی کے اشارہ
کی پابند تھی دوسرا مصرعہ برصیل تمثیل بطور تشریح۔ مصرعہ اولیٰ کہا گیا ہے ۱۹

شوق ہے۔ ساماں طرازِ نازش اربابِ بحر
 ذرہ - صحرا دست گاہ - وقفہ - دریا آشنا
 ہیں۔ ادراک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
 عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
 شکوہ سنج رشک ہم دیگر نہ رہنا چاہیے
 میرا نہ انو مولش اور آئینہ تیرا آشنا
 ربط یک شیرازہ وحشت ہیں - اجڑائے بہار
 ہنرہ بیگانہ - صبا آوارہ - گل نا آشنا

کوہ کن - نقاش یک تمثال شیریں تھا اسد
 سنگ سے سرا کر ہو دیکھ نہ پیدا آشنا

۱۱ شوق - عشق - ارباب بحر یعنی عشاق کے حق میں ان کا عشق ہی نازش کے
 ساماں پہرا کر دیتا ہے اور ان کو اپنے بحر پر ناز کرنے کا حق صاف دلاتا ہے کیونکہ
 ذرہ ٹکڑے پیدا ہوتے ہیں اور قطرہ قطرہ بہم ہو کر دریا ہو جاتا ہے ۱۲
 ۱۳ میں کے بعد لفظ ہوں، محذوف ہے ۱۴
 ۱۵ شعر عام مطبوعہ دیوانوں میں نہیں ہے۔ مستلزم کے کلھے ہوئے رطلی دیوان
 سے لیا گیا ہے ۱۶
 ۱۷ فراد چاہتا تھا کہ پتھر کو تراش کے شیریں کی بکرتال بنالے لیکن وہ ایسا بھی
 نہ کر سکا۔ شاعر طنز یہ کہتا ہے کہ بھلا کہیں پتھر دل سے سر بھوڑنے سے معشوق
 پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شاعر کے نزدیک فراد کا عشق کامل نہ تھا

ذکر اس پری دیش کا۔ اور پھر بیان اپنا^(۱۳)
 بن گیا۔ رقیب۔ آخر۔ تھا جو راز دہاں اپنا
 دودھ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب
 آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحان اپنا
 منظور اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
 عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا
 دے وہ جس قدر دولت ہم منشی میں ٹالیں گے
 بارے آشنا نکلا اُن کا پاساں اپنا
 درِ دل لکھوں کب تک؟ جاؤں اُن کو دکھا دوں
 انگلیاں نگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
 ننگ سجدہ سے میرے شگِ آستان اپنا

۱۳ شاعر تعجب سے کہتا ہے کہ بزمِ غیر میں اُنھوں نے کثرت سے شراب کیوں پی
 کیا انھیں اپنے استقلال اور خود داری کا امتحان منظور تھا؟ استفہام انکاری ہے
 مطلب یہ ہے کہ امتحان منظور نہ تھا بلکہ شراب کے نشہ سے بے تکلف ہونا، نظر تھا ۱۲
 ۱۴ وہ کی ضمیرِ سپاس کی طرف ہی شاعر کو نہا ہے کہ یہ خوب ہوا کہ معشوق کے در کا
 سپاس ہمارا جان پہچان نکل آیا اب اس کے جان پہچان نکل آنے سے اس دولت
 کو جو اس کے ہاتھوں سے ہیں پہنچے گی ہم منشی میں ٹال دیا کریں گے اور یہ ظاہر کریں گے
 کہ ہمارا اس کا مذاق ہوتا ہے ۱۵۔

تاکرے نہ غمازی کر لیا ہی دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہم دیا اپنا

ہم کہاں کے وانا تھے۔ کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

سر نہ مفت نظر ہوں۔ مری قیمت یہ ہے
خصلت نالہ مجھے دے۔ کہ مبادا ظالم
۴۴ کہ ہے چشم خریدار پہ احساں اپنا
تیرے چہرے سے ہونٹا ہر غم پہنا اپنا

فافل۔ پروہم ناز۔ خود آرا ہی۔ ورنہ یالی
بے شاہ صبا نہیں طرہ گیاہ کا
بزم قدح سے عیش تہانہ رکھ کہ رنگ
صید نہ دام جستہ ہی۔ اس دام گاہ کا

ملہ یعنی اگر مال کی اجازت نہ ملے گی تو ہم اس کو ضبط کریں گے اور اس کا بیجہ
ہوگا کہ اس کا اثر نیچے محسوس ہوگا ۱۲
ملہ صید نہ دام جستہ :- دام سے نکلا ہوا شکار بزم عیش کے رنگ کو شاعر نے
صید نہ دام جستہ کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس بزم عیش کا رنگ ایسا شکار ہے جو
کسی کے قبضہ میں نہیں رہ سکتا۔ عیش سے دنیا کی ناپائیداری کی طرف اشارہ ہے

رحمت اگر قبول کرے کیا نصیب ہو
 شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہو
 پُرگل پہ خیالِ زخم سے دامن لگا ہ کا

جان در ہوائے یک نگہ گرم ہو
 پندار نامہ وکیل۔ ترے داد خواہ کا

کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلاؤں کیا؟
 ہوسے گا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا؟
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟

جو سے باز آئے پر باز آئیں کیا؟
 رات دن گردش میں ہیں ساخت آسماں
 لگے ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ

لے پُرگل۔ پھولوں سے بھرا ہوا۔ زخم کو پھیل سے مشابہت دی ہو۔ مقتل کو میں
 خوش غرض شوقِ شہادت میں جا رہا ہوں۔ زخموں کی بہار میری نظروں میں سمائی
 ہوئی ہو ۱۲

کہ ہوا۔ شوقِ آرزو، نگاہ گرم، نظر محبت، مطلب یہ ہو کہ اسد کی جان کا نگاہ
 محبت کی آرزو میں ہو گیا وہ تیری ایک نگاہ گرم میں جان دینے کو تیار ہو اور اس
 مقصد کے لیے تیری گرم میں اس نے پروانے کو ایسا وکیل کر دیا ہے۔ پروانہ بھی تنوع
 کے عشق میں اپنی جان دے دیتا، سو ۱۲۔ لگے لگے دھنی لگاؤ محبت ان دونوں لفظوں
 کا مادہ ایک اور معنی مختلف ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے ایک جگہ جمع ہونے سے شعر
 کی خوبی کو بڑھا دیا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ معشوق کو نہ ہمارے ساتھ دوستی ہو نہ دشمنی اگر
 دشمنی ہوئی جیسا بھی کہ تعلق تو ہوتا ہم اسی کو دوستی سمجھ لیتے لیکن جیسا کچھ بھی نہ ہو تو کس بات
 پر دھوکا کھائیں ۱۲

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟
موجِ خوں سر سے گز رہی کیوں جا	آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	مرگئے پر دیکھیے دکھلا میں کیا؟

پوچھتے ہیں وہ کہ "غالب" کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہسم بتلا میں کیا؟

لطفِ بے کثافت۔ جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے۔ آئینہ باد بہاری کا
حریفِ جوشِ دریا نہیں خودِ وارِ غی سا حل
جہاں ساقی ہو تو۔ باطل ہی دعویٰ ہوشیاری کا

۱۱۔ دکھلائیں کا مرجع خدا ٹھہرایا ہے ۱۲
۱۳۔ بے کثافت کے لطفِ جلوہ گر نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ بے لطفِ مادہ جلوہ
بجود است نہیں ہو سکتا دوسرے مصرعہ میں اس بیان کا مثالی ثبوت دیا گیا ہے
یعنی باد بہاری کے جلوے کے نمودار ہونے کا چمن ہی ذریعہ ہوتا ہے ۱۴
۱۵۔ یعنی ساحل لاکھ اپنے تئیں بچائے مگر جب دیبا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ
نہیں رہ سکتا ہی طرح جہاں تو ساقی ہو وہاں ہوشیاری کا دعویٰ چل ہی نہیں سکتا ۱۶

<p>ورد کا حد سے گزرنا ہی دوا ہو جاتا تھا۔ لکھا۔ ہارے کے بنتے ہی جدا ہو جانا مٹ گیا گھسنے میں۔ اس عقدہ کا دہنا اس قدر دشمن اور باپ و ثا ہو جانا یا دوسرا یا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا ہو گیا۔ گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا کیوں ہی؟ گرد و حوران صبا ہو جانا</p>	<p>عشرتِ قطرہ ہو۔ دریا میں فنا ہو جانا تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قتلِ بجا دل ہوا کشمکشِ چارہ زحمت میں تمام اب جفا ہے بھی میں محروم ہم۔ اللہ اللہ ضعف سے گرہ مہل یہ دم سرد ہوا دل سے مٹنا تری انگشتِ خانی کا خیا ہو مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا گرو میں نکست گل کو ترے کوچہ کی ہوس</p>
--	--

لہ ورد جب حد سے گزرتا ہو۔ مریض فنا ہو جاتا ہو۔ یعنی مریض کو موت کے آجانے
سے ورد کی تکلیف سے نجات ہو جاتی ہو اور وہ جس حالت سے یہاں آتا ہی اس طرح
سردھار جاتا ہو۔ گویا جزا پئے گل میں مل جاتا ہو۔ دوسری انسانی ہستی کا عین مقصد ہی جس طرح
قطرہ کا دریا میں مل جانا اس کا مقصد اور اس کے لیے باعثِ مسرت ہو ۱۲۔
قفلِ ابجد۔ دو قفل کے حلقوں میں حرفت ابجد گندہ ہوتے ہیں اور جس وقت تک ان
سب حروف کے ترتیب پاس نہ ہو۔ حروف ابجد با ترتیب نہیں ہو جاتے قفل نہیں کھلتا
یا نہ بننا۔ ترتیب پوری نہ ہونا ۱۲۔

تجھ زحمتِ اول کے دور کرنے کی اس قدر کوشش کی گئی کہ دل ہی تمام ہو گیا۔ گویا ایک گرہ قفل
جو گھس کر اس قدر تنگ ہو گیا کہ اس کا کھلنا ناممکن ہو گیا۔
تجھ مسئلہ استخارہ شام میں جو حکمائے جدید بانتے ہیں غالب سے بھی پوشیدہ تھا۔
اس شعر میں اسی مسئلہ کی بیخوش شاعرانہ اشارہ کیا ہو ۱۲۔
تجھ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ روتے روتے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایک معمولی بات
جیسے ہمارے کہ بادل برس کر کھل جانا یا گل اچھوٹی تشبیہ ہو ۱۲۔

ہو ہو غرقہ کی۔ بخت رسا رکھتا ہو
 سر سے گزے پہ بھی ہو بالی ہما موج شراب
 ہو یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہو اگر
 موج ہستی کو۔ کرے فیض ہوا۔ موج شراب
 جس قدر روح نباتی ہو۔ جگر نشہ ناز
 دے ہو تشکیں۔ بدم آپ بقا۔ موج شراب
 پس کہ دوڑے ہو۔ رگ تاک میں خوں ہو ہو کر
 شہر رنگے ہو۔ بال کشا۔ موج شراب
 موج گل سے چراغاں ہو گزر گاہ خیال
 ہو تصویر میں زبیں بلوہ نما۔ موج شراب

لے موج شراب کا سر سے گزنا و نشہ ہو کا حد سے گز جانا ۱۲
 یہ روح نباتی: قوت نامیہ یعنی وہ قوت جس سے نباتات اور حیوانات بڑھتے ہیں جگر
 نشہ و شائق۔ جگر نشہ ناز یعنی مشتاق ناز۔ ناز سے یہاں ایندنا اور غذا مراد ہو مطلب
 یہ کہ جس قدر قوت نامیہ مشتاق ناز ہو اسی قدر روح شراب آب حیات بن کر اس کو سیراب
 کرتی ہو یعنی شراب سے قوت نامیہ کے خون اور اس کے ناز میں ترقی ہوتی ہو ۱۲
 ۱۳ مولانا طباطبائی نے خون کے نطفہ کو بلا اعلان خون باندھنے کو غیر فصیح بتایا ہو لیکن یہ
 معلوم کر لینا چاہیے کہ غالب کے وقت تک یہ استعمال غیر فصیح نہ تھا۔ متروکات کی کسا
 تو اساتذہ لکھنؤ نے قائم کی ہو اوہاں تک ہمارا خیال ہو رشک لکھنوی کے زمانہ سے
 خون کو بلا ترکیب فارسی بہ اخلائے خون لکھنا ترک ہوا ہو۔ لیکن پھر بھی بعض اساتذہ متاخرین
 لکھنؤ نے اس کا استعمال جائز رکھا مثلاً منشی میرا حیدر خانی فرماتے ہیں خون اک کے ہر قطرے کا
 نہ چہا پر نہ جہاز نگ میرے بیاں میں موج گل موج شراب کو موج گل نسبت کی ہو جو گل چراغاں کشا لیتا

نشے لہ کے پرے میں ہو مچ نہا شائے دماغ
 بس کہ رکھتی ہو سر نشو و نما۔ مویج شراب
 ایک عالم پر ہیں طوفانی کیفیت فصل
 مویج ہنرہ نو خیز سے تا مویج شراب
 شرح ہنگامہ ہستی ہو۔ نہ ہے مویج گل
 رہی قطرہ بہ دریا ہو۔ خوشا مویج شراب

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسرار
 پھر ہوا وقت۔ کہ ہو بال کشا۔ مویج شراب

لہ "پروہ میں ہو" کا فاعل مویج شراب ہو۔ سر نشو و نما دماغ کے نشو و نما کا خیال "۔
 لے طوفانی و ہوش و نروش کا اظہار کرنے والی فصل سے موسم بارش مراد ہو۔ مطلب
 یہ ہو موسم برسات کی طوفانی کیفیت۔ مویج ہنرہ اور مویج شراب پر یکساں اثر کر رہی ہو "۔
 لہ مویج گل کیا اچھا ہو کہ ہنگامہ ہستی کی شرح ہو چونکہ مویج گل بھی ہنگامہ ہستی کی مانند ہو سکتا ہو
 اور چنانچہ روزہ ہی اس لیے اس کی شرح کہا گیا اور مویج شراب کیا ہی اچھی چیز ہو کہ دریا یا
 قطرہ کے ملانے کی رہبر ہو۔ چنانکہ فنا قطرہ کو دینے سے ماری ہو۔ اس لیے شراب کی پیوندی کو جو
 فنا سے مشابہ ہو قطرہ کو دریا میں لانے کا رہبر کہا گیا ہو "۔
 لہ دیکھ مجھ ہی کو بچ کر "۔

روایت

افسوس کہ دنیاں کا کیا رزق نکلے ۵۰ جن لوگوں کی تھقی درخوہ عقد گہر انگشت کافی ہو۔ نشانی تری۔ چھلے کا نہ دینا خالی چھوہ کھلا۔ کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوزن لیل سو سخن گرم
تار کہ نہ سکے کوئی۔ مرے حروف پر انگشت

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت ۵۱ پھر اک روز مرنا ہو حضرت سلامت جگر کو مرے۔ عشق نبیوں نامہ مشرب لکھے خداوند نعمت سلامت

۱۔ جن لوگوں کی انگلیاں اس قابل تھیں کہ موتیوں کی لڑی بن جائیں یعنی وہ لوگ تمیز اور آسودہ حال ہوتے اب وہ ان کے دانتوں کا رزق بن گئی ہیں۔ یعنی اب وہ دنیاں مسرت سے انگلیاں کاٹتا رہے ہیں۔ انگشت مسرت سے دنیاں، فارسی کا ایک محاورہ ہے شاعر نے اسی محاورہ سے اس خیال کو لیا ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بل کمال اخلاص کی حالت میں بسر کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے دیوان کسی فنمے میں دیکھ کر دنیاں کی جگہ دیوان صحیح سمجھا ہے۔ دیدار دود کی جمع ہو اور دود کیڑے کو کہتے ہیں اور اس صورت میں شعر کا یہ مطلب ہوا کہ جو انگلیاں موتیوں کی لڑی بننے کے قابل تھیں انہیں کیڑے کیڑے ہوئے کھا رہے ہیں ان کی رائے میں سہل گہر کیڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے ۶۰۔ سی رائے ہیں دیدار کو صحیح سمجھ کر جو معنی ہوتے ہیں وہ زیادہ اچھے ہیں ۱۲

علیٰ الرغم دشمن - شہید و قبا ہوں	مبارک - مبارک - سلامت سلامت
نہیں گر - سرو پرگ ادراکِ معنی	تماشا کے نیزنگ صورت سلامت

منہ گیس کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب ۵۲ پارہ لے مرے ہالین آئے - پر کس وقت!

۵۳
 آمدِ خط سے ہوا ہو سرو و جو بازار دوست
 دو دو شمع کشتہ تنقا - شاید خطِ رخسار دوست
 ادا دلِ نا عاقبت اندیش - ضبطِ شوق کر
 کون لاسکتا ہو تائب جلوہ دیدار دوست
 خانہ ویراں ساری جیرت تماشا کیجئے
 صورتِ نقشِ قدم ہوں - رفته رفته دوست
 عشق ہیں - پیدا در شکاب غیر سے مارا شمع
 کشتہ دشمن ہوں آخر - گرچہ تھا بیمار دوست

۵۴
 علیٰ الرغم :- برخلاف و برعکس، رُغم کے لغوی معنی خاک ہیں آلودہ مہینے کے ہیں،
 اس شعر میں خلاف خواہش رقیب شہید و قبا ہونے پر مبارکباد دی گئی ہے ۱۲
 ۵۵ سرو پرگ :- سامانِ سفر - مطلب یہ ہے کہ اگر ہم عالمِ معنی کا ادراک نہیں کر سکتے تو
 تماشا کے صورت ہی سہی ۱۲
 ۵۶ خطِ رخسار دوست کو دو دو شمع کشتہ سے مشابہ کیا گیا ہے ۱۲
 ۵۷ خانہ ویراں ساری جیرت :- خانہ ویرانی جیرت کے جاتوں ہوتی
 رفته رفته دوست :- معشوق کی جال کا وارفتہ یعنی شہید ۱۲

چشم مار و شش - کہ اُس بے در و کا دل شاد ہو
 دیدہ پیغوں ہمارا - ساغر سرشار دوست
 غیریوں کرتا ہو میری پُرسش اُس کے بھر میں
 بے تکلف و دوست ہو جیسے کوئی غم غار دوست
 تاکہ میں جاتوں - کہ ہو اُس کی رسائی واں تک
 مجھ کو دیتا ہو پیام وعدہ دیار دوست
 حب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیف و باغ
 سر کرے ہو وہ - حدیث زلفِ عنبر بار دوست
 پچھکے پچھکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہو اگر
 ہنس کے کرتا ہو بیان شوخی گنار دوست
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت سبھی
 یا پیاں کیجے بس پاس لذتِ آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہو آپ
 اور دلیفِ شعر میں غالب زبیں تکرار دوست

رویت ج

۵۱
گلشن میں بند و بہت بہ رنگ دگر آج
آتا ہو ایک پارہ دل - ہر نفس کو سنا
نہری کا طوق حلقہ بیرون و بہ آج
تا بہ نفس - گندہ شکار اثر ہو آج
سیلاب گر بہ در پی ویدار و بہ آج

۵۲
دوہم مریض عشق کمر ہمارے ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج؟

رویت ج

۵۳
نفس نہ آنجن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں - انتظار ساغر کھینچ

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲
۶۴۳
۶۴۴
۶۴۵
۶۴۶
۶۴۷
۶۴۸
۶۴۹
۶۵۰
۶۵۱
۶۵۲
۶۵۳
۶۵۴
۶۵۵
۶۵۶
۶۵۷
۶۵۸
۶۵۹
۶۶۰
۶۶۱
۶۶۲
۶۶۳
۶۶۴
۶۶۵
۶۶۶
۶۶۷
۶۶۸
۶۶۹
۶۷۰
۶۷۱
۶۷۲
۶۷۳
۶۷۴
۶۷۵
۶۷۶
۶۷۷
۶۷۸
۶۷۹
۶۸۰
۶۸۱
۶۸۲
۶۸۳
۶۸۴
۶۸۵
۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰
۶۹۱
۶۹۲
۶۹۳
۶۹۴
۶۹۵
۶۹۶
۶۹۷
۶۹۸
۶۹۹
۷۰۰
۷۰۱
۷۰۲
۷۰۳
۷۰۴
۷۰۵
۷۰۶
۷۰۷
۷۰۸
۷۰۹
۷۱۰
۷۱۱
۷۱۲
۷۱۳
۷۱۴
۷۱۵
۷۱۶
۷۱۷
۷۱۸
۷۱۹
۷۲۰
۷۲۱
۷۲۲
۷۲۳
۷۲۴
۷۲۵
۷۲۶
۷۲۷
۷۲۸
۷۲۹
۷۳۰
۷۳۱
۷۳۲
۷۳۳
۷۳۴
۷۳۵
۷۳۶
۷۳۷
۷۳۸
۷۳۹
۷۴۰
۷۴۱
۷۴۲
۷۴۳
۷۴۴
۷۴۵
۷۴۶
۷۴۷
۷۴۸
۷۴۹
۷۵۰
۷۵۱
۷۵۲
۷۵۳
۷۵۴
۷۵۵
۷۵۶
۷۵۷
۷۵۸
۷۵۹
۷۶۰
۷۶۱
۷۶۲
۷۶۳
۷۶۴
۷۶۵
۷۶۶
۷۶۷
۷۶۸
۷۶۹
۷۷۰
۷۷۱
۷۷۲
۷۷۳
۷۷۴
۷۷۵
۷۷۶
۷۷۷
۷۷۸
۷۷۹
۷۸۰
۷۸۱
۷۸۲
۷۸۳
۷۸۴
۷۸۵
۷۸۶
۷۸۷
۷۸۸
۷۸۹
۷۹۰
۷۹۱
۷۹۲
۷۹۳
۷۹۴
۷۹۵
۷۹۶
۷۹۷
۷۹۸
۷۹۹
۸۰۰
۸۰۱
۸۰۲
۸۰۳
۸۰۴
۸۰۵
۸۰۶
۸۰۷
۸۰۸
۸۰۹
۸۱۰
۸۱۱
۸۱۲
۸۱۳
۸۱۴
۸۱۵
۸۱۶
۸۱۷
۸۱۸
۸۱۹
۸۲۰
۸۲۱
۸۲۲
۸۲۳
۸۲۴
۸۲۵
۸۲۶
۸۲۷
۸۲۸
۸۲۹
۸۳۰
۸۳۱
۸۳۲
۸۳۳
۸۳۴
۸۳۵
۸۳۶
۸۳۷
۸۳۸
۸۳۹
۸۴۰
۸۴۱
۸۴۲
۸۴۳
۸۴۴
۸۴۵
۸۴۶
۸۴۷
۸۴۸
۸۴۹
۸۵۰
۸۵۱
۸۵۲
۸۵۳
۸۵۴
۸۵۵
۸۵۶
۸۵۷
۸۵۸
۸۵۹
۸۶۰
۸۶۱
۸۶۲
۸۶۳
۸۶۴
۸۶۵
۸۶۶
۸۶۷
۸۶۸
۸۶۹
۸۷۰
۸۷۱
۸۷۲
۸۷۳
۸۷۴
۸۷۵
۸۷۶
۸۷۷
۸۷۸
۸۷۹
۸۸۰
۸۸۱
۸۸۲
۸۸۳
۸۸۴
۸۸۵
۸۸۶
۸۸۷
۸۸۸
۸۸۹
۸۹۰
۸۹۱
۸۹۲
۸۹۳
۸۹۴
۸۹۵
۸۹۶
۸۹۷
۸۹۸
۸۹۹
۹۰۰
۹۰۱
۹۰۲
۹۰۳
۹۰۴
۹۰۵
۹۰۶
۹۰۷
۹۰۸
۹۰۹
۹۱۰
۹۱۱
۹۱۲
۹۱۳
۹۱۴
۹۱۵
۹۱۶
۹۱۷
۹۱۸
۹۱۹
۹۲۰
۹۲۱
۹۲۲
۹۲۳
۹۲۴
۹۲۵
۹۲۶
۹۲۷
۹۲۸
۹۲۹
۹۳۰
۹۳۱
۹۳۲
۹۳۳
۹۳۴
۹۳۵
۹۳۶
۹۳۷
۹۳۸
۹۳۹
۹۴۰
۹۴۱
۹۴۲
۹۴۳
۹۴۴
۹۴۵
۹۴۶
۹۴۷
۹۴۸
۹۴۹
۹۵۰
۹۵۱
۹۵۲
۹۵۳
۹۵۴
۹۵۵
۹۵۶
۹۵۷
۹۵۸
۹۵۹
۹۶۰
۹۶۱
۹۶۲
۹۶۳
۹۶۴
۹۶۵
۹۶۶
۹۶۷
۹۶۸
۹۶۹
۹۷۰
۹۷۱
۹۷۲
۹۷۳
۹۷۴
۹۷۵
۹۷۶
۹۷۷
۹۷۸
۹۷۹
۹۸۰
۹۸۱
۹۸۲
۹۸۳
۹۸۴
۹۸۵
۹۸۶
۹۸۷
۹۸۸
۹۸۹
۹۹۰
۹۹۱
۹۹۲
۹۹۳
۹۹۴
۹۹۵
۹۹۶
۹۹۷
۹۹۸
۹۹۹
۱۰۰۰

کمال گری سچی تلاش دید - نہ پچھ	بزرگس خار مرے آئندے سے جو ہر کھینچ
تجھے بہاؤ راحت ہو انتظار - ای دل	کیا کو کس نے اشارہ؟ کہ ناداستر کھینچ
تیری طرف سے ہر حسرت نظر دہ زکس	یہ کوئی دل و چشم رقیب سا غریب کھینچ
بہیم غم - ادا کر حق و بیعت ناز	نیا م پر وہ نہ غم جگر سے خنجر کھینچ

لے تلاش ہر ذرا شہر سچی سچی جستجو یہ لفظ ترکیبی ہے جس کا اہم نالہ کر کے دے کے معنی ہیں سچی تلاش
 دلوں میں ہلاکت والی جستجو ہے۔ ایک شاعر نے اس شعر کے بعد اول میں چار مصرعے پیش کرتوں کے جمع ہونے کو عریضہ کیا جو ممکن
 تھا کہ شاعرین نے غریب فارسی کے کلام میں جن کا شمار قصی میں ہے بکثرت پائی جاتی ہیں غالب بھی جو کہ فارسی کا دلدادہ
 تھا اس لیے اس کے شعور پر طبعی اعتماد کا فرض قبول ہونا اس کا ایک شاعرانی شکل ہے پیچیدہ اشعار میں بھی من کا طلب ہے
 اگرچہ مختلف رائے ہیں شاعر کہتا ہے کہ مخاطب میری سرگرمی تلاش دہ یعنی کمال اور فن کے تہہ رے دونوں کا شکر کی کوثر کا
 دلزدہ کر دینا کہ وہ تو ملنے ہی نہیں، البتہ یہ کہ تو ایسے آئندہ دل سے کاٹنے کی طرح سے جو ہر کمال ہے یعنی ایسی تہذیب کر میر کمال ہی
 مجھ سے سلب ہجائے شاعر نے کی شکایت کرتا ہے اور یہ دکھانہ کہ اس مانتہ میں کمال کی تہہ نہیں بلکہ ناقابل پوچھے جاتے
 ہیں اس لیے حسرت کے ساتھ وہ اپنے کمال کے سلب ہونے کی آہ لگاتا ہے ۱۲

لے تا بہت کھینچا بہت پرے پرے نیند کا انتظار نہ تھا اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو جو معشوق کے
 انتظار کے حباب سے بھر پڑا ہوا ہے تو میری آگاہی ہو کہ معشوق کی طرف سے اشارہ بھی نہیں ہوا ۱۳
 لے جو کہ زکس معشوق کی طرف سے حسرت ساتھ لکھا کہ اس کی اس لیے شاعر نے اس کو اپنا رقیب کہا ہے اور عاشق کہنے
 معشوق کی طرف رقیب کا گھورنا لایا نہیں ہو سکتا پس شاعر اس کے اندھے ہو جانے کی خواہش کا اظہار اپنے معشوق پر نہایت
 لطیف پرہیز کر رہا ہے اور معشوق کو کہتا ہے کہ تو شراب رقیب کمال و چشم کی کوری ہو رہی یعنی اس کے اندھے پن کی خواہش
 کی یاد میں سنوئی و سنو کہ شراب کسی کی یاد پر بنے ہیں چنانچہ جامِ صحت وغیرہ کی رسم مغربی تہذیب میں جاری ہے ۱۴
 لے نیا م تہذیب کا خلافت یعنی میان نیا م سے جو تہذیب یعنی اہل کمال والے تہذیب سے تہذیبی صنعت ہے ایک شاعر صاحب
 مقصود میں اس خجور سے معنی کا مخزن ہو گیا یا اس قلمی صنعت نے ان کی اسے میں شعور کے معنی کر دیا حالانکہ شعور کا مطلب
 صرف ہے شعور کہتا ہے کہ غم سے خنجر یا بکھنجا جائیگا تو تکلیف زیادہ ہوگی اور عاشق کو یہ تکلیف ہی غریب ہے اس
 اتن تکلیف سے غم زیادہ ہو گیا جیسا کہ نیم غم سے آتا ہوا اور اس طرح ناز کی امانت پوری ادا ہو جائیگی ۱۵
 نیم نیا م کی صنعت بجائے خود قاطع ہے اور شعر کا مطلب بھی موجود ہے ۱۶

میرے آتش میں ہو صہ پائے آتش پہنا
برستے سفر۔ کیا بول سمندر کھینچ

رولیت و

عس۔ غم سے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد

بار سے آرام ستیں۔ اہل جفا میرے بعد

منہب شیفنگی کے کوئی متايل نہ ہا

ہوئی معرونی انداز واد میرے بعد

شع بھتی ہو تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہو

شہادہ عشق سیا پوش ہو میرے بعد

یہ میرے جام بول میں آتش پہنا یعنی عشق کی شراب سرج بھری ہوئی ہو۔ شراب سرج
ہوئی ہو اور آگ کا شگ بھی سرج ہوتا ہو شراب کی گرمی اور آگ کی گرمی سے بھی
منما بہت ہے جس شراب ستا ہو کہ دسترخوان پر سمندر کے دل کے کیا بھی پہنچے
جائیں۔ سمندر کے دل کے کیا اب اس لیے کہا گیا کہ دل چھپا ہوا ہوتا ہو۔ چونکہ
شراب بھی چھپی ہوئی آگ کے مانند ہو اس لیے اس کے میل کے لیے سمندر ایک
جانور ہوتا ہو جو آتشکدہ میں رہتا ہو اور جب آگ سے باہر آتا ہو مہاتا ہو کے
دل کے کیا ب شاعر نے ظاہر کیا ہے کہ کھینچ فارسی محاورہ کا ترجمہ ہو اردو میں
دستخوان پر کھانے کے لیے کھینچنا نہیں ہوتے ہیں۔ اس شعر میں صرف الفاظ کی
خوبی۔ مکی گئی ہو ۱۲۔

خون ہو دل خاک میں احوال بتاں پر۔ یعنی
 اُن کے ماتن ہوئے مختلف جہاں میرے بعد
 درخوہ عرض نہیں۔ جو ہر بے داد کو۔ جا
 نگہ ناز ہو سرے سے خاں میرے بعد
 ہو جنوں۔ اہل جنوں کے لیے آغوش وداع
 چاک ہوتا ہو گریباں سے جہاں میرے بعد
 کون ہوتا ہو حریف و مرد افکن عشق ؟
 ہو مکر لب ساقی بے صبا میرے بعد
 غم سے مرنے ہوں کہ۔ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کرے تعزیت مرد وفا میرے بعد

یہ خاک میں یعنی قبر میں۔ مطلب یہ ہے کہ قبر میں پڑا پڑا دل میرا احوال بتاں پر افسوس کروں گا
 کہ انھوں نے میرے سوگ میں ہندی لگا کر ناچوڑ دی ہے ۱۲
 میں درخوہ عرض در انداز کے قابل شاعر کہتا ہے کہ جو ہر بیدار کے اظہار کے لیے ایک ہی
 منہ سب جاہز باقی نہیں رہی اس لیے معشوق کی نگاہ ناز سرے سے خفا ہو جیستی اس
 نے میرے بعد سر لگاتا چھوڑ دیا کیوں کہ میں نہ ہوں ہی نہیں اب سر نہ لگا کر نشاء بیدگس کہ بنایا جا
 تے آغوش وداع ہو یعنی نصرت ہو رہا ہو شاعر کہتا ہے کہ میرے بعد جنوں اہل جنوں کی نصرت
 ہو رہا ہو اور چاک گریباں سے جدا ہوتا ہو مطلب یہ ہے کہ میں نے جنوں اور چاک گریباں کا
 قسم ہی تمام کر دیا۔ ۱۳ اس شعر میں لفظ مکر سے عجیب خوبی پیدا کر دی ہو اول مصرعہ اول کو سوالیہ
 لہجہ میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کہتا ہے "کوئی ہو جو مرد افکن عشق کا حریف ہو؟"
 یعنی کوئی ہو جو غالب کی ہمایری کیے حب کوئی اس آواز پر سامنے نہیں آتا تو وہ پھر پوچھتا ہے
 میں کہتا ہوں کون ہوتا ہو حریف و مرد افکن عشق یعنی کوئی نہیں ہوتا ہے شاعر کہتا ہے کہ مرنے
 سے پہلے مجھ پر اس بات کا غم ہو کہ میرے بعد کوئی مرد وفا کی ہمدردی کرے تو والا بھی نہ ملے گا ۱۴

آئے ہو بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جاے گا سیلاب ہا میرے بعد

روایت

نگاہ شوق کو ہیں۔ ہاں رو پروردیو
کہ ہو گئے مرے دیوار و در۔ در و دیوار
گئے ہیں چند قدم پیشتر و دیوار
کہ مست ہو ترے کوچہ میں ہر و دیوار
کہ ہیں۔ دوکان متاع نظر۔ در و دیوار
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پہ در و دیوار

۵۴
بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر۔ در و دیوار
و نور شکستہ کا شانے کا کیا یہ رنگ
نہیں ہو سایہ۔ کہ سن کر نو بہ مقدم یار
ہوئی ہو کس قدر ار ذاتی و جاوہ
جو ہو بچھے سر سودائے انظار تو
بہم گرم گریہ کا سامان کب کیا ہیں؟

۱۔ مصرعہ ثانی میں سیلاب بالے عشق مراد ہو شاعر کہتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد عشق کا
قدر شناس کوئی دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ وہ سیلاب ہوا ہے اور اس لیے سوا غالب کے ایسا کوئی
جواں مرد ہو جو اس بلا کو اپنے گھر و خانہ پر نہ لے کرے۔ ۱۲
۲۔ دیوار و در۔ در و دیوار ہو گئے لفظوں کا یہ الٹ پھرنے کا یہ مطلب ہے کہ دیوار
ہو کر دروازہ کا کام دینے لگی۔ یعنی جہاں پر دیوار کھڑی نظر آتی تھی وہاں دروازہ چلنے لگا اور دروازہ کے
منہ پر ہونے سے اس کی جگہ کا انبار بطور دیوار کے ہو گیا۔ ۱۳
۳۔ سایہ اس در و دیوار کا سایہ۔ ہر چیز کا سایہ اس سے آگے بڑھتا ہے شاعر کہتا ہے کہ میرے
در و دیوار کا سایہ جو اس سے آگے بڑھ کر پڑتا ہو گا یا یہ در و دیوار ہیں جو اس کے استقبال کے
چند قدم آگے کو بڑھ گئے ہیں۔ ۱۴

وہ آ رہا مجھے ہم سایہ ہیں۔ تو سائے سے نظر میں کھٹکتے ہیں تیرے گھر کی آبادی تو پوچھتا ہے خودی عیش۔ مقام سید باب	بچے قدا در و در و در پر۔ در و در و در ہمیشہ روئے ہیں ہم دیکھ کر در و در کہ ناپختہ ہیں پختہ سے سرسبز در و در
--	---

نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں نیاز میں
حریت را از محبت۔ مگر در و در و در

گھر حب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر کہتے ہیں حب ہی نہ مجھے طاقت سخن کام آس سے آبرو ہو کہ جس کا ہمارا نہیں جی میں ہی کچھ نہیں دے پاسے و گرنہ ہم چھوڑ دل گائیں نہ اس بُت کا فر کا پنا قصہ ہوتا و غمزدہ ہے گفتگو میں کام ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو ہزاروں ہیں تو چاہیے وہ تا ہر انشا	۵۸ جانے گا اب بھی نہ مرا گھر؟ کہے بغیر جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر؟ کہے بغیر بیوے نہ کوئی نام مستحکم؟ کہے بغیر سر جاسے یا ہے نہ میرا پر کہے بغیر چھوڑے نہ خالق کو مجھے کافر کہے بغیر چلتا نہیں ہو دستہ و خمر کہے بغیر بنتی نہیں ہو باوہ ساغر کہے بغیر نشہ نہیں ہوں بات مکر کہے بغیر
---	---

لے سارے سے۔ پذیر و عید سایہ ۱۲
میتہ سیلاب کی آمد کا تہہ و پناہ دیو کرتا ہو شمس اس کو اپنی بے نور وانی عیش سے تپ کر
ہو درگاہ ہو کہ سیلاب کی آمد سے ۱۳ پورا کر کے گرنے کو وہ نفس مخمور ہو۔ زلف و عیش
جو نسبت ۱۴ و ۱۵ طاہر ہو ۱۶

حالت نہ کر حضور میں تو بار بار عرض !
ظاہر تو تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

۵۹

کیوں جل گیا تاب رخ یار دیکھ کر
آنکھ پرست کہتے ہیں اہل جہاں تجھے
کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا
آتا ہو میرے قتل کو پر جوش رشک سے
ثابت ہوا ہو گون مینا پہ خونِ خلق
واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
زنا رہا نہ دھبہ صبر و ادب توڑ ڈال
ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
کیا بدگماں ہو مجھ سے کہ آئینے میں مے

جلتا ہوں۔ اپنی طاقت ویدار دیکھ کر
مہر گیم نالہ ہائے شر یار دیکھ کر
رکتا ہوں۔ تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
گرے ہو موج و تری رفتار دیکھ کر
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر
لیکن عیار طبع خسریا دیکھ کر
رہر چلے ہو راہ کو ہموار دیکھ کر
جی خوش ہوا ہو راہ کو پر خار دیکھ کر
طوطی کا عکس دیکھو ہو رنگار دیکھ کر

راہ جوش رشک سے مرتا ہوں یعنی تلوار کی اس خوش قسمتی پر کہ وہ معشوق کے ہاتھ میں ہو
رشک کرتا ہوں ۱۲

۱۱ جب تو شرابی کر چلتا ہو تو تیری رفتار مستانہ کو دیکھ کر حوٹ کو لرزہ آجاتا ہے اس بات سے
یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خونِ خلق کا باعث یہی شہید شہید ہوا تو شراب پیتا ہے تیری رفتار مستانہ سے خلق کا جو
۱۲ اپنے معشوق کی تمنا کی بدگمانی کو بیان کرتا ہو مطلب میں حرکت کا یہ کہ میرے آئینہ دل میں نگار یعنی
عسرت و مایوسی کو دیکھ کر وہ طوطی کا عکس جانتا ہو یعنی کسی دوسرے معشوق کی عیبت کو اس مایوسی کا
باعث سمجھتا ہو حالانکہ یہ پاس وافر دگر خود اس کی لاپرواہی اور بے مہری کی پیدا کی ہوئی ہو ۱۲

گرتی تھی ہم پر برق بجلی۔ نہ طور پر دیتے ہیں بادہ طوف قح و خوار بجھ کر

سر چھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے۔ تری دیوار۔ دیکھ کر

لرزا ہوا مرادل۔ زحمت سر دہشتاں پر
میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خاریاں پر
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہو ننداں پر
فنا تعلیم دس بجو دی ہوں اُس زمانہ سے
کہ بچوں لام الف لکھتا تھا دیوار دہشتاں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گر صبح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

۱۱۔ اس شعر میں اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ہم نے
امانت کو زمین آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے
اور گر گئے اور انسان نے اُس کو اٹھا لیا“ مطلب یہ ہے کہ برق بجلی کے ہم مستحق تھے
نہ کہ طور کیونکہ کہ طور بجلی کی تاب نہ لاسکا اس لیے جو کچھ اُس کو دیا گیا وہ اُس کے طرف سے
نہ لیا وہ تھا ۱۲

نہیں آقاہم الفت میں کوئی طواریہ ناز لیا
 کہ پشت چشم سے جس کی ہوشے مہر عنوان
 مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
 کہ فرقت میں تری آتش بستی تھی گلستاں پر
 بخر پرواز شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا؟
 قیامت اک ہوا اُسے تباہی خاک شہیدان پر

یہ لڑنا صحیح سے غالب کیا ہوا اگر اُس نے شدت کی
 ہمارا ابھی تو آخر زور چلتا ہی گریباں پر

۶۱

ہی بس کہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہی گئی اور
 یاد رہا - وہ نہ سمجھے ہیں - نہ سمجھنگے - مری بات
 دے اور دل اُن کو - جو نہ دے مجھ کو نیاں اور

۱۵ طواریہ - دفتر پشت چشم سے مہر ہونا کنکھیوں سے دیکھنا اغماض و تغافل سے
 مراد ہو - شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دفتر کے لوازمات میں ہر کا ہونا قریح سمجھا جاتا
 ہو اسی طرح محبت کی دنیا میں ماز اور تغافل لازم و ملزوم ہیں ۱۲

ابرو سے ہو گیا اس نگارِ ناز کو پیو نہ
 ہو تیر مستدر۔ مگر اس کی ہو کہاں اور
 تم شہر میں ہو تو ہیں کیا غم؟ جب اٹھینگے
 لے آئینگے بازار سے۔ جا کر۔ دل و جاں اور
 ہرچند سبک دست ہوئے بے شکنی میں
 ہم ہیں۔ تو ابھی راہ میں ہو سنگ گراں اور
 ہو خونِ جگر و شش میں دل کھول کے روتا
 ہوتے جو کئی دیدہ و خوں ناپہ فشاں اور
 مرتا ہوں اس آواز پہ۔ ہرچند سراپا جائے
 جلاؤ کو۔ لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"
 لوگوں کو ہی خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک دلِ غمِ نساں اور

لہ سبک دست و مشتاق "ہم ہیں" یہ سمجھتا کہ ہم ہیں "خدا رسی کی سادہ میں ایک
 چٹان کے مثل جاں ہو شاعر کا مطلب یہ ہو کہ باوجود بے شکنی میں ہمارا حال
 کر لینے کے منزلِ عرفاں تک پہنچنے کے لیے خودی کو مٹا دینے کی ضرورت ہے اور
 اس شعر میں سارا زور "ہم ہیں" پر دے کر پڑھنے سے خود و بخود مطلب سمجھ میں
 آجاتا ہے ۱۲

لیٹنا لگے اگر دل تمہیں دیتا۔ کوئی دم چین
 کرتا۔ جو نہ مرتا۔ کوئی دن آہ و فغاں اور
 پاتے نہیں جب ساہ۔ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
 رکتی ہو مری طبع تو ہوتی ہو رداں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ غالب کا ہو اندازہ بیاں اور

۶۲
 صفائے حیرت آئینہ ہو۔ سامان رنگ آخر
 تغیر آئے ہر جامدہ کا۔ پاتا ہو رنگ آخر

۱۔ اس شعر میں تعقید لفظی واقع ہوئی ہے اور اسی نے شعر کو لطیف بنا دیا ہے۔ مرزا
 اپنے خط میں اس کے متعلق لکھتے ہیں: ”یہ بہت لطیف تقریر ہے لیکن اگر ربط ہے چین
 کرتا۔ مربوط ہے آہ و فغاں سے عربی میں تعقید معنوی اور لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں
 تعقید معنوی عیب اور تعقید لفظی جائز بلکہ فصیح اور بلیغ۔ ریختہ تعلیہ فارسی کی حامل معنی
 مصرعین ہے کہ اگر دل نہیں نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا۔ اگر نہ مرتا تو کوئی دن آہ و فغاں کرتا
 ۲۔ اس شعر میں نالوں سے مراد غمناکوں سے ہو آہ و نالہ مراد نہیں ہے شاعر کہتا ہے کہ مصیبت
 اور رنج کے سبب اس کی طبیعت میں قدر رکتی ہو یعنی متاثر ہوتی ہو اسی قدر زیادہ رداں
 ہوتی ہو یعنی زیادہ حسب حال مضمون سوچتے ہیں اور یہ امر واقعہ ہے۔“

۳۔ اب ہر جامدہ:۔ ایک جگہ بکھرا ہوا پانی مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک جگہ بکھڑے
 ہوئے پانی کا تغیر ایک رنگ پیدا کرتا ہے یعنی اس پر کای جم جاتی ہے اسی طرح آئینہ کی
 صفائی پر حیرت کے رنگ ہو جاتا ہے۔ ۱۲۔

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تہہ پیرِ وحشت کی
ہوا جامِ زمرہ بھی۔ مجھے داغِ پلنگ آخر

جٹوں کی دست گیری کس سے ہو؟ گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا میری گردن پر
برنگ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے۔ بالِ یک پتیل پر
فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا تفتِ ضاہی؟
متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں۔ قرضِ رہن پر

لے تہہ پیرِ علاج، شاعر کہتا ہے کہ سامانِ عیش و جاہ کے بہم ہونے سے میری وحشت کا علاج نہ ہوا بلکہ وحشت
اور تہہ پیری اور جامِ زمرہ جو بخلِ سامانِ عیش کے تھا داغِ پلنگ میں گیا یعنی سیاہ ہو گیا۔ مرزا نے جامِ
زمرہ اور داغِ پلنگ کا ذکر قصیدہ اول کے شعر نمبر ۳ میں بھی کیا ہے مگر وہاں بہار کی تاثیر سے داغِ
پلنگ کا جامِ زمرہ میں جانا بتایا ہے اور یہاں اپنے وحشت کے اثر سے جامِ زمرہ کا داغِ پلنگ
ہو جانا بیان کیا ہے ۱۶

۱۷ مصرعہ ثانی میں گریباں سے چاک لیا گیا ہے۔ گریبان دی ہوئے حرفتِ اختری کی بطلت ہو گئے گریبان سے چاک کا
میری گردن پر چھ ہو گیا ہے کہ اس نے چھ عریاں زدہ نبول کی نیکی بغیر عریانی کے نہیں ہو سکتی ۱۸ اسے مصرعہ اول
کے آخر میں "ہو" محذوف ہے۔ نیرنگِ شہید۔ بال۔ بازو۔ اس شعر کی شرویں ہوئی تیرنگیتِ ثانی مثل کاغذ
آتش زدہ ہو کہ دل نے ایک ایک بال پتیل پر پیرا پیرا کینے باندھے ہیں شاعر نے اس شعر میں آئینہ منظر
کو اس شعر کی شہید دی ہے جو کاغذِ آتش زدہ ہو پلنگ ہو ۱۹ متاعِ بردہ یعنی لٹی ہوئی پونجی تو میرا قریب اسی
مضمون کو نظری نے فارسی میں ادا کیا ہے۔ نشاطِ رفتہ زدہ والی میری ستائش کہ یہ دعا مانا نہ وہ آتشِ قضا
نظیر ہو کہ اندازے جو ہمارا گرا ہو عیش لیا ہو وہ استعمال کے ساتھ قضا کرنے سے کبھی نہیں الگ ہوا جیسا کہ کہنا کہ

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہو
 شعل ہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر
 فنا کو سوئیہ گر مشتاق ہو اپنی حقیقت کا
 فروغ طالع خاشاک ہو موقوف گاہن پر

اگر سبیل ہو کس انداز کا با قاتل سے کہتا ہو
 اگر مشق ناز کر خون و عسالم میری گردن پر

ستم کش مصالحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پر عاشق ہیں
 تکلف بر طرف۔ مل جائے گا۔ تجھ۔ سار قریب آخر

شخص قضاوں سے ناراض نہیں ہوتا۔ غالب نے ایک دوسری بات پیا کی ہے وہ فلک کو رہن کرتا
 ہے اور بتاتا ہے کہ بہن کسی کا مال نیکرواپس نہیں دیتا ہو اس سے تقاضا کرنا فضول ہے وہ حقیقت طلبا
 نے نظری کے خیال کو غلط ثابت کیا ہے ۱۲
 ملے بے سبب رنج :- بلا وجہ رنجیدہ ہونے والا۔ آشنا دشمن :- معشوق۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم کو
 بے سبب رنجیدہ ہونے والے دشمن سے کام لیا ہو جو شعل ہر کو تار نظر سمجھ کر چشم روزن پر بند لگا ہی
 کا الزام رکھتا ہے۔ بعض دیوانوں میں "رنج آزا ما، چھپ گیا ہو وہ غلط ہے ۱۲
 ملے اس شعر میں لفظ "کس" استفہامیہ نہیں ہے بلکہ اشارہ قریب کے لیے استعمال ہوا ہے ۱۲
 ملے تجھ سار قریب :- تیری مثل وہ حسین جو تجھ پر عاشق ہے ۱۲

روایت (۲)

فانیغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح ہر
ہو نادہ فلساں زہرا ز دستِ منتہر
و خانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
ہو داغ عشق زینتِ حریف کفن ہنوز
ہوں گل فروش شوخی داغ کفن ہنوز
خیمارہہ کھینچے ہو مہر بیاد کفن ہنوز

حریفِ مطلب مشکل نہیں فسیں نیا
نہ ہو بہ ہر زہ بیاباں نور و وہم وجود
و عاقبول ہو یارب کہ عمر خضر و رات
ہنوز تیرے تصور میں ہو تشبیبِ فراہ

۱۷ اس شعر میں حریف کفن کو صبح سے اور داغ عشق کو آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ میں
مرنے پر بھی عشق سے خالی نہیں ہوں ۱۲
۱۸ اس شعر میں شاعر نے خون کو شراب سے تشبیہ دی ہے اور محشوق کی نسبت کہا ہے کہ وہ میرے
خون جگر کو شراب سمجھ کر پیتا ہے شاعر نے اپنے شعر میں محشوق سے پیشہ کی خوشخواری کا اس طرح نقشہ
کھینچا ہے کہ باوجودیکہ میرے جگر میں خون کا ایک قطرہ تک باقی نہیں ہے لیکن وہ اس کی تمنا میں
اب تک انگڑاکیاں لے رہا ہے ۱۲
۱۹ فسیں تیار نہ دے تیار اس شعر میں شاعر نے کمال حسرت کا اظہار کیا ہے وہ کہتا ہے کہ
میں مشکلِ قصہ کے حل ہونے کی دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے اب ایسی چیز طلب کریں گے
جو پہلے ہی سے دی جا چکی ہو مثلاً عمر خضر کی درازی ۱۲
۲۰ اس شعر میں شاعر نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ تو یہی ہو
سے وہم وجود کے بیابان میں جھٹکتا ہے پھر مطلب یہ ہے کہ تو وحدت الوجود کا عقیدہ اختیار
کر ہنوز تیرے تصور میں تشبیب و فراہ ہیں یعنی اب تک تیرا تصور نامتوام اور ناقص ہے ۱۲

<p>کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پرواز کئی نہ خاک ہوے پر ہوائے جلوہ ناز</p>	<p>دھمالی جلوہ تماشا ہی پروا نہ کیا ہر ایک دورے عاشق و آفتاب پرست</p>
<p>تیر چھ وسعت و خانہ جنوں غالب جہاں یہ کاسہ گردوں ہی ایک خاک انداز</p>	
<p>گریے ہی آبلہ پا ابر گریہ بار ہنوز نقشِ پامیں ہو تپ گری ز فوار ہنوز</p>	<p>وسعت سچی کرم و بکیر کہ سترتا سحر خاک یک قلم کا غدا آتش زدہ ہو صفحہ شست</p>
<p>کیا نہیں ہو مجھے ایمان ستیز؟</p>	<p>کیوں کر اس بست رکھوں جان عزیز؟</p>
<p>۱۱۔ دھمال جلوہ تماشا: فارسی ترکیب ہے معنی دھمال یا جلوہ حسن کا تماشا دکھانے والا اور پرواز معنی صیقل شاعر کہتا ہے کہ انتظار کے بعد جلوہ حسن یا نور کا تماشا ممکن ہو لیکن انتظار کی طاقت کسے ہو ۱۲۔</p> <p>۱۱۔ خانہ جنوں: صحرائے جنوں کا سہ گردوں: آسمان۔ خاک انداز: وہ طرف جس میں بھر کر کوٹا کر کٹ پھینکا جائے ۱۲۔</p> <p>۱۱۔ شاعر نے اس شعر میں کرمیوں کی شان دکھائی ہے مطلب یہ ہے کہ کرمیوں کو بخشش کہتے کرنے تنگ نہ جانتا چاہیے بلکہ ابر گریہ کی مثال سے سبق لینا چاہیے کہ وہ یا وجود آبلہ پانی کے مہینہ پرمانے میں سرگرم رہتا ہو۔ فطرتِ باباں کی بنا پر ابر کو آبلہ پا کہا ہے ۱۲۔</p> <p>۱۱۔ کاسہ گردوں: کاسہ قلم کا لفظ کھیر کے معنی میں اس شعر میں استعمال کیا گیا ہے شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا گرم رفتار ہوں کہ میرے نقش قدم میں اتنا کہ وہ گری باقی جس سے میدانِ شست کا غدا آتش زدہ بنا ہوا ہے وہ مطلب یہ ہے کہ مذہب عشق میں جو بے جان غریزہ رکھتا یقیناً اس پر جان قربان کرنا لگتا ہے ۱۲۔</p>	

دل سے نکلا۔ پہ نہ نکلا۔ دل سے
ای تیرے تیر کا۔ پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہی اور جان عزیز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز
میں اور اندیشہ ہائے دور و راند
ہم ہیں۔ اور راند ہائے سینہ گداز
دیر نہ باقی ہی طاقت پر و اند
ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
جس سے نرگس ہوئی نہ ہو گلزار
ای ترا ظلم سرسبز انداز

گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
تو۔ اور آراشِ حسم کا کل
لافت تمکین فریب سادہ دلی
ہوں گرفتار لغتِ صیاد
نہ بھی دن ہو کہ اس سہمگر سے
ہیں دل میں مے وہ قطرہ خوں
ای ترا جلوہ۔ یک دستم۔ انگیز

لے نہ نکلا دل سے اور فراموش نہ ہوا ۱۲
یہ مطلب یہ ہے کہ عشق میں رہا ہی یہ سچنی کہ ہم بہت بڑے شایستہ قدم ہیں ہماری
سادہ دلی کے سبب سے ہے۔ کیونکہ ہمارے دل میں تو ایسے سینہ گداز اند بھری ہوئے
ہیں جن کے ہوئے ہوئے تمکین یعنی شایستہ قدمی اور وقار کا باقی رہنا مشکل ہے ۱۲
تکہ اس شعر میں لفظ "سے" پر معنی رکے لیے آیا ہے ۱۲
تکہ یعنی سارا خون پکاوں سے ٹپک گیا۔
شہ مصرعہ اولیٰ ہیں "ای" کے بعد نازنین اور مصرعہ ثانی میں "ای" کا مناد ہی
"ظالم" محذوف ہے ۱۲۔

تو ہوا جاوہ گم بہار کس ہو	بہترین سجدہ حبیبین نیا ز
تجھ کو پوچھا - تو کچھ غضب نہوا	ہیں غریب اور تو غریب نواز

اسرائیل خاں - تمام ہوا
ای دریا وہ رہی شاہد باز

روایت س

شروہ ای ذوق اسیری - کہ نظر آتا ہو	دام خالی - قفس مرغ گرفتار کے پاس
جگر تشنہ آزار - تسلی نہ ہوا	جولے خوں ہم نے بہانی - بن غار کے پاس
منہ گیس کھولتے ہی کھولتے آنکھیں نہی	خوب قسمت آئے تم اس عاشق سار کے پاس
ہیں بھی رنک کے نہ مزاج و زباں کے بدلے	دشنہ اک تیز سا ہوتا مئے غمخوار کے پاس

۱۔ اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "کچھ غضب نہ ہوا" کے ٹکڑے نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے نہایت کثیر المعنی ہے۔ اس جملہ کی جگہ اگر کوئی دوسرا کڑا یہاں ختم کر دیا جاوے تو مہربانی کی تو وہ بات پیدا نہیں ہوتی ۱۲۔

۲۔ تشنہ آزار - خواہش مند آزار - شاعر نے تسلی نہ ہوا "یعنی تسلی نہ ہوا" یعنی تسلی پاؤں والا نہ ہوا پانہ ہوا ہے۔ مولانا طباطبائی نے تسلی نہ ہوا کو خلافت محاورہ بتایا ہے۔ لیکن یہ - اعتراض غلط ہے کیونکہ اس کے متعلق میر تقی جسے مسلم البتوت استناد کی سند

۱۲ دیکھو

نہ تسلی ہوا دل بیتاب نہ تمہارا چشم تر سے خون نہا

دیکھ کر تجھ کو چمن بس کہ نو کرتا ہوں	نہ کھڑے ہوئے خوبان دل آئے کے پاس
خود بخود پہنچے ہر گل گوشہ دستار کے پاس	

مر گیا چھوڑ کے سر غالب وحشی ہونے
بٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

رویف ش

۱۲
نہ کیوے گر خس جو ہر طراوت سبزہ خط سے
لگاؤے خانہ آئینہ میں روئے نگار۔ آتش
۱۳
غریب حسن سے ہوتی ہے حل شکل عاشق
نہ لگائے شمع کے پاس نہ نکالے گردہ خار۔ آتش

۱۴
اس شعر میں چہرہ آئینہ کو شاعر نے خس جو کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چہرہ آئینہ کو معشوق کے
سبزہ خط سے طراوت پہنچ جاتی ہے ورنہ اس کے آتشیں رخ کے عکس سے خانہ آئینہ میں گل
لگ جائے ۱۲

۱۵
موم بتی میں جو دورا ہوتا ہے اسے خار شمع کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب موم بتی روشن
ہوتی ہے تو دورا جل کر پائے شمع سے نکل جاتا ہے۔ یعنی آتش سے شمع کی شکل حل ہوتی ہے۔ اس شعر
میں حل شکل کو مونث باندھنے پر مولانا طباطبائی نے اعتراض کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ قواعد کے
حفاظ سے حل مضاف اندہ کراؤ مشکل مضاف الیہ مونث ہے۔ مردانے مضاف الیہ پرندہ
دینے کی غرض سے فعل کو یہ مونث لکھا ہے اور یہ استعمال صرف میرزا کے یہاں مخصوص
نہیں بلکہ اور شعرا نے بھی کیا ہے مثلاً ابوالہی بخش خاں معروف جو شاہ نصیر کے شاگرد

روایت

۱۳۷ جاوڈ رہ۔ غور کو وقتِ شام ہی تا شعاع ۱۳۸ چرخ واکرتا ہی ماہِ نو سے آغوشِ وداع

۱۳۹ شمع نگاہ سے ہی سوزِ جاوڈا فی شمع ۱۴۰ ہوئی ہو آتشِ گل۔ آہِ نگاہی شمع
 زبانِ اہلِ زباں میں ہی۔ مرگِ بھامشی یہ بات بزم میں۔ وشن ہوئی نبائی شمع
 کرے ہی صرف بہ ایمانے شعاعِ قصہ تمام بھڑاہلِ فنا ہو۔ فسانہِ خواہ فی شمع
 نعم اُس کو حسرت پہ واز کا ہی شعاع نرسے لرزے سے ظاہر ہو ناتوانی شمع

اور ذوق کے مہر تھے لکھتے ہیں۔ "خرقِ عادت اپنے دیوانے کی دیکھ پھر جس طرف کو وہ چلے
 پتھر چلے" ممکن ہے کہ خرقِ عادت کی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ مرکب لفظ ہی تو حلِ مشکل کے لیے
 بھی یہی کہا جاسکتا ہے اور اسی حالت میں بالکل مشکل حل ہو جاتی ہے یعنی معترض کا اعتراض غائب
 ہو جاتا ہے۔

۱۴۱ یہ صرف ایک شعر پوری غزل نہیں ہے غزل سے اس کا تعلق بھی نہیں ہے۔ شاید کسی قصیدہ کا
 مطلع ہو تا شعاع شاعر نے اُس خط لکھا ہے جو غروب کے بعد دریا و طلوع ہے کچھ قبل (ایک خط
 ابیض آسمان پر دکھائی دیتا ہے) اہلِ رصد کی زبان میں اس کو قرنی الہمس کہتے ہیں،
 مطلب یہ ہے کہ شام کے وقت کھابہ فر کرنے کو آمادہ ہے اور آسمان ماہِ نو کو آغوشِ وداع کی
 صورت میں ظاہر کر کے رخصتی معاملہ کے لیے تیار ہو گا۔

۱۴۲ مطلب یہ ہے کہ معشوق کے قہقہے سے شمع کو سوزِ جاوڈا فی کا۔ آتشِ گل کو جو کہ چہرہِ معشوق میں
 شمع کے لیے آہِ حیات قرار دیا ہے کیونکہ شمع اُسی وقت تک نہ تہہ بھی
 جاتی ہے جب تک کہ وہ وشن ہو بھی ہوئی شمع کو شاعر شمع گشتہ کہتے ہیں ۱۴۳ شعاع کو

<p>جلوہ یزدی باد و بہر پشانی شمع شگفتگی ہر شہید گل خزانہ شمع</p>	<p>تیرے خیال سے روح اہراز کرتی ہو نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ</p>	
	<p>جلے ہو دیکھ کے بالین یا رہے مجھ کو نہ کیوں ہو دل پر مے داغ ہر گمانی شمع</p>	
	<h2>روایت</h2>	
<p>مجبوریات ملک ہے ای اختیار حیف ای ناتمامی نفس شکار بار حیف</p>	<p>۱۱۔ ہم بقیے نہیں کہتے وداع ہوش جلتا ہو دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے</p>	
<p>مخاطب کہہ کر کہتا ہو کہ اے شعلہ تیرے لرزے سے ظاہر ہوتا ہو کہ حسرت پر وار غم سے شمع ۱۰۔ اتواں ہو گئی ہو ۱۲۔ ۱۱۔ اہراز نہ جنبش سرور مطلب یہ ہو کہ مسطح ہوا کی جلوہ بینی سے شمع کو حرکت ہوئی ہو اسی طرح تیرے خیال سے روح جنبش سرور میں آجاتی ہو ۱۲۔ ۱۳۔ شہید :- عاشق گل خزانہ کی گل خزاں زدہ مطلب یہ ہو کہ غم عشق کا داغ جو خوشی سے باغ باغ ہو رہا ہو اس کی کیفیت بہار نہ پوچھ اس کی شگفتگی شمع کے خزاں زدہ دھوپ کی عاشق ہو یعنی فنا ہونے والی ہو ۱۴۔ ۱۵۔ ناتمامی :- ادھر رہا ہوا نفس شعلہ باز ہشتال حرارت پیدا کرنے والی آہ</p>		

رویت ک

کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
ورنہ ہوتا ہی جہاں میں کس قدر پیدا نمک
نالہ بلیل کا درد۔ اور خندہ گل کا نمک
گردِ ساحل پر بہ زخمِ موجِ دریا نمک
یاد کرتا ہی مجھے دیکھے ہو وہ جس کا نمک
دل طلب کرتا ہی زخم اوریا نکس میں اعضا نمک
زخمِ مثلِ خندہ قاتل ہے۔ ستر پانا نمک

زخم پر چھڑکس کہاں طفلان بے پروا نمک
گردِ راہِ یار۔ ہو سامانِ نازِ زخمِ دل
مجھ کو ارنانی ہے تجھ کو مبارک ہو جو
شورِ جلال تھا کنارِ بحر پر کس کا؟ کونج
داو دیتا ہو مرے زخمِ جگر کی واہ وا
چھوڑ کر جانا تنِ جھوٹے عاشق حیف ہے
غیر کی منت پھینچوں گا۔ پڑ تو فیر درد

۱۱
اے معشوق کے رستہ کی گرد ہاں سے زخمِ دل کے لیے شایانِ ناز ہو ورنہ دنیا میں نمک تو
بہت پیدا ہوتا ہی مطلب یہ ہے کہ نمک چاہے جس قدر زخمِ دل پر کیوں نہ چھڑکے
جائے لیکن اس میں وہ مزہ نہیں ملتا جو زخمِ دل میں "راہِ گردِ یار" نامے پھر جانے
سے ملتا ہے ۱۲

۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲
۶۴۳
۶۴۴
۶۴۵
۶۴۶
۶۴۷
۶۴۸
۶۴۹
۶۵۰
۶۵۱
۶۵۲
۶۵۳
۶۵۴
۶۵۵
۶۵۶
۶۵۷
۶۵۸
۶۵۹
۶۶۰
۶۶۱
۶۶۲
۶۶۳
۶۶۴
۶۶۵
۶۶۶
۶۶۷
۶۶۸
۶۶۹
۶۷۰
۶۷۱
۶۷۲
۶۷۳
۶۷۴
۶۷۵
۶۷۶
۶۷۷
۶۷۸
۶۷۹
۶۸۰
۶۸۱
۶۸۲
۶۸۳
۶۸۴
۶۸۵
۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰
۶۹۱
۶۹۲
۶۹۳
۶۹۴
۶۹۵
۶۹۶
۶۹۷
۶۹۸
۶۹۹
۷۰۰
۷۰۱
۷۰۲
۷۰۳
۷۰۴
۷۰۵
۷۰۶
۷۰۷
۷۰۸
۷۰۹
۷۱۰
۷۱۱
۷۱۲
۷۱۳
۷۱۴
۷۱۵
۷۱۶
۷۱۷
۷۱۸
۷۱۹
۷۲۰
۷۲۱
۷۲۲
۷۲۳
۷۲۴
۷۲۵
۷۲۶
۷۲۷
۷۲۸
۷۲۹
۷۳۰
۷۳۱
۷۳۲
۷۳۳
۷۳۴
۷۳۵
۷۳۶
۷۳۷
۷۳۸
۷۳۹
۷۴۰
۷۴۱
۷۴۲
۷۴۳
۷۴۴
۷۴۵
۷۴۶
۷۴۷
۷۴۸
۷۴۹
۷۵۰
۷۵۱
۷۵۲
۷۵۳
۷۵۴
۷۵۵
۷۵۶
۷۵۷
۷۵۸
۷۵۹
۷۶۰
۷۶۱
۷۶۲
۷۶۳
۷۶۴
۷۶۵
۷۶۶
۷۶۷
۷۶۸
۷۶۹
۷۷۰
۷۷۱
۷۷۲
۷۷۳
۷۷۴
۷۷۵
۷۷۶
۷۷۷
۷۷۸
۷۷۹
۷۸۰
۷۸۱
۷۸۲
۷۸۳
۷۸۴
۷۸۵
۷۸۶
۷۸۷
۷۸۸
۷۸۹
۷۹۰
۷۹۱
۷۹۲
۷۹۳
۷۹۴
۷۹۵
۷۹۶
۷۹۷
۷۹۸
۷۹۹
۸۰۰
۸۰۱
۸۰۲
۸۰۳
۸۰۴
۸۰۵
۸۰۶
۸۰۷
۸۰۸
۸۰۹
۸۱۰
۸۱۱
۸۱۲
۸۱۳
۸۱۴
۸۱۵
۸۱۶
۸۱۷
۸۱۸
۸۱۹
۸۲۰
۸۲۱
۸۲۲
۸۲۳
۸۲۴
۸۲۵
۸۲۶
۸۲۷
۸۲۸
۸۲۹
۸۳۰
۸۳۱
۸۳۲
۸۳۳
۸۳۴
۸۳۵
۸۳۶
۸۳۷
۸۳۸
۸۳۹
۸۴۰
۸۴۱
۸۴۲
۸۴۳
۸۴۴
۸۴۵
۸۴۶
۸۴۷
۸۴۸
۸۴۹
۸۵۰
۸۵۱
۸۵۲
۸۵۳
۸۵۴
۸۵۵
۸۵۶
۸۵۷
۸۵۸
۸۵۹
۸۶۰
۸۶۱
۸۶۲
۸۶۳
۸۶۴
۸۶۵
۸۶۶
۸۶۷
۸۶۸
۸۶۹
۸۷۰
۸۷۱
۸۷۲
۸۷۳
۸۷۴
۸۷۵
۸۷۶
۸۷۷
۸۷۸
۸۷۹
۸۸۰
۸۸۱
۸۸۲
۸۸۳
۸۸۴
۸۸۵
۸۸۶
۸۸۷
۸۸۸
۸۸۹
۸۹۰
۸۹۱
۸۹۲
۸۹۳
۸۹۴
۸۹۵
۸۹۶
۸۹۷
۸۹۸
۸۹۹
۹۰۰
۹۰۱
۹۰۲
۹۰۳
۹۰۴
۹۰۵
۹۰۶
۹۰۷
۹۰۸
۹۰۹
۹۱۰
۹۱۱
۹۱۲
۹۱۳
۹۱۴
۹۱۵
۹۱۶
۹۱۷
۹۱۸
۹۱۹
۹۲۰
۹۲۱
۹۲۲
۹۲۳
۹۲۴
۹۲۵
۹۲۶
۹۲۷
۹۲۸
۹۲۹
۹۳۰
۹۳۱
۹۳۲
۹۳۳
۹۳۴
۹۳۵
۹۳۶
۹۳۷
۹۳۸
۹۳۹
۹۴۰
۹۴۱
۹۴۲
۹۴۳
۹۴۴
۹۴۵
۹۴۶
۹۴۷
۹۴۸
۹۴۹
۹۵۰
۹۵۱
۹۵۲
۹۵۳
۹۵۴
۹۵۵
۹۵۶
۹۵۷
۹۵۸
۹۵۹
۹۶۰
۹۶۱
۹۶۲
۹۶۳
۹۶۴
۹۶۵
۹۶۶
۹۶۷
۹۶۸
۹۶۹
۹۷۰
۹۷۱
۹۷۲
۹۷۳
۹۷۴
۹۷۵
۹۷۶
۹۷۷
۹۷۸
۹۷۹
۹۸۰
۹۸۱
۹۸۲
۹۸۳
۹۸۴
۹۸۵
۹۸۶
۹۸۷
۹۸۸
۹۸۹
۹۹۰
۹۹۱
۹۹۲
۹۹۳
۹۹۴
۹۹۵
۹۹۶
۹۹۷
۹۹۸
۹۹۹
۱۰۰۰

یاد میں غالب تھے وہ دل کی وجہ سے
زخم سے گزرتا تو میں پلوں کے چننا تھا نہ کہ

آہ کو چاہیے ایک عمر اثر ہونے تک دام ہر موج میں ہر حلقہ قصد کام نہنگ عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے۔ لیکن بر تو غور سے ہو شبنم کو فنا کی تعلیم ایک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل	کون جیتا ہی تری زلف کے سر ہونے تک دیکھیں کیا گزیرے ہر قطرہ پہ گہر ہونے تک دل کا کیا رنگ کروشن جگر ہونے تک خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک گر می بزم ہو یک لقمہ شہر ہونے تک
--	---

۱۔ اس شعر میں مصنف نے مشکل اور غالب کو دو شخص فرض کیا ہے مشکل غالب سے کہتا ہے کہ اگر میری
حالت یہ تھی کہ میں اس تک کہ جو زخموں سے گزرتا تھا قطرہ ذوق میں اپنے پلوں کے چنا کرتا تھا اور
تو اس حالت کو دیکھتا تھا۔ تھے وہ حالت یاد ہو یا نہیں مولا تا طباطبا فی کا خیال غالب
اس خیال کی طرف متوجہ نہیں ہوا اس لیے محفوں نے اس شعر کے مضمون اول میں مجھے کے
لفظ کو غلط بتایا اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے کی جگہ مجھے ہونا چاہیے۔ اس قسم کے استعمال کی
مثالیں اور شعرا کے یہاں بھی ملتی ہیں مثلاً مصحفی فرماتے ہیں سہ مصحفی ہم تو یہ
مجھے تھے کہ ہو گا کوئی زخم بد تیرے سینے میں بہت کام زخم کا نکلا ۱۲
۲۔ دل کا کیا رنگ کروں: دل کے سنبھالنے کے لیے کیا تدبیر کروں ۱۳
۳۔ معشوق کی نظر عنایت کو آفتاب کے فلس سے تشبیہ دی ہے ۱۴۔
۴۔ اس شعر میں انسان کو غافل کہہ کر مخاطب کیا ۱۵۔ ۱۶۔ غافل ۱۷۔

عم ہستی کا آئینہ کس سے ہو جز مرگ علاج
سمجھ ہر رنگ میں جلتی ہو سحر ہونے تک

روایت گ

گر تجھ کو ہو یقین اجابت دعا نہ مانگ
آنا ہو داغ حسرتِ دل کا شمار یاد
یعنی بغیر کیٹل بے دعا نہ مانگ
مجھ سے مے گنہ کا حساب لے خدا نہ مانگ

۱۵ اس شعر میں انسان کی زندگی کو شمع سے تشبیہ دی ہو ۱۲
۱۵ بغیر کے معنی یہاں سوا کہیں طلب یہ ہو کہ دل بے دعا کے سوا تو کسی اور جز کے
حاصل ہونے کی دعا نہ مانگ یعنی جب دل بے دعا ملنے کی دعا قبول ہو جائیگی
اور وہ تجھے مل جائیگا تو دعا مانگنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی ۱۲
۱۵ اس شعر میں نہایت شوخی سے شاعر خدا سے کہتا ہو کہ گناہوں کا حساب
کیونکر دوں کیونکہ وہ شمار میں اس قدر زیادہ ہیں کہ جب ان کو شمار کرتا ہوں
تو مجھے اپنے دل کے ذریعہ آجاتے ہیں جو شمار میں اسی قدر ہیں جس قدر میرے
گناہ ہیں گناہوں اور دعاؤں کی گنتی میں برابر سے یہ ظاہر کیا ہو کہ
جب میں گناہ کیا تو بوجہ عادم استطاعت اس کی تکمیل نہ کر سکا۔ اس لیے
ہر گناہ کے ساتھ حسرت کا داغ بھی دل پر لگتا رہا ۱۲

روایت

ہو کس قدر ہلاک فریب و فائے گل ۱۰
آداوی نسیم مبارک! کہ ہر طرف
ہو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں گیا
خوش حال اس حریف سہ مست کا جو
ایجا کرتی ہوا سے تیرے لیے بہار
شیر مندہ رکھتے ہیں مجھے باوہار سے
سطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی
تیرے ہی جلوہ کا ہی یہ دھوکا کہ آج تک

بلبل کے کاروبار پہیں خندہ گل
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دام ہوائے گل
ایوا کی نالہ لب خونیں نوائے گل
رکھتا ہو مثل سایہ گل۔ سر پہ پائے گل
میرا قریب ہی نفس عطرسائے گل
ینائے بے شراب۔ و۔ طبع ہوائے گل
خوں ہی مری نگاہ میں نگاہ کئے گل
بے اختیار دوڑے ہم گل در فائے گل

بلبل جو فائے گل کی فریب کا کشتہ ہوا اس کی اس حماقت و سادگی پر خود پھیل خندہ زنی
کہ اس نے خوب دھوکا کھایا ۱۱

۱۲ ہوائے گل، شوق گل مطلب یہ ہے کہ غیور کے دام میں جو بسے گل مقبلی گل کے کھل جانے
سے شوق گل کا دام شکستہ ہو گیا یعنی جو بے گل آزاد ہو گئی ۱۳

۱۴ مطلب یہ ہے کہ گل کا رنگ و حقیقت تو اسے خوش اور نالہ و غول چکاں ہی شخص اس موج
رنگ کا دھوکہ کھا کر فریفتہ ہو گیا ۱۵

۱۶ سایہ گل سے عاشق سب سہست او گل سے معشوق مراد۔ جو سب شب ظاہر ہو ۱۷

۱۸ سطوت۔ رعیت۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے حسن غیرت مدد کے رعیت سے گل کی ادا کا
رنگ میری نگاہ میں خون نظر آتا ہے یعنی بھلا نہیں معلوم ہوتا ۱۹

عالم ہے۔ مجھے تو اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہی گل جیب قبا سے گل

روایت م

غم نہیں ہوتا ہو آرزووں کو پیش ازیکس
مخفایں برہم کر سہم و گنجہ باز خیال
یا وجہ و یک جہاں ہر نگاہ پہ پائی نہیں
ضعف سے روئی قناعت کی ترک جستجو

برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
ہیں برق گردانی نیزنگ یک بت خانہ ہم
ہیں چراغان شہستان دل پروانہ ہم
ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

دایم الجس میں ہیں لاکھوں تنائیں
جانتے ہیں سینہ پڑھوں کو زنداں خانہ ہم

اس سے ہم آغوشی آرزو:۔ غالب نے اپنے ذائق طبع کے مطابق فارسی محاورہ اور ڈال دیا
ہم آغوشی دارم کا ترجمہ کیا ہو یعنی اس سے ہم آغوشی کی آرزو ہو جس کے خیال کو گل نے اپنا رنیت
گل بیان بنایا ہے۔ ۱۲۔

۱۳۔ خیال کا مخفایں کو برہم کرنا: جو مخفایں برہم ہو گئی ہیں ان کی برہمی کی یاد کو تازہ کرنا ہم ورق
گردانی نیزنگ بہت خانہ ہیں یعنی ورق گردانندہ نیزنگ بہت خانہ ہیں ۱۴۔

۱۵۔ ہم نے جستجو ترک کر دی: یہ قناعت کی بنا پر نہیں ہو بلکہ ہم میں جستجو کی طاقت ہی نہیں ہے
اس لیے ہم تکیہ گاہ ہمت مردان کے لیے وبال بن گئے یعنی مردوں کا یہ کام ہو کہ ہمت کو
اپنا بھینٹا گا جیتا نہیں لیکن یہاں پر معاملہ بالعکس ہے ۱۶۔

۸۰ متاع خانہ زنجیر جو صد اسم	۸۱ حاصل و بستی فراہم کر
۸۱ رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم رکھ لیجو میرے دعویٰ و بستی کی شرم	۸۲ مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور وہ حلقہ ہائے زلف کہیں ہیں یا خدا
رولف ن	
لوں۔ دام بخت خنتہ سے۔ یک خواب بخش دے غالب۔ یہ خوف ہو کہ کہاں سے ادا کروں	
۸۳ وہ شب و روز تازہ و سال کہاں؟	۸۴ وہ فراق اور وہ وصال کہاں؟
<p>۱۔ اس شعر میں اگر ہر کی جگہ گن رکھ دیا جائے تو بالکل فارسی شعر ہو جائے گا۔ ترجمہ یہ ہو نامے سے حاصل و بستی اپنے قابو میں لاؤ۔ نہ خانہ زنجیر میں بجز شور کے اور کیا رکھا ہو۔ شاعر نے بستی کو زنجیر سے تشبیہ دی ہے وہ کہتا ہے کہ جس طرح خانہ زنجیر میں بجز جھنکار کے اور کوئی سامان نہیں ہوتا اسی طرح تعاقب خاطر کا حاصل بھی صرف نالہ ہی نالہ ہی غصہ ہی ہے کہ انسان جب دل گرفتہ ہوتا ہے تو اس کے دل کی بھر اس صرف نالہ کر نے ہی سے نکل سکتی ہے۔ ۲۔ ۳۔ اس شعر میں بڑے لطیف پیرایہ ہیں اہل وطن کی شکایت کی ہے۔ کہا ہے کہ اگر میں وطن میں رہتا تو چو نکا اہل وطن میں سیرا کوئی نہ ہوتا اور غمخوار نہ تھا اس لیے میرا مردہ بے گور و کفن پڑا رہتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں پرولیس میں مرا اور وہاں جو کچھ گزری اس سے کون جانتا ہو۔ ۱۲۔</p>	

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟ دل تو دل۔ وہ دماغ بھی نہ رہا تھی وہ اک شخص کے تصور سے ایسا آساں نہیں۔ ہو روتا ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق فکر دنیا میں سرکھپاتا ہوں	ذوقِ نظارہ چمال کہاں؟ شورِ سوداے خط و خال کہاں؟ اب وہ رعنائی خیاں کہاں؟ دل میں طاقت۔ جگر میں حال کہاں؟ واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں؟ میں کہاں؟ اور یہ وبال کہاں؟
--	--

مضحل ہو گئے قوی غالب
وہ عناصر ہیں اعتدال کہاں؟

کی وقایہ سے تو غیر اس کو جانتے ہیں آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ دل میں آجائے ہو۔ ہوتی ہو جو فرصتیں ہو پیسے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود	ہوتی آتی ہو کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں کہنے جاتے تو ہیں۔ پڑیکھے کیا کہتے ہیں جوئی و نعمہ کو اند وہ رہا کہتے ہیں اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں قبائے کو۔ اہل نظر قبلہ منسا کہتے ہیں
---	--

لہ شاعر نے اس شعر میں ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کعبہ کو
پوجتے ہیں شاعر نے بتایا ہے کہ ہمارا مسجود ادراک کی سرحد سے بھی آدھرا ہی یعنی کعبہ کو
(جو نہ صرف قوتِ مادہ سے محسوس ہوتا ہے بلکہ قوتِ باصرہ بھی اس کا احساس کرتی ہے کیونکہ
وہ پتھر و عثرہ کی ایک نمبر ہے) ہم سجدہ نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے معبود حقیقی یعنی خدا کے لیے
وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ سجدے کے لیے ہر وقت ضروری ہے اس لیے

یائے افکار پہ جب کھئے رسم آباہی	خار و رہ کو ترے ہم ہر گیا کہتے ہیں
اک شریوں میں ہو اس کوئی گناہ کیا	آگ مطالبہ ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
دیکھیے لاتی ہو اس شمع کی نوحہ کیا رنگ	اس کی ہر بات پہ ہم تمام خدا کہتے ہیں

وحشت و شیفۃ۔ اب مرثیہ کہیں شاید
مر گیا غالب آشفۃ نو کہتے ہیں

آبرو کیا خاک۔ اس گل کی گکشن میں نہیں
ہو گریاں ننگ پیرا ہن جو دامن میں نہیں

جہت کعبہ کو چین کر لیا۔ اسی سول پر فقہ کا مسئلہ ہو گا اگر سفر میں کسی کو کعبہ کی سمت معلوم نہ ہو
وہ شخص جس سمت کو منہ کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہو کہ سمت
وہ اصل قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہو ۱۲۔

لے ہر گیا۔ ایک قسم کی بونی جو جس کی جڑ شکل انسان ہوتی ہو مشہور ہو کہ لوگ اس کو بطور
عمل تخر اپنے پاس رکھتے ہیں جس کے پاس یہ بونی ہوتی ہو اس پر لوگ مہربان ہوتے ہیں ۱۳
نکہ فلسفہ جدید کا مسئلہ دوران خون جواب ثابت ہوا ہو اس شعر میں منظم کیا گیا ہو۔ اس سے
غالب کے فلسفیانہ انداز کا ثبوت ملتا ہو شر سے مراد روح حیوانی ہو جو انسان میں موجود ہے
وہ کتا ہو کہ روح کی حرارت سے انسان کو سانس لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ
ہر سانس میں ہوا سے روح کو مشغول کرنا مطالبہ ہو ۱۴

نکہ غلام علی خاں وحشت نامہ پند مومن اور نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ غالب کے دوستوں میں تھے
نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ صاحب انداز و گکشن۔ بنجار مشہور شعرا و میں گزے ہیں شیفۃ
کا دیوان مع سوانح عمری مرتبہ نظامی بدایونی ۱۹۱۵ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکا

خدمت سے اے گر یہ کچھ باقی سر سے تن میں نہیں
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو غول کہ دامن میں نہیں
 ہو گئے ہیں جمع اجڑے نگاہ آفتاب
 دڑتے اس کے گھر کی دیواروں کے رونق نہیں
 کیا کہوں تاریکی زندانِ غم اندھیر ہی
 ہنسیہ۔ نور صبح سے کم جس کے رونق میں نہیں
 رونق ہستی ہے۔ عشق۔ خانہ ویراں ساز سے
 انجمن بے شمع ہو۔ گر برقِ خرمین میں نہیں
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جولی کا ہوا طعن
 غیر سمجھا ہی کہ لذتِ زخیم سوزن میں نہیں
 بس کہ ہیں ہسم اک بہاؤ کے مارے ہوئے
 جلوہ گل کے سوا اگر اپنے مدفن میں نہیں

لہذا فیضِ تمام دنیا میں جو کچھ بھی ہو وہ سب عشق و محبت کے طفیل سے ہے۔ عشق و محبت
 سے یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی معشوق مجازی کی محبت ہو بلکہ دن و فرد نر مال و دولت
 ملک و مامت سب پر جاویں۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر خرمین میں برقِ یلینی دل میں محبت
 نہیں تو اس کی مثال اس مجلس کو ہی جس میں شمع نہ ہو ۱۲

قطرہ قطرہ اک بیوٹی ہوئے تانا سور کا
 خوں بھی ذوقِ دروسے فارغ مئے تن میں نہیں
 لئے گئی ساقی کی تھوٹِ قازمِ آشامی مری
 موجِ موی کی۔ آج رگ۔ مینا کی گردن میں نہیں
 ہونشا رضعف میں۔ کیا ناتوانی کی نمود؟
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرتے تن نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قایم
 بے تکلف ہوں وہ مشیتِ خس۔ کہ گلخن میں غم

عمر کے مدح ناز کے باہر نہ آسکا ۷۶ اگر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کوں

۱۔ بیوٹی اس اودہ کو کہتے ہیں جو مختلف صورتوں میں تبدیل ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ شعر کا مطلب
 یہ ہے کہ میرے ہو کا ہر قطرہ جد پدنا سور کی صورت پیدا کر لیا ہے یعنی جس جگہ بدن میں ہو کی ہونہ کوئی
 جگہ ناسور پیدا ہو جائیگا۔ گو یا میرے خوں کے ہر قطرہ میں ذوقِ درد و موجود ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ
 ایک نیا ناسور بن جانا چاہتا ہو۔
 ۲۔ چونکہ پہلے مصرعہ میں غم و تنہا کا ذکر ہے اس لیے اس کی رعایت گردن میں موجِ موی کی رگ لگایا ہے
 کیونکہ غم و کورگ گردن کی تعبیر کیا جاتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میری بانو شہی نے ساقی کا غم و رشتہ یاد اور
 مینا کی گردن میں موجِ موی کی رگ نہ ہی سببِ شیشے خالی ہو گئے۔
 ۳۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے کو مشیتِ خس سے اور وطن کو گلخن سے تشبیہ دی ہے وہ کہتا
 کہ مشیتِ خس یعنی بھوس جب گلخن میں ہوتا ہو تو جلتا ہو اور اس کی باہر اس کی کچھ قدر نہیں
 ہوتی یہی حال میرا ہے کہ وطن میں تھا تو جلتا تھا اور اب یہیں میں ہوں تو بے قدر ہو چکا ہوں۔ یاد دلا رہا ہے

<p>ہزار زلف کوکہ سر سر سا کہوں تو اور ایک نہ شنیدن کہ کیا کہوں ہو ہی۔ خدائے کر وہ مجھے بے وفا کہوں</p>	<p>حلقے ہیں حیم ہائے کشادہ سوئے دل میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش ظالم مے گماں سے مجھ منقلب نہ چاہ</p>
<p>میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر بھی نہ سکوں بات کچھ سرتو نہیں ہو کہ کٹھا بھی نہ سکوں کیا قسم ہو ترے لئے کی کہ کٹھا بھی نہ سکوں</p>	<p>مہرباں ہو کے بلاو مجھے جا ہو جس وقت ضعف میں طبع اغیار کا شکوہ کیا ہو؟ نہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستم گر۔ ورنہ</p>
<p>ورنہ ہم چھڑیں گے رکھ کر غنہ ہستی ایک دن اس بندی کے نصیبوں میں ہستی ایک دن ننگ لائے گی ہماری ناقہ ہستی ایک دن بے صبا ہو جائیگا ساز ہستی ایک دن</p>	<p>ہم سے کھل جاؤ وقت و پستی ایک دن غورہ اور ج بنائے عالم امکاں نہ ہو قرض کی پیٹتے تھے ولیکن سمجھتے تھے کہ ہاں نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے</p>
<p>دھول دھپا اس سرایا ناز کا شیوہ میں ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش وستی ایک دن</p>	
<p>اک چھڑی و گرنہ مراد امتیاز نہیں چوسش ہو اور پائے سخن درمیان نہیں تا مہرباں نہیں ہی۔ اگر مہرباں نہیں</p>	<p>ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز</p>

<p>آخڑ ہاں تو رکھتے ہو۔ تم گرد ہاں نہیں</p>	<p>بوسہ نہیں۔ نہ دیکھیے۔ دشنام ہی سی</p>
<p>ہر چند پشت گری تاب تو ان نہیں لب۔ پردہ شیخ زمزمہ الا ان نہیں دل میں چھری چھو۔ تڑکے خوش گمان نہیں ہو عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں سو گرز میں کے بدلے بیاباں گان نہیں گویا جہیں پچھڑے ہمت کا نشان نہیں روح القدس اگرچہ مرا ہم تباں نہیں</p>	<p>ق ہر چند۔ جاں گداز ہی قہر و عتاب ہو جاں بے طرب ترانہ ہل من مزید ہو خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دویم ہو شگاب سینہ۔ دل اگر آتش کہ نہ ہو نقصاں نہیں جنوں میں۔ بلا ہی ہو گھر خراب کہتے ہو کیا لکھا ہو تری سر نوشت پاتا ہوں اس سے واد کچھ اپنے سخن کی میں</p>
<p>جاں ہی بہائے بوسہ دے کیوں کہے ابھی؟ غالب کو جانتا ہو کہ وہ نیم جاں نہیں</p>	
<p>اس شعر اپنے بعد والے شعر کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں مطلب یہ ہر چند مشوق کا قہر جاں گداز ہو اور ہمدردی تاب طاقت نے جواب دیا ہو یعنی ہم اس کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی ہم اس کے قہر سے ڈلا مان نہیں پکا رتے۔ بلکہ جان دار کا یہی سوال ہو کہ اور کوئی ظلم کربانی رہ گیا ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں ۱۲ ۱۳ آذر فشاں۔ آتش فشاں ۱۴ ۱۵ اس شعر میں ہم زبان کے لفظ میں ایہام ہو بیٹھا ہو یا ہم زبان نہیں اس کے معنی ہیں کہ انسان اور مشیت کی زبان ایک نہیں ہو سکتی۔ لیکن شاعر کا اصلی مطلب یہ ہے کہ روح القدس کی زبان ایسی فصیح نہیں جیسی میری زبان ہو ۱۲</p>	

<p>ایک چکر پر مے پاؤں ہیں بھر نہیں جادہ غیر از نگہ دیدہ تصویر۔ نہیں جادہ راہ و قاجر و مہم شمشیر نہیں غوش ہوں۔ گزرا لہ زبونی کش تاثیر نہیں لذت سنگ۔ بہ اندازہ تقریر نہیں کوئی تقصیر بجز خلوت تقصیر نہیں</p>	<p>۹۰۔ باغ و شربت خوردی کوئی تدبیر نہیں شوق اس شربت میں ڈرائے ہو مجھ کو کہ جہاں حسرت لذت آزاد رہی جاتی ہو برنج و میدی جادویدہ گوارا رہتو سرخیاں تار جہاں زخم سراچھا ہو جائے جب کرم خصرت بے باکی و گستاخی دے</p>
--	---

قالب۔ اپنا یہ عقیدہ ہی۔ بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہو۔ جو معتقد میر نہیں

لہ شوق۔ مجھے اس جگہ میں یہ جانا ہو جہاں ہیرت کے سوا کوئی راہ نہیں۔ یعنی
وادہی عرفان میں پہنچ کر ہر شخص کو ہیرت ہو جانا ہو ۱۲
لہ شاعر حسرت شمعے ساتھ کہتا ہو کہ راہ و فنا کا جادہ تاوار کی باطلہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو
یعنی وفائے قتل ہو جانے کے سوا دوسری راہ شعلہ منقصور پر پہنچنے کی نہیں ہو۔ اور
جب عاشق قتل ہو جانا ہو تو لذت آزاد کی حسرت رہ جاتی ہو ۱۲۔
لہ زبوں بالفتح ذابہ معنی عاجز و ضعیف ترکی زبان میں زشت و ہر کہہ جتے ہیں۔ اس شعر
میں اتمام وجہ کی ہیرت کا اظہار کیا گیا ہو۔ شاعر کہتا ہو کہ اسے ہمیشہ کی یاس و ناامیدی
ہی روزی رہے وہ اپنے مالہ کے بے اثر ہونے سے غوش ہو یعنی شاعر فریاد کو اثر نصیب
ہونا اپنی دولت بگھٹا ہو ۱۲

لہ جمال۔ جس وقت۔ مطلب یہ ہو کہ جس وقت زخم سراچھا ہو جانا ہو سر کھانے لگنا ہو
یعنی خواہش ہوتی ہو کہ پھر پھر لگیں۔ پتھروں کی بوٹ میں جو لطف آتا ہو وہ بیان کیا ہو
۱۲۔ جب کرم یار گستاخی کی اجازت دے تو اس وقت جھجک بھی بہت بڑا قصور ہو ۱۲۔

<p>۹۱ میں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں</p>	<p>مست در و یک دیدہ میں تجھ کو نگاہیں</p>
<p>۹۲ کھل گئی مانند گل سو جا دیو اربابین سرور ہو باوصف آنا دی گزشتہ چین</p>	<p>۹۲ برشکالی دیدہ عاشق ہی دیکھا چاہیے اکھٹ گل سے غلط ہی دعویٰ راستگی</p>
<p>۹۳ جاں سپاری شجر بید نہیں جام می خاتم جمشید نہیں قدہ بے بہرہ خورشید نہیں ورنہ مرجانے میں کچھ بھید نہیں غم محرومی جاوید نہیں ہم کو جینے کی بھی امید نہیں</p>	<p>۹۳ عشق تاثیر سے لومید نہیں سلطنت دست بدست آئی ہی ہی تجلی تری سامان وجود راہ معشوق نہ رسوا ہو جائے گردش رنگ طرب سے ڈر ہو کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ</p>
<p>۱۱ جس طرح آنکھ میں تل ہوتا ہی اسی طرح دل میں ایک نقطہ ہوتا ہو اس کو سویدہ کہتے ہیں دل چشم یعنی وسط چشم ۱۲ ۱۱ سلطنت سے جاہ شہزادہ کی سلطنت مراد ہی جو جمشید سے زندوں تک دست بدست پہنچی ہو وہ جمشید کی انگوٹھی نہیں ہو جو اس کی ذات پر ختم ہو جائے ۱۲ ۱۱ شاعر خدو بند عالم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تیری ذات کی جاوہ گری باعث وجود عالم ہی جیسے طلوع خورشید ذمہ وں کے لیے باعث ظهور ہو ۱۲ ۱۱ اس شعر میں "کچھ بھید نہیں" کچھ برائی نہیں کی جگہ کہ نہ حال ہو ۱۲ ۱۱ اس شعر میں "چھ کو" مخدوہ ہے مطلب یہ کہ خوشی حاصل ہونے کے بعد اس کا حال ایسا جانکا ہو کہ اس سے محرومی جاوید بہتر ہو ۱۲</p>	

<p>۹۵ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں سوہا میں سیر ارم دیکھتے ہیں قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں تختے کس تختے سے ہم دیکھتے ہیں کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں</p>	<p>جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں دل ہاشموں کا خال گنج دہن کے تیرے سرو قامت سے اک قدم تماشہ کر ای محو آئینہ داری سراغ تفت نالہ لے داغ دل سے</p>
<p>بنا کر فیروں کا ہم بھیس غالب تماشے اہل کرم دیکھتے ہیں :</p>	
<p>۹۵ کافر ہوں گرنے ملتی ہو راحت عذاب میں</p>	<p>ملتی ہو غمے یار سے نارالہ تاب میں</p>
<p>۱۱ خیاباں خیاباں معنی کثرت ۱۲ یہ شعر غالب کے زمان اشعار میں ہے جس کی نسبت کہا گیا ہو کہ ان میں معنی کے دو پہلو رکھے گئے ہیں۔ اس شعر کے ایک معنی تو یہ ظاہر ہیں کہ تیرے سرو قامت سے فتنہ قیامت ٹھٹھاٹھا ہو دوسرے معنی میں کہ تیرا سرو قامت فتنہ قیامت میں سے بنایا گیا ہو۔ اس لیے وہ ایک قدم ارم کم ہو گیا ہو ۱۳ تماشہ کر۔ تماشہ کن کا اردو ترجمہ ہے یعنی دیکھ ایک قدیم نسخے میں "تماشہ کو بھی لکھا ہو۔ اس میں بھی مطلب یہی رہتا ہو ۱۴ تفت نالہ۔ نالہ کی گری۔ شب رو۔ شب چونکہ نالہ کشی نالتا ہو ا کرتی ہو اس لیے نالہ کو روز و شب قرار دیا ہو شاعر کہتا ہو کہ جس طرح صبح کو نقش قدم دیکھ کر چور کھانے جانے کا پتا چلتا ہو۔ اسی طرح تو داغ دل سے نالہ شب کی گری کا سراغ لگائے ۱۵ ۱۵ انتہا بہ شعلہ کا بھڑکنا ۱۶</p>	

<p>شبائے ہجر کو بھی رکھوں گے حساب میں آنے کا عہد کر گئے۔ آئے جو خواب میں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں ساتی نے کچھ ملا دیا ہو شہر آب میں کیوں ہر گماں ہوں۔ دوست کے ہونے میں والا ہونے کو وہم نے کس پہنچ تاب میں جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں ہو اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں</p>	<p>کبتے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں تا پھر نہ انتظار میں زندگے عمر بھر قاصد کے آتے آتے خط اک لکھ لکھوں مجھ تک کُن کی بزم میں تا تھا دو چار جو منکر دنا ہو فریب اس پہ کیا چلے؟ میں مضطرب و وصل میں خوف قریبے میں اور خط و وصل۔ خدا سا نہ بات ہو ہو تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے لاکھوں لگاؤ ایک چڑا تا نگاہ کا وہ مالہ دل میں جس کے برابر جگر نہ پائے</p>
---	--

یہ اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے اس طرح لکھا ہے: "خضر عمر فروز بہت عاشقِ بازاں
اگر نہ عمر شمار نہ نہ ہو بھال را۔ اس شعر میں عمر خضر کا حوالہ دیکر فارسی شاعر نے عاشقوں کی عمر کو
میں دیکر دیا ہو لیکن غالب نے "کب سے ہوں کیا بتاؤں" کے کڑے سے شعر کو مرتب
کر کے اس مضمون کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں ادا کیا ہے ۱۲

طلبِ مطالب یہ ہو کہ معشوق متکروفا ہو یعنی اس کو کسی کی دعا کا یقین نہیں ہے اس لیے تیری
پہد گمانی فضول ہو کہ کہیں اس پر رقیب کے اظہارِ وفا داری کا فریب نہ چل گیا ہو۔ مصرعہ
شامی میں دوست سے معشوق اور دشمن سے رقیب کی طرف اشارہ ۱۳
طلبِ معشوق کے وہم سے مراد ہو کہ چل میں عاشق کی بے چینی سے معشوق کو یہ خیال پیدا
ہوا ہو کہ اس کو کسی دوسرے حسین کے خیال نے اس وقت مضطرب کیا ہو پہلے مصرعہ
میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے ۱۴

وہ سحر! عاظمیٰ میں نہ کام آئے	جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں
	<p>غالب چھٹی شراب زہر لب بھی کبھی کبھی پتیا ہول روزِ ابر و شبِ ماہِ تاب میں</p>
<p>کل کے لیے کر آج نہ غمتِ شراب میں ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی پسند جائ کیوں نکلتے گنتی توں سے دمِ سماع؟ تو میں ہو خوشِ عمر کہاں دیکھیے تمھے</p>	<p>یہ سو وطن ہو ساقی کوثر کے باب میں گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں گروہ صدِ اسمانی ہو چٹاٹ باب میں نہ ہاتھ باگ پہرہ نہ پا ہو بکاب میں</p>
<p>۱۔ اس شعر میں استفہام سے شاعر کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ اس سوال کا جواب دیا جائے بلکہ سامع کی تنبیہ مقصود ہو۔ اشارہ ہو حضرت آدم کے اس مشہور قصہ کی طرف کہ عزرا کی فرشتہ کو حکم ہوا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرے لیکن تعمیل حکم نہ کرنے کے سبب وہ زندہ درگاہ ہو گیا۔ مطلب یہ ہو کہ کل تو حضرت آدم کی درگاہ آباد ہی میں پر غمت و توقیر تھی اور آج انھیں کی اولاد دنیا میں آکر اپنے ہی ہاتھ سے ذلیل ہو گئی ۱۲۔</p> <p>۲۔ سماع و سماعیہ: یعنی سننا اور سطلح صوفیہ کے کلام میں معروف ہے، الٹی لے اشعار سننے کو کہتے ہیں جو سن آوازی کے ساتھ گائے جائیں۔ اس شعر میں استفہام سے صرف استفہام مقصود ہو۔ وہ صد: اشارہ ہو شاعرِ حق کی ص: اکی طرف نشا عرکتا ہو کہ شاہِ حق کی صدا تو جاں بحق ہو پھر اس کا یہ اُلسا، لڑکیوں ہو اس کو سن کر سامعین کی جان فنا ہو جاتی ہو۔ اہل ذوق کو جو بطنِ سماع سے قائل ہوتا ہو اس شعر میں اس کا اظہار کیا گیا ہو ۱۳۔</p>	

<p>جتنا کہ وہم غیر سے ہوں تیج و تاب میں جیراں ہوں پھر مشاہدہ ہو کس حساب میں یاں کیا دھرا ہو قطرہ و موج و حباب میں ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں میں حجاب میں پیش نظر ہو آئینہ دائم نقاب میں ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے میں خواب میں</p>	<p>انہی ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہو اصل شہود و شاہد و مشہود و ایک ہو مستقل نمود و صورت پر وجود بحر شرم ایک دانے ناز ہو اپنے ہی سو ہی آراکش جمال سے قانع نہیں بنو ہو غیب غیب جس کو سمجھنے ہیں ہم شہود</p>
--	---

۱۔ شاعر کہتا ہے کہ جس قدر ماسو کے وہم سے میں تیج و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت سے بُد ہو غیر سے مراد ماسو اپنے اٹھ ہو جو صوفیہ کے نزدیک معبود مہم ہے۔
۲۔ شاہدہ شاہدہ شاہدہ مشہود کے وجود کو غایبہ علیحدہ چاہتا ہو اور رہتا
جب تمام عالم پر وجود محدود ہو تو شاہدہ مشہود ایک ہی ہوئے یعنی جب شاہدہ مشہود میں متاثر نہ ہیں تو پھر مشاہدہ کس طرح ہو سکتا ہو ۱۱

۳۔ شرم ان کی ایک ادھوا ہو کچھ نہیں تو اپنے نفس ہی سے شرم کرتے لیکن باوجود پر شرم رہنے کے وہ اپنے سے نہیں شرم لے جاتا کہ شرم کے یعنی ہیں کہ خود اپنی ذات کو بھی عیاں کرتے ہو شاعر کہتا ہو کہ باوجود نقاب میں رہنے کے تم اس کا مشق مصروف آراکش جمال ہے اور یہ فضول ہے کیونکہ آراکش کا مقصد تو یہ ہے کہ عشاق اس کو دیکھیں ۱۲۔

۴۔ جس طرح اس غزل کے اکثر اشعار معرفت میں شہید ہوئے ہیں اسی طرح اس شعر میں بھی تصوف کا ایک اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہو مولانا حالی نے باوجود غالب میں اس شعر کا جو حل لکھا ہو وہ یہ ہے کہ سب کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق قرار دے گا اور اس کو مشہود کہتے ہیں اور غیب کہتے ہیں مراد قرینہ احادیث ذات ہو جو عقل و ادراک و بصیرت و بارالہ ہو شاعر کہتا ہو کہ جس کو ہم مشہود سمجھتے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیبی غیب ہو اور اس کو غافل سے مشہود سمجھتے ہیں۔
۵۔ ہمارا ہی اسی مثال ہو جیسے کہ کوئی خواب میں دیکھے کہ جاگتا ہوں پس گو وہ اپنے کو بیدار سمجھتا ہو مگر فی الحقیقت وہ ہنوز خواب میں ہو ۱۳۔

غالب - ندیم دوست سے آتی ہوئے دوست
مشغول حق ہوں - بندگی بوتراسب میں

جیراں ہوں، دل کوڑوں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہھر کو میں
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
ایک کاش! جانشانہ ترے رہ گزر کو میں
ہو کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
لو۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ "بے ننگ و نام ہو"
یہ جانتا اگر۔ تو لٹاتا نہ گھر کو میں

۱۱ اس شعر میں نوحہ گر سے غالب کی مراد شجورہ دار مہرور بیٹے سے ہو جو اجرت پر ماتم
کرے ۱۲۔
۱۳ مطلب یہ ہو کہ معشوق جس کی خاطر میں بے سرو سامان ہوا مجھے طعنہ دیتا ہو اگر
میں ایسا جانتا تو میں اپنے کوتاہ و برباد نہ کرتا ۱۴

چلتا ہوں تھوڑی دیر ایک تیز رو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
 کیا پوجتا ہوں اُس بے ہدایت گرو کو میں
 پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کو کسے یار
 جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں
 اپنے پکرے ہا ہوں قیاس اہل دہسہ کا
 سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندر تازہ
 دیکھوں علی ہسارِ عالی گھر کو میں

اس شعر میں ایک پریشان حال مسافر کی جو رہت بھولا ہوا ہو تصویر کشی کی ہے گھر چھوٹے
 ہوئے ابھی تیار وہ مدت نہیں گزری۔ دشتِ غربت میں ہاویہ پیمانی کی منزل میں گھٹن معلوم
 ہوتی ہیں اس لیے جو تیز رو شخص ملتا ہو اس کے ساتھ ہو لیتا ہو تاکہ منزل مقصود پر جلد
 پہنچے اور سفر کی تکلیف کا خاتمہ ہو۔ مصرعہ ثانی میں "ابھی" کے لفظ سے شاعر کو یہ کہنا
 مقصود ہے کہ ابھی اس دشت میں قدم رکھے ہوئے تھوڑی سی مدت گزری ہو اور
 اس لیے اُسے رہبر کے صحیح انتخاب کی قابلیت حاصل نہیں ہوئی اور جیسے تیز رو دیکھتا ہے
 اسی کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ ۱۲۵۱۔

ذکر میرا۔ یہی بھی اُسے منظور نہیں
 دہرہ سیر گلستاں ہو خوشاطلاع شوقا
 شاہد ہستی مطلق کی کمراد عالم
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہو دیباچہ
 جسے تیرے ذوق خرابی کے طوائف نے
 ظلم کر ظلم۔ اگر مطلق درینے آتا ہو
 میں جو آتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں
 عاف نہ دی کش پکانہ جم ہیں ہم لوگ

۹۰ غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
 شروہ قتل مقدر ہو جو مذکور نہیں
 لوگ کہتے ہیں کہ ہر پرہیزگار نہیں
 ہم کو تعلیم رنگ ظریفی منصور نہیں
 عشق پر عربہ کی گوں تن رنجور نہیں
 تو غافل میں کسی رنگ کے مخدو نہیں
 کس عورت کے وہ کہتے ہیں کہ ہم عورت نہیں
 والے وہ باد کہ افشردہ انگور نہیں

ہیں خطوری کے مقابل میں خفائی غالب
 میرے دعویٰ پر چھتہ ہو کہ مشہور نہیں

لحنہ شعراں شعروں میں ہو جس کو لوگ بے معنی کہتے ہیں۔ ایک شارح نے اس شعر کو غالب کی
 طرف منسوب کرنے میں بھی شک کیا ہے وہ اس کو اتنا قبیح سمجھتے ہیں۔ الفاظ سے جو کچھ مطلب
 نکلتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ شاعر نے اس شعر میں دنیا کے ہر موسم ہونے کو بے غلو بیان
 کیا ہے۔ مصرعہ ثانی میں لفظ منظور کے معنی مرئی کے لیے ہیں "مرئی" رویت کا اسم مفعول
 ہے اور منظور نظر کا معنی وہ چیز جو دکھائی دے ہو اور وہ محاورہ میں منظور کا اس معنی میں
 استعمال نہیں ہوتا ۱۲

۱۱ عربہ۔ بدخونی و جنگ جوئی شاعر اس شعر میں اپنے گزشتہ دم خیم کو بے حسرت یاد کرتا
 ہے اور کہتا ہے کہ اب ہمارا تن رنجور عشق جیسے جنگ و دشمن کے مقابلہ کی گولوں سے بے بسی
 قابل نہ رہا ۱۲ لہ شاعر کہتا ہے کہ اگر تو ہم سے تغافل ہی ضروری سمجھتا ہے تو ظلم ہی کر لیا کہ وہ
 بھی تغافل کی ایک ادا ہو اور تو تغافل کی ہر ادا بہتے پر قیاس ہو ۱۳

نار چرخِ محراب کے ستم ایجا نہیں ۵۹
 عشق و مزدوری عشرت اگر خوش کیا خوب
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ ستم معلوم
 اہل بنش کو ہر طوفانِ عادت کتب
 دہائے محرومی تسلیم و بد حال و فاقہ
 رنگِ تلخین گل و لالہ پر لیشاں کیوں بچا
 سب گُل کیے تلے بند کرے ہر گل چیں
 نفی سے کرنی ہو۔ اثبات تراوش گویا
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو چو سے بہشت

۵۹
 تو تعاضلے جفا شکوہ بیدا نہیں
 ہم کو تسلیم نہ کو نامی فرما و نہیں
 دشت میں ہو مجھے و عیش کہ گھرا نہیں
 لطمہ موج۔ کم اند سیلی استاد نہیں
 جلتا ہو کہ ہیں طاقت فرما و نہیں
 گر چراغانِ سحر و گزیر باد نہیں
 شردہ ای مرغی! کہ گلِ ناز میں صیاد نہیں
 وہی ہو چلے دہن ہوس کو۔ ہم ایجا نہیں
 ہی نقشہ ہو شے۔ اس قدر آباد نہیں

لہ شاعر نے فرا و پر جس کی نسبت کو اجاتا ہو کہ اس نے شیریں کے وصل کی خاطر بہاڑے
 جوئے شیر نکالی اور پھر اپنا سر چھوڑ کر مر گیا اور شیریں کا وصل خسرو اس کے قریب کو نصیب ہوا
 اس شعر میں معن کی ہو وہ کہتا ہو کہ اس طریقے سے جان دینے میں فریاد کی نیک نامی کی
 کیا بات ہو کہ اس نے قریب کے لیے عشرت کردہ بنایا گویا اس نے عشرت کردہ تعمیر
 کرنے میں مزدوری کی خدمت ادا کی ۱۲۔

لطمہ لطمہ موج۔ موج کا تھپتھرا۔ مطلب یہ ہو کہ اہل بنش کو دنیا کے حوادث کا طوفان
 بھر بکا رہتا ہو یعنی دنیا میں جتنے حادثے انسان پر پڑتے ہیں اتنی ہی بگاڑیں چلتی ہیں
 تلہ بانہ میں حرفت الفانہ یہ کازر اند کہہ گیا ہو جیسے قادرِ بقیہ میں شاعر اس شعر میں تسلیم
 کی محرومی اور وفا کی بد حالی یا فسوس کرتا ہو اور کہتا ہو کہ ہم جو تسلیم و رضا اور تلخین و فاقہ
 کے جو کہ ہونے کے سبب نالہ و فریاد نہیں کرتے تو عشق اس کو بہاڑی و نفاذی اور تسلیم
 پر مجبور کرنے کے بجائے یہ سمجھتا ہو کہ ہم میں طاقت فرما ہی ہیں ۱۲

	<p>کرتے کس منہ سے ہو۔ غربت کی شکایت غالب تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد تھیں</p>	
<p>یاں آپڑی یہ شرم کہ تکبر کیا کریں پیرا پتا نہ پائیں۔ تو ناچار کیا کریں؟ ہو غم ہی جاں گزار تو غم خوار کیا کریں؟</p>	۱۰۰	<p>دونوں جہان دیکے وہ سمجھے بخش ہوا تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چارہ لگے کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ باطلِ نغم</p>
<p>عشق کا اُس کو گماں ہم نے زبانوں پہ نہیں</p>	۱۰۱	<p>ہو گئی ہو غیر کی شیریں بیانی کا رگر</p>
<p>قیامت ہو۔ کہ سن لیلیٰ کا۔ شبتِ قیس میں آنا تجربے سے وہ بولا "یوں بھی ہوتا ہوتا ہے زمانے میں" دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہو مجھے غالب نہ کر سرگرم اُس کا فر کو الفت آئے مانے میں</p>		
<p>عددِ دونوں جہان مل جلنے پر جو ہیں خاموش ہو رہا وہ اس کا مطالب یہ سمجھے کہ میں قانع ہوں لیکن خاموشی اختیار کرنے کا اصلی سبب یہ ہوا کہ مجھے تو یہاں وہ مانگنے اور تکبر اور کسے سے شرم آئی اس شعر میں وہی شرافتِ نفس کا اظہار کیا ہے ۱۲</p>		

<p>۱۰۱۔ ہاں اپنی بے کسی کی ہم نے پانی ویاں میر گردوں ہی چراغ رہ گزرا پادیاں</p>	<p>دل لگا کر لگا گیا ان کو بھی تنہا بیٹھا پیش زوال آما وہ۔ اجزاء آفرینش کے تمام</p>
<p>۱۰۲۔ کبھی صبا کو۔ کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں یہ لوگ کیوں مرنے زخم جگر کو دیکھتے ہیں ہم اونچ طالع لعل و گھر کو دیکھتے ہیں</p>	<p>۱۰۲۔ ہم بچہ میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں وہ آس گھر میں ہمارے خدا کی قد رت باز نظر لگے کہیں اس کے دست باز کو ترے جو اہر طرف کل کو کیا دیکھیں</p>
<p>۱۰۳۔ شب فراق سے روز جزا یاد نہیں بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں جو جاؤں وہاں کہیں کو تو خیر باد نہیں</p>	<p>۱۰۳۔ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں کوئی کہے کہ "شب میں کیا جرائی ہو جو اول سلمے ان کے تو مرحبانہ کہیں</p>
<p>۱۰۴۔ لگا گیا۔ مرض لگا گیا ۱۲ ۱۰۴۔ زوال آما وہ۔ آما وہ زوال ۱۲ ۱۰۴۔ قریب قریب اسی مضمون کو فارسی میں کافیاض قمی نے اس طرح لکھا ہے کہ زخم کا ہی مار انظارہ کرد۔ تا حشر و سبت باد و شے اور ادعا کند، لیکن غالب کا تخیل بڑھا ہوا اور وہاں صرف عادی بننے کی خواہش کا اظہار ہوا اور یہاں نظر لگا جانے کا اندیشہ ۱۲ ۱۰۴۔ اس شعر کی ترکیب لفظی نہایت پر لطف ہے شاعر کہتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں کہ مجھے قیامت کا یقین نہیں ہے تو قیامت برحق ہو۔ لیکن ساقم ہی اس کے یہ اعتقاد ضرور ہو کہ اس کے شاید شب فراق کی سختیوں سے زیادہ نہیں ہیں ۱۲۔</p>	

<p>کہ ”آج بزم میں کچھ قہقہہ و فساد نہیں“ کہائے کوچہ - میخانہ - نامراد نہیں دیا ہی ہم کو خدائے وہ دل کہ شاد نہیں</p>	<p>کہی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں عداوہ عید کے ملتی ہو اور وہ بھی شراب جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام</p>
<p>تم ان کے وعدے کا ذکر ان ہی کیوں کرو غالب یہ کیا؟ کہ تم کہو - اور وہ کہیں کہ ”یاد نہیں“</p>	
<p>ہم بھی مضمون کی ہوتا بات دھتے ہیں ہم بھی ہانک اپنی ہوا باندھتے ہیں برقی کو پاہ خنیا باندھتے ہیں اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں مست کب بند تہا باندھتے ہیں</p>	<p>تیرے قوسن کو صبا باندھتے ہیں آہ کا کس نے اثر دیکھا ہی تیری فرصت کے مقابل اے عمر قید ہستی سے رہائی معلوم! نقشہ رنگ سے ہو اس شدِ گل</p>
<p>۱۰۶ لے ہوا باندھتا - رعب بٹھا نا ۱۲ ملے عاشق اپنی مصیبت سے تنگ اگر قید حیات سے رہا ہونے کے لیے آہ و زاری کرتا ہو شاعر گستاخ کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو شش میں اس کی آنکھوں سے جو آنسو نکلتا ہو خود اسی کا سر پہ نہیں قطرہ اشک کی شکل بدور ہوتی ہو بعد وائے میں بالادیر نہیں ہوتا پس اشک کا سرو پا کہاں اس کے اس کی قید ہستی سے رہائی پانے کے معنی بے سرو پا ہیں اور اس میں کامیابی معلوم ۱۲۔</p>	

غلطی ہائے مضامین بہت پوچھ اہل تدبیر کی واما ندگیال	لوگ نالے کو رسا بانڈھتے ہیں آبلوں پر بھی خنابانڈھتے ہیں
سادہ پڑکار ہیں۔ خواباں غالب ہم سے پیان وفا بانڈھتے ہیں	
نشانہ سخت کم آتا اس کی جان اسد	وگر نہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے ہیں
دائم ٹپا ہوا ترے دل پر نہیں ہوں میں؟ خاک ایسی زندگی پر کہ پتھر نہیں ہوں میں کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جائے دل اشفاق ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہی کس لیے؟ لوح جہاں میں۔ حرف مکرر نہیں ہوں میں	
ملے جان اسد:- اسد کی جان کی قسم۔ شاعر نے اپنی جان کی قسم کھا کر کہا ہو کہ زمانہ کے ماتھے سے ہیں جس قدر آتا اور پہنچا ہو یہ بہت کم ہو ۱۲	

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
 آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں ہیں ؟
 کس واسطے عجز نہیں جانتے تھے ؟
 لعل و زرد و زرد و زرد گوہر نہیں ہوں ہیں ؟
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیا دینے ؟
 رہتے ہیں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
 کرتے ہو مجھ کو منہ قدم پس کس لیے ؟
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب۔ وظیفہ خار ہو۔ دو شاہ کو جو
 وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۱۰۹
 سب کہاں۔ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہاں ہو گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آریاں
 لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں

۱۲۵
 لے عقوبت نہ انجام کا اس کا مادہ عقوبت ۱۲۵

تھیں بناست انکھن گردوں بن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی۔ گو۔ نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں۔ روزن دیوار زنداں ہو گئیں
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش۔ پوزمان مصر
ہو زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں
جئے خوں آنکھوں سے بہنے دو۔ کہ ہر شام فراق
میں یہ سمجھوں گا۔ کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
ان پیراؤں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قد رست حق سے یہی حویں اگر و اں ہو گئیں
نیں اُس کی ہو۔ دماغ اُس کا اور اُن کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

لہ بناست انکھن۔ آسمان پر شمال کی طرف سہارا ہے ہین تین ستارے ان میں سے
جنارہ ہیں اور چا بجنارہ کے اٹھانے والے بناست کے لفظ کا یہ مفہوم غلط ہے کہ عرب
ان ستاروں کو رطکیاں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عربی میں جنارہ اٹھانے والے کو ابن انکھن کہتے
ہیں اور عربی محاورے میں ابن انکھن کی جمع بناست انکھن آتی ہو ۱۲
۱۲ روزن دیوار زنداں ہو گئیں یعنی بے نور ہو گئیں ۱۲
۱۲ سب کے بعد عشاق کا لفظ محذوف ہو گیا ہے کہ اور سب عشاق اپنے اپنے قیدوں
سے ناخوش ہوں تو ہوں لیکن زلیخا اپنے قیدوں میں ان زمان مصر سے جو حضرت یوسف علیہ السلام
کو دیکھا کر ایسی محو ہو گئیں جن میں کہ انکھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے خوش ہو۔ و خوشی ہو کہ
ان عورتوں نے حضرت یوسف کو پسند کرنے میں اس کی رائے کی تابعدار کی تھی ۱۲

میں چمن میں کیا گیا۔ گویا دبستاں کھل گیا
 بابلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں
 وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب دل کے پار؟
 جو مری کوتاہی قسمت سے شرکاں ہو گئیں
 بس کدو کا میں نے اور سینے میں اُبھریں پڑی
 میری آپس بجیہ چاکِ گریباں ہو گئیں
 واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دیاں ہو گئیں
 جاں فزا ہی بادہ۔ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 سب بکریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں
 ہم موجود ہیں۔ ہمارا کیش ہی ترکِ رسوم
 ملتیں جب مٹ گئیں اجڑے ایماں ہو گئیں

پلے اس شعر میں استفہام مستعجابی ہو چکا ہے دو رنگ جاسکتی ہیں لیکن یکساں نہیں جاسکتیں۔
 نگاہیں شرکاں ہو گئیں سے شاعر کا مطلب یہ کہ نگاہیں کوتاہ ہو گئیں۔ یعنی قلم سے میری
 جانب نہیں اُٹھتیں اور پھر بھی دل کے پار ہوئی جاتی ہیں اس کا سبب وہ یہ استفہام
 برعکس ہے ۱۲۔
 پلے یہ شعر تصوف سے ملاتہ رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم موجود ہیں اور موجود کے لیے ترکِ رسوم
 لازمی ہے اور نہ مایہ بھی اپنی ظاہری پابندیوں کے سبب رسوم میں داخل ہیں اس لیے
 شاعر ترکِ رسوم سے ترکِ مذاہب یعنی ملتوں کا ظاہری پابندیوں کے مٹ جانے
 کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ملتوں کے مٹ جانے یعنی ترکِ رسوم مذاہب کی

سُخ سے خوگر ہوا انسان۔ تو مٹ جانا ہی رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر و تار ہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان سبیتوں کو تم کہ دیراں ہو گئیں

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں ۱۱
دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے
یہ تیرا اگر نہیں آساں تو سہل ہی
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہو اوریاں

یعنی ہماری جیب میں کتا بھی نہیں
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
دشوار تو یہی ہو کہ دشوار بھی نہیں
طاقت بہ قدر لذت آنا بھی نہیں

سنرل پر پوچھ جانے سے تنافی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہو اور میری موجد کا ایمان ہو ۱۲
۱۵ اس شعر میں شکایت کی لہر کا اندازہ ضابطہ حقیقی یعنی ان کے آساں ہو جانے سے کیا گیا ہو
ایک مرد کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہو۔ مطلب ظاہر ہو ۱۲ مرد غالب کے اس شعر کا
مطلب لکھنے میں سب سے قریب ممکن الوقوع اور ناممکن الوقوع کی بحث کی ہو جہاں تک
کہ مولانا حالی نے بھی یاد کیا غالب میں بھی معنی نہیں بیان کیے رشک اور بھر کا مضمون کسی کے
ذہن میں نہیں گزرے جیسا کہ مندرجہ ذیل شرح سے خود مراد لے اپنے ایک خط میں لکھی ہو ظاہر
ہوتا ہے۔ مرد لکھتے ہیں تیرا ملنا اگر آساں نہیں تو یہ اور مجھ پر آساں ہو۔ حیرت انگیز آساں
نہیں نہ مہی نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہو کہ مہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں
یعنی جس سے تو چاہتا ہو مل بھی سکتا ہو۔ بھر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا مگر رشک کو اپنے اوپر
آساں نہیں کر سکتے ۱۱

<p>شور بدگی کے ہاتھ سے یہ سوال و تن گنجائش عداوت اغیاراک طرف ڈرنا ہوائے زار سے میری خدا کو مان دل میں ہی بار کی صف شرکاں سے روشنی اس سادگی پہ کون نہ مر جائے ای خدا</p>	<p>صحرا میں ای خدا کوئی دیوار بھی نہیں یاں دل میں صفکے ہوس یا بھی نہیں آخر نوائے مرغ گریستار بھی نہیں حال آنا کہ طاقت خلش خار بھی نہیں رہتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں</p>
---	---

دیکھا اس قدر کو خلوت و جلوت میں بار
دیوانہ گر نہیں ہو نہ ہشت بار بھی نہیں

نہیں ہو زخم کوئی بچنے کے درخورد سرے تن میں
ہوا ہوتا رہا شک یاس۔ رشتہ چشم سوزن میں

۱۱۔ شور بدگی نہ دیوانگی ۱۲۔
۱۱۔ روکشی۔ مقابلہ۔ ایک شایع خیال ہے کہ "روکشی" لکھ کر مطلب گرٹھا ہو
"روکشی" تمام شخصوں میں وجود ہے جس کے معنی مقابلہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں اگرچہ
خلش خار کی بھی طاقت موجود نہیں ہو۔ لیکن بار کی صف شرکاں سے مقابلہ کرنے کا جو صلہ
باقی ہو ۱۲۔
۱۱۔ بچنے کے درخورد۔ بچنے کے لائق۔ مطلب یہ ہے کہ میرے تن میں کوئی زخم بچنے کے
لائق نہیں ہو میرے زخموں کی حالت دیکھ کر سب کو یاس ہوئی تو اس سے بچتا ہوا
شک یاس بن گیا ۱۲۔

ہوئی ہر مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی
 کف سیلاب باقی ہے ہر گنگ پتہ روزن
 وودیت خانہ بیابا دکاوش ہائے ترگاں ہوں
 نگین نام شاہ ہر مرے ہر قطرہ خوں تن میر
 بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
 شب مہو۔ جو رکھ دیں پتہ دیواروں کے روزن
 نکو ہش مانع بے ربطی شورِ جنوں آئی
 ہوا ہر خندہ احباب۔ بخیہ حبیب و دامن میں

لے کف سیلاب : سیلاب کے جھاگ۔ اس سیلاب کے جھاگ جس سے خانہ ویرانی ہوئی دیواروں
 کے سوراخوں میں باقی رہ گئے ہیں وہ جھانکنے کے مانع ہیں۔ چونکہ نضو اکثر مسببِ کرب و
 قرار دیتے ہیں۔ اس لیے شاعر نے اس موقع پر خانہ ویرانی کو مانعِ تماشا کہا ہے ۱۲
 لے ہر قطرہ خوں میرے تن میں ایک نگینہ ہو جس پر ترگاں معشوق نے اس کا تام کھودیا
 اور میں گویا معشوق کی کاوشوں کے ظلم کا وودیت خانہ بنا ہوا ہوں مطلب یہ ہے کہ میں اس
 کی کاوشوں کے ظلم کا امانت دار ہوں (یہ قاعدہ ہے کہ امانت پر مہر لگا دیتے ہیں) اور
 اسی لیے اس کو افشا نہیں کرتا ۱۳
 لے شاعر کہتا ہے کہ میرے گھر میں اس قدر تاریکی ہے کہ اگر دیوار کے روزن میں پتہ رکھ دیا جائے
 تو ایسا معلوم ہو کہ چاند نکل آیا ۱۴
 لے ملامتِ احباب میرے جو جن جنوں کو مانعِ ہوئی یعنی چند احباب کے خیال سے میں نے
 حبیب و دامن چاک نہیں کیا اس لیے ملامت کرنے والے احباب کا خندہ ونداں نا
 بخیہ گریباں ہو گیا۔ خندہ ونداں نہاگو بخیے سے جو نسبت ہو وہ ظاہر ہے ۱۵

ہوئے اس سروش کے جلوہ تمثال کے آگے
 پرافشاں جوہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں۔ پر صحبت مخالفت ہو
 جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
 ہزاروں دل دیئے جوش جنون عشق نے مجھ کو
 سیہ ہو کر سو بیا ہو گیا۔ ہر قطرہ خوں۔ تن میں

اسد زنیانی تاثیر الفت ہائے خباں ہوں
 خم دست نوازش ہو گیا ہر بطوق۔ گردن میں

<p>سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں و گردن تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں کہ غیر جلوہ گل رہ گزریں خاک نہیں اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں شراب خانہ کے دیوار و دریں خاک نہیں سوائے حسرت و تعمیر گھر میں خاک نہیں</p>	<p>۱۱۳ مرے جہان کی اپنی نظر میں خاک نہیں مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے کیسے سبب شہاں کی آمد آمد ہو؟ جھلا اُسے نہ سہی۔ کچھ مجھی کو رحم آتا خیال جلوہ گل سے خراب میں کیش ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شہید</p>
---	---

یہ اس شعر کے شرک وینے سے اس کا مطلب سمجھ میں آجانا ہو۔ اس سروش کے جلوہ تمثال کے
 آگے جوہر آئینہ میں (اس طرح) پرافشاں ہوئے (جس طرح) ذرے روزن میں (دشوائے
 آفتاب سے) اڑتے ہیں ۱۲

ہمارے شعر ہیں اب بے وفائی کے آئینہ
کھلا کہ فائدہ عرصہ ہنر میں خاک نہیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت۔ در دے سے بھرتہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار۔ کوئی نہیں ستائے کیوں؟
دیر نہیں۔ حرم نہیں۔ در نہیں آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر رہے ہم۔ خیر نہیں اٹھائے کیوں؟
جب وہ جمالِ دل فروز صورتِ ہر نیم روز
آپٹا ہی ہو لطفِ ارہ سوز۔ پرے میں منہ چھپاؤ کیوں؟
دشمن غمزدہ جاں ستاں۔ ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رُخ سی۔ سامنے تیرے آئے کیوں؟
قیہ حیات و بندِ غم۔ اہل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی۔ غم سے نجات پائے کیوں؟
حسن اور اس پر حسنِ ظن۔ رہ گئی بواہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہو غمیر کو آدما کے کیوں؟

۱۱۲
لہ نظارہ سوز: حسن کا نظارہ نہ ہو سکے
لہ بواہوس: بوسہ کی طرف اشارہ ہو۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ غمیر سے بھی
رقیب مراد ہو۔ مرزا نے اپنے ایک خط میں اس شعر کو الفاظ ذیل میں صاف کر دیا ہے: حسن
عارض اور حسنِ ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں یعنی صورت اچھی ہو اور گمان اس کا صحیح ہو کبھی

ہاں وہ غور و غور ناز۔ ہاں یہ حجابِ پاس وضع
 راہ میں ہم بائیں کہاں؟ بزم میں وہ بلائے کیوں؟
 ہاں وہ نہیں خدا پرست۔ جاؤ وہ بے وفا ہی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی لگیں میں جائے کیوں؟

غالب خستہ کے نہیں کون سے کام بند ہیں
 رویے نازدار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

غنچہ و تاش گفتہ کو۔ دور سے مت دکھا۔ کہ یوں
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے ہتا کہ یوں؟
 پسش طرز و لبری کیجئے کیا؟ کہ بن کہے
 اُس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہو یہ ادا کیوں
 رات کے وقت میٹے۔ ساتھ رقیب کو لیے
 آئے وہ یاں خدا کرے۔ پر نہ کرے خدایا کیوں
 "غیر سے رات کیا بنی" یہ جو کہا۔ تو دیکھیے
 سامنے آن بیٹھا۔ اور یہ دیکھنا۔ کہ یوں

خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو اپنی نسبت ہو کہ میرا مارا بھی پچتا نہیں اور میرا تیر غمزدہ خطا ہے
 کرتا۔ پس جب اس کو ایسا بھروسہ ہو تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسن ظن نے رقیب کی
 شرم دکھائی اور نہ رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ اگر پائے امتحان درمیان آنا تو حقیقت محلِ عالی

بزم میں اُس کے دو برو کیوں نہ خموش بیٹھئے
 اُس کی تو خاموشی میں بھی ہو ہی نہ عاکہ یوں
 میں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی"
 سُن کے ستمِ ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
 مجھ سے کہا جو یار نے "جاتے ہیں ہوش کس طرح !
 دیکھ کے میری بچو دی چلنے لگی تھو کہ یوں
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یا د تھی؟
 آئینہ دار بن گئی چہر ت نقشِ پا کہ یوں
 گر ترے دل میں ہو خیال۔ وصل میں شوق کا زوال؟
 موجِ محیطِ آب میں تارے اور دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ رنجیتہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
 گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کیوں

ملے ستمِ ظریف وہ شخص جو ظرافت کے پر وہ میں ستم کرے (معشوق کی طرف اشارہ ہے)
 ملے شاعرِ معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر ترے دل میں ہو خیال ہے کہ وصل میں شوق
 کیوں کم ہو جاتا ہے تو سمجھئے موجِ بحر کو دیکھنا چاہیے کہ وہ وصلِ بحر سے علیحدہ ہو کر کنارے
 پر پہنچنے کے لیے دست و پا مار رہی ہے ۱۲

رویت و

حسد سے دل بگڑا فسردہ ہی گرم تماشا ہو
 کہ چشم تنگ۔ شاید کثرتِ نظارہ سے داہو
 بہ قدحِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
 بھروں یک گوشہ دامن۔ گر آبِ ہفتِ یابو
 اگر وہ سرو قد۔ گرم خرامِ ناز آ جاوے
 کتبِ ہر خاکِ گلشن۔ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

کبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ۔ گیا کہیں
 بھولا ہوں۔ حقِ صحبتِ اہلِ کشت کو ؟

لہ گرم تماشا ہو۔ یعنی: نیا کو دیکھ۔ چشم تنگ حاسد کی صغانت میں سے ہے۔ حاسد ہمیشہ
 تنگ چشم اور تنگ دل ہوتا ہے۔ شا عر کہتا ہے کہ جس قدر انسان کو دنیا کا تجربہ ہوگا اسی قدر
 وسیع النظر ہوگا اور وسیع النظری اور فراخ دلی ہی مرضِ حسد کا علاج ہے اس شعر میں علمی
 اخلاقِ انسانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۱۲
 لہ بھروں :- آلودہ کروں۔ آبِ ہفتِ یابو کثرتِ معاصی کی طرف اشارہ ہے تروا
 صطلاحِ فارسی میں لنگہ رکھتے ہیں ۱۱
 لہ کتبِ ہر خاک سے یعنی ہر کتبِ خاک ۱۲

پچھوڑا نہ مجھ میں صنعت نے رنگ اختیار کیا
 ہو دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
 ہو مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیب کا گلہ
 ہر چہ تیرے سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
 ”پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں“ ہر درد کی دوا
 یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو؟
 دلائل: بے کسی نے کسی سے معاملہ
 اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو؟
 ہر آدمی بجائے خود اک محشر خیال
 ہم انہیں سمجھتے ہیں۔ خلوت ہی کیوں نہ ہو؟
 ہنگامہ زبونی ہمت ہی افعال
 حاصل: کیجئے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

تو اس کو کشت پڑنا کہتے ہیں ہندی میں کشت محبت یا وقت پڑنے کو کہتے ہیں معلوم ہوتا
 کہ اسی ہندی لفظ سے شطرنج والوں نے یہ محاورہ لیا ہے۔ کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ شطرنج کا کھیل اول
 اول ہندوستان ہی میں ایجاد ہوا تھا۔ تاریخی حقائق میں کشت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لفظ قسط کو
 بگاڑ کر بنایا گیا ہے۔ قسط بمعنی عدل کے ہے اور چونکہ شطرنج کا بادشاہ عدل میں رکھتا اس کے لیے قسط کا
 لفظ استعمال کرتا تھا۔ اس سے کشت لفظ نکلا گیا ہے تاکہ عدل پر دلالت نہ کری لیکن
 یہیں یہوجہ پسند نہیں بلکہ تین قیاس ہیں کہ سنسکرت لفظ ”کشت“ سے کشت بنا ہے۔ ۱۶۵۰ء
 یہ میری جیکسی کا احسان ہے کہ مجھے کسی کا ممنون احسان ہونا نہیں پڑا۔ اپنے سے کھینچتا ہوں ہی اپنے
 حاصل کرنا ہوں مطلب یہ ہے کہ خجالت ہی مجھے دوسروں سے نہیں اٹھانا پڑی۔ بلکہ اگر خجالت بھی ہو
 اپنے ہی سے تو ہو جائے منقل ہوتا یعنی دوسروں کا اثر قبول کر لینا زبونی ہمت یعنی کم ہمتی ہو۔

دارستگی۔ بساۓ ہیگانی نہیں
اپنے سے کرنے غیر سے وحشت ہی کیوں ہو؟
میتا ہی فوت فرصت ہستی کا غم کوئی
عبر عزیز۔ صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو؟

اس فتنہ فو کے در سے اب اٹھتے نہیں
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۱۸
ففس میں ہوں۔ گر اچھا بھی نہ جائیں میرے شیون کی
مرا ہونا بڑا کیا ہی تو اس سنجان گمشدن کو؟

اس لیے زیادہ کے آثار و عبادت سے بھی حیرت نہ حاصل کرے کہ یہ بھی ہستی ہستی اور غم کی دلیل
ہو مطلب یہ ہے کہ تو اپنے کیر کڑ اور اخلاقی کو اس قدر اعلیٰ دھچکا بتائے کہ دنیا کے کسی واقعہ سے
پچھے حیرت حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے
تلفات کر کے لوگوں سے وحشت کرنے لگے اگر وحشت کرتا ہو تو اپنے ففس سے وحشت کر

و کہ غیر سے یعنی خودی چھوڑ دے ۱۲
مکہ عبادت کا جو توجہ اس سے کچھ اور بڑھ کر بھی انسان حاصل کر سکتا ہو۔ پھر محض عبادت
میں اگر زندگی کو صرف کر دیا جائے تو اس کا غم دل سے کچھ بکریا سکتا ہو ۱۳
تکہ شاعر کہتا ہے کہ میں تو ففس میں ہوں اور نو اس سنجان گمشدن آتا دہیا اس لیے لطف چمن میں
ان کا جوتہ دار نہیں بن سکتا۔ میں ففس میں بند پڑا ہوا مانے کرتا ہوں اور وہ آواز ادی میں
نوا سنجی یعنی نواز مسرت گاتے ہیں اور میرے یہ نامے مرفان چمن کے لیے نقصان سال
نہیں بلکہ میرے سالوں سے کچھ نہ کچھ ان کے چمن کی رونق ہی ہو ۱۴

شہادت تھی مری شہرت میں۔ جو دی تھی یہ جو مجھ کو
 جہاں تلوار کو دیکھنا اٹھکا دیتا تھا گردن کو
 نہ لٹتا دن کو۔ تو کسب راستا کو پوں بے غمبہرستا
 رہا کھٹکا نہ چوری کا۔ دعا دیتا ہوں رہزن کو
 سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جیاں ہوں جواہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سپاہیاں جاہ سے نسبت نہیں قائم
 فریون و جم و کھنسر و داراب و بہمن کو

دھوٹا ہوں۔ جب ہیں پینے کو اس سیم تن کے پاؤ
 رکھتا ہوں صند سے کھنچ کے باہر لگن کے پاؤ
 ہی ساوگی سے جان۔ پڑوں کوہ کن کے پاؤ
 بہات اکیوں ڈوٹ گئے پیسے رزن کے پاؤ
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے
 ہو کر اسیر دہتے ہیں راہ زن کے پاؤ
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
 تن سے بیوا نگار ہیں۔ اس ستم تن کے پاؤ

اندھے ذوق و شوق نور دی کہ بس بزرگ
 ہلتے ہیں خود پر خود۔ مرے۔ اندر کھن کے پانوں
 پلو خوش گل ہزار میں یاں تک۔ کہ ہر طرف
 اڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں۔ مرغ چمن کے پانوں
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 دُکھتے ہیں آج اُس بستی نازک بدن کے پانوں

غالب۔ مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
 ہمتا ہوں و صحو کے خسر و شیرین سخن کے پانوں

واں اُس کو ہول دل ہو۔ تو یاں میں ہوں شرمسار
 یعنی یہ میری آہ کی تاش پر سے نہ ہو
 اپنے کو دیکھتا نہیں۔ ذوق ستم تو دیکھ
 آئینہ تاکہ۔ وید کا پتھر سے نہ ہو

لے مرغ چمن یعنی پرندہ تو بال و پر سے اڑتا ہو پھر بالوں اُلجھنا کیسا۔ لیکن یہ کہنا یہ کہ اس طرف کے
 باغ میں اس قدر خوش گل و بہار ہو کہ جو مرغان چمن اُس پر سے گزرتے ہیں ان کا دل آگے
 بڑھنے کو نہیں چاہتا اور وہ وہیں گر پڑتے ہیں ۱۲
 پتھر یعنی ٹکڑا۔ مثل آہ و غیرہ۔ مطالب یہ کہ اس کا ذوق ستم تو دیکھیے کہ جبکہ پتھر کا آئینہ
 نہ ہو وہ اپنے کو نہیں دیکھتا یعنی یہ پتھر کے آئینہ کے سوا وہ اپنی صورت کسی دوسرے آئینہ میں
 دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ آئینہ ستم ہو تاکہ۔ جب تک ۱۳۔

وال تنہج کر جو غش آتا ہی ہم ہو ہمسکو
 دل کو میں۔ اور مجھے دل مجھو فاقہ تھا
 ضعف سے نقش بی مودہ ہو طوق گردن
 جان کر تجھے تغافل کہ کچھ اسب بھی تو
 شکستہ ہم طرحی و درو اثر ہائے غریب
 سمرائے آنے کے جو وعدے کو مکر چاہا
 دل کے غم نے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
 تم وہ مازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
 لکھو آئے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہی یہ شہر

لے پیسہ امتوا تر اگر یہ لفظ بلا لکھا جاتا تو اس کا ملا پیسہ صحیح ہوگا۔ اس شعر میں مرزا نے اس لفظ کا استعمال
 اضافت کے ساتھ کیا ہے کیوں کہ فارسی میں اضافت کے ساتھ اور بلا اضافت دونوں طرح
 آیا ہے لیکن کج کل اردو کا عادی یہی ہو کہ بلا اضافت بولتے ہیں۔ صدرہ در سو بادشاہ کتنا ہو کہ
 معشوق کے کوچہ میں چھ کر جو مجھے منو از غش آتا ہو تو اس کا مقصد منو از غش کے معنی ہو کہ وہ مجھ سے اپنے قدموں کی
 زمیں ہوسے گردن کونگا۔ انھیں فارسی کی بدولت کوچہ محبوب نصیب ہوا۔
 غزلیہ گرفتاری ہم معنی گرفتاری غم و غم و غم عربی لفظ ہے جس میں ہم مشدود ہو لیکن اردو میں بلا تشدید استعمال ہے
 تکرار اول میں ہم طرحی اور درو و اثر دونوں مل کر لفظ شک کے مضامین ہیں جس سے اس کے کچھ
 سے سارا شعر سمجھ میں آ جاتا ہو۔
 "ترے سر کی قسم ہی ہم کو" اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں تیرے سر کی
 قسم ہو ہم ضرور سمرائے اداں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو تیرے سر کی قسم ہو ہم بھی سمرائے اداں گے۔
 جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے یہاں آنے کی قسم ہو۔ یعنی کبھی ہمارے یہاں نہیں آتے۔

یہ جانی ہو کہیں، ایک نوحہ غالب
جاوہرہ کشش کا فکرم ہو ہم کو

محب کوئی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
قاتل اگر فیصہ ہو تو تم گواہ ہو
ہما کہ تم بشر نہیں ہو شید و ماہ ہو
مرتا ہوں میں گریہ نہ کسی کی نگاہ ہو
مسجد ہو۔ مدرسہ ہو۔ کوئی خانقاہ ہو
لیکن خدا کرے وہ ترا جلا و گاہ ہو

تم جاؤ تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
بچتے نہیں۔ اخذہ روزِ حشر سے
کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہو
ہجرا ہوا نقاب میں ہجان کے اکتار
جب درگاہ چھٹا تو پھر کیا جگہ کی قید
سنتے ہیں جو بہشت کی اتریفِ شبت

حالت بھی گرد ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیہا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

کہا سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو
گرد ہو تو کہاں جاؤ تو کیوں کر ہو
حیا ہو اور یہی گوئی تو کیوں کر ہو
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیوں کر ہو

گئی وہ بات کہ بد گفتگو تو کیوں کر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا نام وصال
ادب ہو یہی کشمکش تو کیا کیجے
تمہیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا

ان مصرعہ اول میں ضمیر "وہ" مصرعہ ثانی کے الفاظ اور شید و ماہ کی طرف راجع ہے ۱۲۵

کیا غمخوار نے سوا لگے آگ اس محبت کو
 نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا ازواں کیوں ہو؟
 وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پہوڑنا ٹھہرا
 تو پھر ای سنگ دل اتیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو؟
 قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر بہر دم
 گری ہو جس پہ گل بجلی۔ وہ میرا اشیاء کیوں ہو؟
 پیہ کہہ سکتے ہو؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ
 کہ جب دل میں تمہیں تم ہو۔ تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو؟
 غلط ہو جذبِ دل کا شکوہ۔ دیکھو مجھ کو کس کا ہو؟
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو؟
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہو؟
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کے آسمان کیوں ہو؟
 یہی ہی آواز مانا۔ دوستانا کس کو کہتے ہیں؟
 عدو کے ہو لیے جب تم۔ تو میرا امتحان کیوں ہو؟

۱۱۔ پہلے مصرع میں استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بات تم کہہ نہیں سکتے کہ تم میرے
 دل میں نہیں ہو یعنی کہنا پڑ گیا کہ تم میرے دل میں ہو لیکن دریافت طلب یہ ہو کہ جب
 میرے دل میں تم اور صرف تم موجود ہو تو آنکھوں سے پوشیدہ ہونے کی کیا وجہ ہو؟ ۱۲۔
 بلکہ یہ فتنہ اشارہ ہو محشوق کے دوست ہو جانے کی طرف ۱۳۔

کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے لئے میں سوئی؟"
بجائے کہتے ہو۔ صحیح کہتے ہو۔ پھر کیوں کہ "ہاں کیوں ہو؟"

نکالا چاہتا ہو کام کیا طمنوں سے تو تھا آپ؟
تو بے مہر کہنے سے وہ بچھ پر مہریاں کیوں ہو؟

۱۲۵
مہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے درہ دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسبان کوئی نہ ہو
پڑیے گر پیار۔ تو کوئی نہ ہو تیسرا دار
اور گر مر جائیے تو نہ خواں کوئی نہ ہو

رولیت ۵

اڑ مہرتا ہر ذرہ۔ دل و دل ہی آئینہ ۱۲۶
طوطی کو شمش جہت کا مقابل ہو آئینہ

لے آفتاب سے لیکر ذرے تک ہر چیز دنیا میں دل کے مثل ہو اور دل کی شکل آئینہ ہو پس کیا
ہر طوطی کو ہر سمت سے آئینہ مقابل نظر آتا ہو۔ طوطی سے مراد انسان ہو جو شہیدانے آئینہ
دل ۱۲۷

۱۲۸	ہو مجنوں کا ہر درد و دیوار غم کہہ تا چارے کسی کی بھی حسرت اٹھائی	جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خبروں پہ دشواری رہ و ستم ہماراں نہ پوچھ
-----	---	--

روایت می

۱۲۸	صد جلوہ رو برو ہو جو ترگاں اٹھائے تک شگ پر بہت محاش جنون عشق دیوار باوہنت مردہ سے ہی غم یا میر سے زخم رشک کو سوانہ کیجیے	طاقت کہاں کہ وید کا ساماں اٹھائے یعنی ہنوز منت طفلان اٹھائے اے خاتماں خراب احساں اٹھائے یا پروہ و تسم ہنساں اٹھائے
-----	---	---

۱۲۹	مسح کے زپرسا یہ خراباں چاہیے بجوں پاس آنکھ قبلہ حاجت چاہیے
-----	---

لہ صیغے غم کہہ کے درد و دیوار ہر درد صرف افسانہ تھا کہ
جب وہ بے غوری اور بے رشتگی کی حالت میں اٹھتا تھا کہ وہ بے رشتگی کی حالت میں
حالت کی تصویر کھینچی ہو اور چونکہ ہر بہار اس آگاہ ہو اس لیے ہر شے مافیہ میں اپنی اس دیرانی کو بہا
کہ کر آئندہ اس کے بدلے بدتر ہو جائے کا خیال تھا ہر کیا ۱۲۵۔
۱۲۶۔ منزل مقصود تک پہنچنے کا کہ سنہ ایک تو یوں ہی و شواہر گراؤ تھا پھر اس پر ساتھیوں کے ساتھ
ہو چونکہ ہمارے ساتھ ہم سفر چاہے وہ ستم ہی کیے والے کیوں نہ ہوں مگر دیکھیں اس لیے ہم اپنے کو
بے کس بھی نہیں کہہ سکتے پس مجبوراً بے کسی کی حسرت اٹھاتے ہیں ۱۲۔
۱۲۷۔ برات یعنی فرماں جس کے ہو جب فرماں سے رو پیہ لے کر الگ ہو کر عشق کے لیے
نشاہ شگ طفلان ہوا لازمی تھا ہوا اس لیے گویا جنوں میں بھی لڑکوں کی مانند کشتی کے بغیر
سفر نہیں ۱۲۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک انکس پر دے داد لے خاک دل حسرت سرت سکھ میں مدحوں کے لیے ہم مصدوی وے غرض نشاط ہو کس و سیاہ کو ای رنگ لالہ کو گل و نسیم جدا جدا سراپے خم پر چاہیے ہنگام بخودی یعنی حسب گردش پہاڑ و صحافت	آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے ہاں کچھ نہ کچھ لانی مافات چاہیے تقریب کچھ تو میرا مافات چاہیے اک گو نہ بخودی بکھرے دل چاہیے ہر رنگ میں جبار کا اثبات چاہیے دوسوے قبلہ وقت مناجا چاہیے عارف ہمیشہ مست مافات چاہیے
---	---

نشو و نما و اصل سے غالب فروع کو
قاوشی ہی سے نکلے ہی جہات چاہیے

بساط عجز میں تھا ایک دل ایک قطرہ خوں وہ بھی
سورہ تھا ہی و انداز چکین سرنگوں وہ بھی
سہا می شوخ سے آرزو ہم چندے تکلف سے
تکلف بر طرف تھا ایک انداز ہنوں وہ بھی
خیال مرگ کب تسکین دل آرزو کو
میسے دایم تنہا میں ہی ایک عید نہ بول وہ بھی
نہایت کا شہ نامہ محمد گو کیا مسامح تھا؟ ہم
کون سا عفت و فطانت و درویشی وہ بھی

ما تمنا پریش تیغ جنا پر ناز سداؤ ۛ
 مرے دریا سے بے تابی میں ہر اک ہو جی خوش بھی
 دُ عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کچھ
 لیے بیٹھا ہر اک دو چار جام داڑگوں وہ بھی

مرے دل میں ہو غالب شوق وصل و شکوہ بچاں
 خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں بھی کہوں وہ بھی

۱۳۱
 ہو بزمِ تنہا میں سخن آزر وہ لبوں سے
 تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
 ہو دور قدح وچہ پریشانی صبا
 یک بار لگا دو خم میرے لبوں سے
 ۱۳۲
 رندانِ در محکہ گستاخ ہیں تباہ
 ز نہار نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں سے

۱۳۳
 جام داڑگوں پر اندھا پایا لا ۱۲
 خوشامد طلبوں سے معشوق کی طرف اشارہ ہو۔ مطلب یہ ہو کہ معشوق کی خوشامد
 کرتے کرتے سخن لبوں سے آزر وہ ہو۔ یعنی خوشامد کی حد ہو گئی اب بات کرنے کو جی نہیں
 چاہتا ۱۲

۱۳۴
 طرف ہونا۔ پُرانا محاورہ ہے۔ ہمیں منہ لگنا ۱۲

کھائے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یا رب !
 قسم کھائی ہو اُس کا فرنے کا غذ کے جلانے کی
 پٹنا پر نیاں میں شعلہ دانتوں کا آساں ہو
 دلے مشکل ہو۔ حکمت۔ دل میں سوز غم چھپانے کی
 انہیں منظر اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
 اٹھے تھے سیر گل کو۔ دیکھنا۔ شوخی بہانے کی
 ہماری سادگی تھی۔ التفاتِ ناز پر مرنا
 ترا آنا نہ تھا۔ ظالم مگر تہیب جانے کی
 لکھ کر کوب۔ عواوٹ کا تحمل کر نہیں سکتی
 مری طاقت کہ ضامن تھی تہوں ناز اٹھائی

۱۔ خط کے جانے سے میرے سوز غم کا حال معشوق پر ظاہر ہو جاتا تھا۔ لیکن اب چونکہ اس
 خط کا جانا بھی ہو تو فکریاں اس لیے میرا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس شعر کا دوسرا
 مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عشاق اپنے خطوط خفیہ طور پر تحریر کرنا پڑھ کر دیتے ہیں جس سے
 افشاء و راز کا خوف یا فانی نہ رہے اور اس لیے وہ کسی ایسی روشنی کو استعمال کرتے
 ہیں جس کے حروف بادی النظر میں نمایاں نہ ہوں لیکن آگ کو دکھاتے ہی پڑھنے میں جاتیں
 یا راز کا عرق بھی اس مطلب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اُس کے ٹکے ہوئے حروف
 کا غز کو آگ پر رکھتے ہی روشن ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر بھی ہمیشہ اسی
 روشنی سے اپنے معشوق کو خط لکھتا رہتا تھا اور معشوق اُس کو آگ پر رکھ کر پڑھ لیا
 کرتا تھا۔ لیکن اب چونکہ معشوق نے کاغذ کے جلانے کی قسم کھائی ہے اس لیے اسے
 فکریاں کہ اب معشوق پر اس کے خط کا مطلب کس طرح واضح ہو گا۔
 شعر پر غور کیا۔ ہر ایک روایت پر بہت جھگڑا کہ پڑھ لیتا ہو
 یہ لکھ کر کوب بہ لالت مارنا۔

کہوں کیا خوبی اور ضلع اپنا بے زماں خالت
بدی کی اُس نے جس نے ہم نے کی تھی بارہائی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ آرزو خرامی
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھاؤ
۱۳۵
دل جوش گریہ میں ہو ڈوبی ہوئی آسانی
میں بھی جلے ہوؤں میں نالغ نامتائی

کیا تنگ ہم ستمزدگان کا جہان ہو
ہو کائنات کو حرکت تیز و ذوق سے
۱۳۶
جس میں کہ ایک بیضہ مورت آسمان ہو
یرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہو
حائل کہ یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
عافل کو میرے شیشے ہو گا گمان ہو

لے حاصل وہ بر معنی محصول۔ ہاتھ دھو بیٹھ۔ نا آسپا ہو جا۔ آرزو خرامی سے مراد خرام حسب آرزو
ہو۔ آسانی جمع جمع ہو اسم کی لیکن آرزو میں یہ لفظ بمعنی کاشتکار بہ طور مفرد استعمال ہوتا ہے جو
ہوئی آسانی اُس کاشتکار کو کہتے ہیں جو آفات ارضی یا سماوی سے برباد ہو جائے اور مالک
آراضی کو اس سے نجان و صول ہونے کی امید بانی نہ ہو۔ مطلب یہ ہو گا کہ وہ زاری سے کوئی ایسا
بیٹھ حاصل نہ ہو گا کہ اپنے حسب مراد خرام کر سکوں۔ کیونکہ جوش گریہ نے دل کو ڈوبی ہوئی
آسانی بنا دیا ہو یعنی اثر سے مایوس کر دیا ہو ۱۳۵

۱۳۷
میں دل نامتائی ہوں معنی مجھے اپنے نامتائی تمام رہ جانے کا داغ ہو ۱۳۷
۱۳۸
مطلب یہ ہو کہ ہم اس قدر ستم زدہ ہیں کہ چیز اسی کا ایک بے حس و حرکت قند
بھی ہم پر ظلم کرنے کو آسمان بنا ہوا ہو ۱۳۸
۱۳۹
سے سیلی خارا۔ ضرب سنگ۔ اگر اس شعر میں سیلی خارا کو حادثہ کے تھپیڑوں اور
شیشے کو شیشہ دل سے تعبیر کیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہو ۱۳۹

<p>آؤے نہ کیوں پسند ہو کہ ٹھنڈا مکان ہو بس چپ ہو ہمارے بھی نہ میں بان ہو فرماؤ لے کشورینہد وستان ہو کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہو</p>	<p>کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بیٹھا ہو جو کہ سایہ دیوارہ یار میں ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا</p>
	<p>ای بار سے اعتماد و فاداری اس قدر غالب۔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہ زبان ہو</p>
<p>دوسرے میرے ہو تجھ کو بے قراری ہائے ہائے کیا ہوئی ظالم تری غفلت شہابی ہائے ہائے تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے کیوں مری غم خواری کا بخجہ کو آیا تھا خیال دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے</p>	
<p>لے ہمارے بھی منہ میں زبان ہو اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہمارے پاس ایسے نبوت میوہ ہیں کہ اگر ہم بولنے پر آئیں تو قائل کر دیں دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تیان سے چلے کر یہ بتا دیں کہ غیر نے بوسہ لیا یا نہیں ۱۲ لے اس شعر کا مطلب صاف ہو شاعر کہتا ہو کہ ہمارا معشوق اس لیے ہم پر نا مہربان ہو کہ اس کو ہماری وفاداری پر بھروسہ ہو اور یہ ہماری خوشی کا سبب ہو ۱۳ لے یہ پوری غزل معشوق کی وفات پر بطور مرثیہ لکھی گئی ہو ۱۴</p>	

عمر بھر کا تو نے بیان و فایانہ صا تو کیا؟
 عمر کو بھی تو نہیں ہو پائیداری ہائے
 نہ ہر لگتی ہو مجھے آب و ہوائے زندگی
 یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے
 کل فشانے ہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا؟
 خاک پر ہوتی ہو تیری لالہ کاری ہائے
 شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں
 ختم ہو الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے
 خاک میں ناموس بیان محبت مل گئے
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یا رہی ہائے
 ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
 دل پر اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے
 کس طرح کائے کوئی شب ہائے تاریک
 ہو نظر جو کروڑ اختر شہناری ہائے
 گوش مجھ پر پیام و چشم محروم جمال
 ایک دل تس پرینا امیدواری ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا قالیب۔ ابھی الفت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے

۱۳۸	<p>میر گشتی میں عالم ہستی سے پاس ہو لیتا نہیں۔ مرے دل آوارہ کی خبر کچھ ہاں ہر وہ پتہ غم کہاں تلک او وہ غور حسن سے بے گناہ و فتا پی جس قدر شب متاب میں شرب</p>
	<p>تسکین کو فے نو یکہ مرنے کی آس ہو ابتک وہ جانتا ہو کہ میسے ہی پس ہو ہر وہ مرے بدن پہ زبان سپاس ہو ہر چند آس کے پاس دل خوشی اس ہو اس بے مزاں کو گری ہی رہا اس ہو</p>

ہر اک مکان کو ہر مکس سے شرف اسد
مجنوں جو گر گیا ہو۔ تو جگل آداس ہو

۱۳۹	گر خامشی سے فائدہ اخلائے حال ہو کس کو سناؤں حسرت انہار کا گلہ
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہو دل فرو جمع و خج ویاں ہائے لال ہو	

۱۳۸ میرے ہی پاس ہو یعنی عاشق کے پاس ہو ۱۲
۱۳۹ دل حق شناس سے خود عاشق کا حق شناس دل مراد ہو جو معشوق نے لے لیا ہو
۱۴۰ اس شعر میں شب ماہ کے ساتھ یعنی مزاج کو اس رعایت سے باندھا ہو کہ شب ماہ کے
مزاج کو بھی مرطوب کما جاتا ہو ۱۲
۱۴۱ اگر خاموشی سے یہ فائدہ ہو کہ حال دل ظاہر نہیں ہوتا تو میں خوش ہوں کہ میرا بوتا بھی
خاموشی کے برابر ہو کیونکہ میرا کلام کسی سمجھ میں نہیں آتا ۱۱
۱۴۲ شاعر کہتا ہو کہ میں اپنے بیان حال کی حسرت کا شکوہ کس کے سامنے کروں میرا دل گونگی زبان
کے جمع و خج کی فرو یعنی مٹن اجاب کے شکووں کا دفتر بنا ہوا ہو جو نہ سنتے ہیں۔ جواب دیتے

کس پرے میں ہو آئینہ پروا رے خدا ہو خدا نگو آستہ وہ اور دشمنی مشائیکہ لباس کعبہ علی کے قدم جان وحشت پیری عرصہ آفاق تنگ تھا	رحمت کہ عذر خواہ اسے سوال ہو ای شوق منفعی ایہ تنجھے کیا خیال ہو ناپ زیں ہو یہ نہ کذاب غزال ہو دیرا زمین کو عرق انفعال ہو
--	---

ہستی کے مستی میں آجائو اسدل
عالم تمام حلقہ دایم خیال ہو

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو دکھو دگر پوچھو
عذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دہنی ہو
ولایہ دور و دالم بھی تو منستم ہو کہ آخر
نگریہ سحری ہو نہ آہ نیم مشبی ہو

لے اس شعر میں آئینہ پروا کی قائل رحمت ہو اور اس کی تشریح ہو۔ ای خدا تیری رحمت کس پرے
میں آئینہ پروا نہ داند یعنی اپنی آرائش میں معروف ہو کہ سب سے سوال عذر خواہ ہو کہ میں نے سوال
انکس کیوں نہ کیا۔ ۱۲
عبدالباس کعبہ کو مشکیں اس کے غلام سیاہ کی صحبت سے کہا اور یہ رعایت بھی ملحوظ ہو کہ جس طرح
سے مشک کی خوشبو پھلتی ہو اسی طرح کعبہ کی برکت دنیا میں پھیل رہی ہو۔ دوسرے معرود میں مشکیں
کی رعایت سے نزاع غزال کا لفظ استعمال کیا ہو مطلب یہ ہو کہ کعبہ کی برکت جو مشک کی طرح دنیا
میں پھیل رہی ہو اس کی وجہ یہ ہو کہ میر ظہیر حسین حضرت علی اس میں پییا ہو گئے ہیں ۱۲

ایک جا عرف و بنا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہر کا غور سے خط کا غلط پر وار ہو
جی جلدی ذوق فنا کی ناتما می پر نہ کیوں
ہم نہیں جانتے نفس ہر چہ آتش بار ہو
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہو صدا
ہر کوئی داما ندگی میں نالے سی ناچار ہو
ہو وہی بد ہستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے چلے سے زمین تا آسمان سرشار ہو
مجھ سے مت کہہ تو نہیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مراد ہی ان دنوں بےزار ہو

ہر منٹ میں کڑے چن کچے سے وہ میر ۱۳۲ گنڈھا بھی کہا روں بدلنے نہیں دیتے

میری ہستی فضلے حیرت آبا و تمنا ہو

جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عتقا ہو

خزاں کیا؟ فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہیں؟

وہی ہم ہیں قفس ہو۔ اور ماتم بال وہ کہ ہو

دفاٹے دلبراں ہو اتفاق نہ رہے ہم ہم

اثر فریا و دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہو؟

نہ لے شوخی اندیشہ۔ تاب رنج نو میدی

کف افسوس رست عہد تجدیہ تمنا ہو

کہ قدرت عالم بھی ممکنات جوئی الواقع معدوم کھن ہیں ان کی بدستی و غفلت کا ہر خونہ وہی ہے

میر کے پر تو وجود سے تمام کشما! معدوم وجود کا دم بھرتی ہیں ۱۲

۱۵ اس شعر میں سوا کن بھاہ لے کے محاورے کے کوئی تخیل نہیں جو ہر لے کے ساتھ کہ بھاہ لے لے ہیں

اور دینے کے ساتھ کا نہ بھاہ خیال کے اعتبار سے شعر کلام غالب کے پایہ سے گرا ہوا ہے اور ماریے دیوان

میں صرف یہی ایک شعر ایسا ہو ۱۶ شاعر نے اپنی ہستی کو حیرت آبا و تمنا کی فضا اور چونکہ حیرت کے

عالم پر انسان کے منہ سے آواز نہیں مل سکتی اس لیے کو اس نے عالم حیرت کا عتقا فرمایا ہو مطلب

یہ تو کہ وہ اپنی تمنا میں ایسا ہو کہ کتنا کتب منہ سے نہیں مل سکتا ۱۷

۱۸ شاعر کہتا ہے کہ میری نگر کی شوخی سے ناامیدی اور ہوس کا صدر نہیں اٹھ سکا۔ اگر ناامیدی

کے بعد کف افسوس بھی ملا تو وہ گویا تجدیہ تمنا کا بیان ہو گیا۔ یعنی جس حیرت کا افسوس کیا پھر

اسی کی تمنا کی۔ عاشق کی اتہائے ہوا ہوس کا بیان ہو۔ کف افسوس لے کے ساتھ خود

عہد تمنا کہتا اس لیے بھی دیا ۱۹ ہر لفظ ہو گیا ہو کہ عہد باندھنے کے وقت ہاتھ پر ہاتھ

مارتے ہیں ۱۲۔

<p>عشق مجھ کو نہیں۔ وحشت ہی سی! قطع کیجے نہ تعلق ہم سے! میرے ہونے میں ہو کیا رسوائی؟ ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے اپنی مستی ہی سے ہو جو کچھ ہو عمر۔ ہر جذبہ کہ ہو برقی خسرو ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں؟ کچھ تو ہے ای فلک نا انصاف ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے</p>	<p>میری وحشت۔ تری شہرت ہی سی کچھ نہیں ہو۔ تو عبادت ہی سی اور وہ مجلس نہیں بغاوت ہی سی غیر کو تجھ سے محبت ہی سی آگئی گر نہیں غفلت ہی سی دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سی یہ سی عشق معیبت ہی سی آہ و فریاد کی خصلت ہی سی بے نیازی تری عادت ہی سی</p>
---	--

یار سے چھوڑ چلی جائے اس

گر نہیں وصل۔ تو حسرت ہی سی

لے آوہ“ وہی کا محاورہ ہے اور مرزا داغ کے وقت تک پایا جاتا ہو۔ واقعہ فرماتے ہیں
 سقا اور وہ دست نام سی خلعت و غرت نہ سی جو عطا غیر کو ہر وہ مجھے امداد نہ ہو۔ بعض شاعرین
 کا غالب کے اس محاورہ پر اعتراض کرتا رکھتا ہے ۱۲۔

۱۳۔ یہ شعر حقیقتاً مرزا کے اُن اشعار میں ہے جو سہل متنع سمجھے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے
 ارباب معنی ایسے اشعار کے ادراک کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ واقعی یہ شعر حقیقت عرفانی کا
 ایک آئینہ ہے اور تصوف کے ایک بڑے مسئلہ کو مرزا نے اس میں حل کیا ہے۔ ہر وہ جو یو ی
 علی احمد خاں صاحب اسیراہ یونی نے اس کا مطلب اس طرح ادا کیا ہے کہ اپنی مستی سے آگاہی کا تعلق
 حدیث نبوی (من عرف نفسه فقد عرف ربه) کے موافق عرفان الہی کا ذریعہ ہے اور اپنی
 مستی سے غافل ہونا بھی تمام احادیث اور اقوال صوفیہ کے موافق و حاجت دہانی کا اعلیٰ پایہ ہے

غیر کو۔ یا رب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
 گرچہ ابھی اُس کو آتی ہو۔ تو شرابا جائے ہو
 شوق کو یہ لبت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہو
 دوزخ چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ!
 نغمہ ہو جاتا ہو اس۔ گزرا نہ میرا جائے ہو
 گرچہ ہو طرز تعافل ہو وہ دہرا رہا از عشق
 پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہو
 اس کی بزم آرائیاں سن کر۔ دل رنجوریاں
 مثل نقش بدعائے غیر۔ پیٹھا جائے ہو
 ہو کے عاشق وہ پری رنج۔ اور نازک بن گیا
 رنگ کھلتا جائے ہو۔ جتنا کہ اڑتا جائے ہو

لے بٹھا ہرچیا آتا اور شرابا جاتا ایک ہی بات معلوم ہوتی ہو۔ لیکن شاعر نے ان دونوں لفظوں کو
 ایک ہی مصرعہ میں جمع کر کے کمال شاعرانہ نزاکت کا اظہار کیا ہو مطلب یہ ہو کہ اگر اس کے غیر کی
 گستاخی اور خواہش بجا سے حیا بھی آتی ہو تو وہ اس کے ساتھ تکرار کرنے سے شرابا جاتا ہو "۔
 طرز تعافل، یعنی عاشق کا تعافل جو پردہ دار عشق کی غرض سے برتا جائے شاعر کہتا ہو کہ ہم
 اپنے معشوق کے سامنے اس طرز سے رہتے ہیں کہ اُس پر ہمارا عشق افشا نہ ہو یہی عاشق
 کا تعافل ہی لیکن ہمارے کھوئے جاتے ہیں دہنی از خود رفتہ ہو جاتے ہیں کہ وہ فوراً
 ہمارے عشق کو پا لیا ہو مثلاً "پیٹھا جائے ہو" کے اس شعر میں دو معنی دکھائے گئے
 ہیں۔ نقش بدعائے غیر یعنی مطلب بد آتا۔ دل پیٹھا۔ یا تو اس ہو نا یہ سبب بے طاقتی۔
 مگر آخر ہذا کر معنی زیادہ قرین قیاس اور بامحاورہ ہیں۔ ۱۲

نقش کو اس کے منصوبہ پر بھی کیا کیا ناز ہیں !
کھینچتا ہو جس قدر۔ اتنا ہی کھینچتا جائے ہو

سایہ میرا مجھ سے مثل دو دیکھا گئے ہو
پاس مجھ آتش بہ جاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہو

۵۱ گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
نفسیہ و نقد و دو عالم کی حقیقت معلوم
تب اماں بھرنی ہی بڑا دیالی نے مجھے
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے
کرویا۔ کافر ان اصنام خیالی نے مجھے
عجب آرام دیا بے پروا بالی نے مجھے

۵۲ کارگاہ ہستی میں۔ لالہ۔ داغ سماں ہو
۵۳ برق خرمین راحت بخون گرم دہقاں ہو

۱۲ لے لکھنچتا جائے ہو، اکڑتا جائے ہو (بوجہ ناز) ۱۲
۱۳ شکل نہالی کو دیکھ کر مجھے معشوق کی یاد آگئی اور میں گرم فریاد ہو گیا۔ اور اس گرمی فریاد
کے سبب سے مجھے شب ہمارے ہجر کی سردی سے اماں علی ۱۲
۱۴ مطلب یہ ہو کہ میری ہمت اس قدر بلند ہو کر اس نے لفظ دنیا اور فیہ عینی کے عوض میں مجھے
فروخت کرنا گوارا کیا اس لیے میں اپنی ہمت عالی کے پاس رہا یعنی عالی ہمتی کے سبب بھلا
رتبہ دونوں عالم سے بالاتر ہو ۱۳
۱۵ سخن مرزا نے شرف لایا اور اس کے بعد کے دو شعروں کی شرح لکھتے ہوئے عود ہندی میں لکھا ہو کہ
"قبلاً تہ اے فکر سخن میں پیدل داسیر و شوکت کے طرز پر ریختہ لکھا چھا چھا پانچ ایک غزل کا
نقل یہ تھا کہ طرز پیدل میں ریختہ لکھا ہوا اس کے خاں قیامت ہو۔"

غنجہ تاشکفتن ہا۔ برگ عافیت معلوم ہم سے بچے تابی کس طرح اٹھایا جائے؟	باوجود جمعی خواب گل پریشاں ہو داغ پشت عجز شعلہ خشن دندان ہو
--	--

آگ رہا ہو درو دیوار سے سبزہ غالب	۱۵۰ ہم بیاباں میں ہیں اور سگر میں بہا آئی ہو
----------------------------------	---

۱۵۵
ساوگی پراس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہو
میں نہیں چلتا کہ پھر غنجہ کھٹ قاتل میں ہو

پندرہ برس کی عمر سے بچپن میں ہی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا دس برس میں بڑا دیوان جمع کیا
آخر جب تیر آئی تو اس دیوان کو دہرایا۔ اور ایک فلم چاک کیے دس پندرہ شعر واسطے نوٹ کے
دیوان حال میں رہتے رہتے، ایسے ہی تینوں شعر بھی انھیں دس پندرہ اشعار میں سے ہیں جن کی
طقت سطر۔ ہالامیں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کا مطلب مرثیہ لکھنے کا ایک خط میں چھوڑ دیا تھا۔ المیزان
شاگر کے نام عود منہ، ہی میں چھپا ہوا اس طرح لکھا ہے: کا گاہ مستی میں انجمن داغ سامان مثل غم
انجمن وہ شخص کہ داغ جس کا سراپا دسامان میں موجود دینا لالہ کی منحصر تاشکفتن داغ پر ہر درہ رنگ
تو اور پھولوں کا بھی لال ہونا ہے پھر یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کا دھشت یا فادہ چھوڑ دیا جاتا ہے وبقان کو
جو تے بنے پانی دینے میں شقت کرنی پڑتی ہے اور یا غبت میں ہو کر مہر جاتا ہو مقصود شاعر کا یہ ہے
کہ جو دمض رنج و غنا ہو مزاج کا وہ ہو جو کشت و کار میں گرم ہوتا ہو وہ ہی لالے کی ماحبت کے
خوشن کا برق ہو۔ حال موجود دینا داغ اور داغ مخالفت را حمت اور صورت رنج (۲) غنجہ تاشکفتن
کی جب نئی نیکلے صورت قلب صوبہ ہی نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ عافیت معلوم
یہاں معلوم بمعنی معدوم ہے اور برگ عافیت بمعنی مایہ آرام مہرۃ "برگ عیشے" بگوئے خوش دوست
برگ اور سرور برگ بمعنی سادہ و سامان خواب گل و شخصیت گل باعتبار خموشی و پر جا ماندگی پریشانی
ظاہر ہو یعنی شگفتگی وہی پھول کی پیکھڑوں کا کھرا ہوا ہونا غنجہ بصورت دل جمع ہو۔ باوجود جمعیت
دل گل کی خواب پریشاں ہو (۳) شعر سویم) ہم سے رنج نچ۔ پشت دست صورت عجز اور

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا؟
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہو
 گرچہ ہو کس کس بُرائی سے ولے با ایں ہمہ
 ذکر میرا مجھ سے بہتر ہو کہ اس محفل میں ہو
 بس ہجومِ ناسبِ دی خاک میں مل جائے گی
 یہ چاکِ لذت ہمارے سعی بے حاصل ہیں ہو
 بچ رہ کیوں کھینچے واما ندگی کو عشق ہو
 اُمٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہو
 جاوہ زار آتش و دوزخ - ہمارا دل سہی
 فتنہ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہو

خس بہ دنیاں و کاه بہ دنیاں گرفتار بھی اظہارِ عجز ہو پس جس عالم میں کہ دل غم نے پشت
 زمین پر رکھ دی ہوا و رشتہ نے شکا و انتوں میں لیا ہو ہم سے بچ و اضطراب کا تحمل کس
 ہو، مطلب ہو کہ اس بچ کے ہوا شست کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں ہوا یہ ہمیں مال
 کر دے گا ۱۲۔

۱۳۔ یہ خیال عین کو غالب نے اس شعر میں ادا کیا ہو کوئی نیا خیال نہیں ایک پیش پا افتادہ خیال ہو
 چنانچہ ایک فارسی شاعر شرفِ قزوینی فرماتے ہیں کہ بہت حدِ منت بجاں، نہ فہم نہ ہنگام
 چوں ہر ایں تقریبی آہ و بیاہ او مراد لیکن غالب کی حیثیت بندش اور زوانی نے ایک ایسے
 خیال کے اظہار میں جو ہر شخص کے دماغ میں آسکتا ہو کمال کر دکھایا ہو۔ غالب نے اپنی موجودگی پر اپنے
 ذکر کی ترجیح ثابت کر دی ہو جو فارسی شعور میں نہیں ہو ۱۴۔

۱۵۔ شاعر کہتا ہو کہ واما ندگی کو ہمارے قدم سے عشق ہو گیا ہو اور اس وجہ سے ہمارا جو قدم منزل
 کے راستہ میں ہو (منزل سے راہ منزل مراد ہو) آگے نہیں بڑھ سکتا اور اس لیے سست ہو گیا ہو۔

ہو دل شوریدہ غالب طلسم پیچ و تاب
رہم کر اپنی تمنا پر کہ کس شکل میں ہو

دل سے تری نگاہ جگ تک اتر گئی	دو نوں کو اک ادا میں ضامنہ کر گئی
شوق ہو گیا ہو سینہ خوشالذبت فراغ	تکلیف پر وہ داری زخم جگر گئی
وہ بادہ شبانہ کی مستیاں کہاں	اٹھیں بس لب کہ لذت خواب سحر گئی
اڑتی پھرے ہو خاک مری کوئے یار میں	بائے لب یاد ہوا ہوس بال نہ پر گئی
دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا	موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر دوا ہوس نے حسن پستی شعار کی	اب آبروئے مشیوہ اہل نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا دال نقاب کا	مستی سے ہر نگاہ نے رخ پر بکھر گئی

۱۱۔ غالب نے اس شعر میں معشوق سے اپنے ارمان کا لےنے کی درخواست نہایت انوکھے طریقے سے کی ہو دوکتا ہو کہ غالب کا شوریدہ دل جس میں تیری تمنا پھنسی ہوئی ہو ایک پیچ و تاب طلسم ہو اپنی تمنا پر رہم کر اور میرا رمان نکل جانے دے ۱۲۔

۱۳۔ بادہ شبانہ سے جوانی مراد ہو اور سحر سے پیری کی طرف اشارہ ہو مطلب یہ ہو کہ بڑھاپے میں جوانی کی ہوس بیکار نا ہوا ہوس ۱۴۔

۱۵۔ گل کتر نا یعنی شکوہ چھوڑنا یعنی کوئی فساد کی بات کر کے آپ علیحدہ ہو جانا ۱۶۔
۱۷۔ شاعر معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہو کہ تیرے رخ پر پوچھ کر لگاؤ ایسی مسیت و خود رفتہ مرنی کہ دیکھنے والے لذت دید سے محروم ہو گئے ۱۸۔

فردوسی کا تفرقہ بیکبار مٹ گیا | کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزری

مارا زمانے نے اس اللہ خاں تمہیں
وہ دوسلے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟

۱۵۷

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر نے
حورانِ خلد میں تری صورت اگر ملے
بہی گئی میں مجھ کو نہ کروں بس بے قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی مشرم کرو۔ آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں۔ مگر جس قدر ملے

لے دی یعنی کل گزشتہ فردا بمبئی کل آنے والوں اور فردائے حشر سے بھی مراد فی جاقز اور
قیامت گزرتا نہایت سختی گزرتا یا خود قیامت کا آجنا۔ مطلب یہ کہ گزشتہ سے ہوئے کل
جس وقت تم ہمارے پاس سے نصرت ہوئے اسی خود فراوانی اور خود رفتاری ہوئی کہ آج
۱۲۔ کل یعنی ماضی و مستقبل کی تمیز باقی نہ رہی۔
۱۳۔ تسکین کو ہم نہ روئیں۔ تسکین دل کا غم نہ کریں۔
۱۴۔ میرے پتے سے۔ میرے دفن کے پتے سے۔
۱۵۔ ساقی گری کی مشرم کرو۔ چھٹا کر پلاؤ۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اسے ندیم
 سیر اسلام کہیو۔ اگر نامہ برسے
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
 فرصت کشاکش غم پہاں سے گرے
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
 جانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر ملے
 اوسا کنان کو چہ دلدار دیکھنا!
 تم کو کہیں جو غالب آشفہ سرے

کوئی دن گر زندگانی اور ہو | اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہو

ملے کچھ کلام نہیں۔ کچھ شکایت نہیں۔ سدا بہرہ سدا مشکبہ آمیزہ اس شعر کا مطلب خود مرزا نے
 ایک خط میں لکھا ہے جو نہایت دلچسپ ہے۔ اس خط میں اس کو بلا نظر کرتے ہوئے
 کو ایک تہ بند کی ضرورت ہوئی یا طے کیا کہ تو سدا کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے ایک دوست
 اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ یہ دوستی و سعادہ وہ معتد الیہ ہے میں
 ہوں کہ اسی مرگستہ کر کے گریگا خیر توں سے ہاتھ خط بھیج گیا۔ تھرا عاشق کا زمان بھی ہوا۔ حق حسد
 کہتے ہیں الیہ کو دیکھ کر والا و شہادت ہو گیا۔ کیسا خط کیسا جواب دیوانہ بن کر پڑے پھاڑ۔ جنگل کو دیدیا
 اب عاشق اس و غیب کے وقت کے ہمارے ندیم سے کہتا ہے کہ غیب دہاں تو خدا کو کسی کے یا ظن کی کسی کو
 کیا ہوا ہے؟ اسی ندیم تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن اگر نامہ پر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صفا
 تم کی ایک دہرہ سے عاشق نہ ہونے کے کہتے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟ ماسک میرزا اپنے ایک خط میں اس
 شعر کے متعلق لکھتے ہیں اس کی کوئی اشکال نہیں چلتی ہے وہی شعر ہے شاعر اپنے مقصود کیوں بتا دے کہ میں نے
 میرزا کو کچھ کر دیا۔ خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں کیا کیا فریق ہو کر بیٹھ رہے یا دس چوڑ پر دس چاہلے

<p>سو ز غم ہائے نہانی اور ہو پر کچھ آب کے سرگرائی اور ہو کچھ تو پیغام نہ بانی اور ہو وہ بلائے آسمانی اور ہو</p>	<p>آتشِ دوزخ میں پگھلی کہاں؟ بارہا دیکھی ہیں اُن کی رخشیں دے کے خطِ منہ دیکھتا ہوں نامہ بر قاطعِ اعمار ہیں کس شجرِ نجوم</p>
	<p>ہو چکیں غالبِ بایں سب تمام ایک مرگِ ناگسائی اور ہو</p>
<p>کوئی صورتِ قنر نہیں آتی نیند کیوں رات بھر نہیں آتی اب کسی بات پر نہیں آتی پر طبیعتِ روضہ نہیں آتی ورنہ کیا بات کر نہیں آتی میری آواز گر نہیں آتی</p>	<p>کوئی اُمیدِ بر نہیں آتی موت کا ایکس دن میں ہو آگے آتی تھی حالِ دل پہ منسی جانتا ہوں تو اب طاعت و زہد ہو کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں کیوں تیجیوں؟ کہ یاد کرتے ہیں</p>
<p>۱۱۔ اعمار پر جمع عمر مطلب یہ ہو کہ نجوم کے ستاروں کے اثر سے بھی عربی قطع ہو جاتی ہیں لیکن بلائے آسمانی اس سے کہیں بڑھ کر ہو آسمان کے انتہائے ظلم کی طرف اشارہ ہو ۱۲ ۱۳۔ دوسرے معرعہ میں نیند کے لفظ کو زور دیکر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہو ۱۴</p>	<p>۱۵۔ پگھلی کہاں یہ استفہام انکاری ہو ۱۶ ۱۷۔ اعمار پر جمع عمر مطلب یہ ہو کہ نجوم کے ستاروں کے اثر سے بھی عربی قطع ہو جاتی ہیں لیکن بلائے آسمانی اس سے کہیں بڑھ کر ہو آسمان کے انتہائے ظلم کی طرف اشارہ ہو ۱۸ ۱۹۔ دوسرے معرعہ میں نیند کے لفظ کو زور دیکر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہو ۲۰</p>

داعِ دل گر نظر نہیں آتا ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی مرنے میں آرزو میں مرنے کی	بد بھی اسے چارہ گر نہیں آتی؟ کچھ ہماری خبر نہیں آتی موت آتی ہو پر۔ نہیں آتی
---	---

کیسے کس منہ سے جاؤ گے۔ غالب
شہرِ تم کو مگر نہیں آتی

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں جب کہ تجھ پر نہیں کوئی موجود پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ لیکن زلفِ عنبریں کیوں ہوں؟ بہرہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ہم کو ان سے دنیا کی ہوا امید	آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ یا الٰہی یہ ماجہ کیا ہے؟ کاش پوچھو کہ "بدعا کیا ہے؟" پھر ہنگامہ اسے خدا کیا ہے؟ غمرہ و عشوہ واد کیا ہے؟ مگر چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟ ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟ جو نہیں جانتے۔ دفا کیا ہے؟
---	--

۱۰۔ دوسرے مصرعہ میں استفہام افراہی ہو چاہے کہ انہی پر تشبیہ کی گئی ہو کہ اگر تجھے دلِ غول نظر
نہیں آتا تو کیا بوسے سوخت بھی نہیں آتی یعنی بوسے سوخت تو ضرور آنا چاہیئے ۱۲
۱۱۔ مصرعہ اول میں "مرنے میں" یہ معنی دل و جان سے چاہتے ہیں آیا کہ دوسرے مصرعہ کا مطلب
یہ ہو کہ موت ہمارے پاس تک تو آتی ہے لیکن ہم پر اپنا غل نہیں کرتی یعنی ہماری جان نہیں لیتی ۱۲

ہاں بھاگ کر ترا بھلا ہو گا	اور درویش کی صد کیا ہو؟
جان تم پر نشا کرتا ہوں	میں نہیں جانتا۔ دعا کیا ہو؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہو؟

کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالب ہو آئے^{۱۹۱}
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے
ہوں کشمکش نزع میں۔ ہاں۔ جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکوں۔ پردے پوچھنے کو آئے
ہر صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
آنا ہی۔ سمجھ میں مری آتا نہیں۔ گواہ
خاہر ہی کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نیکرین
ہاں منہ سے نگر بادہ ووششہ کی ہو آئے
جڑا دے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم نہ تھے ہوئے ہیں اُسے جس رنگ میں آئے

۱۹۱ بادہ ووششہ: رات کی پی ہوئی شراب۔
۱۹۲ شاخ: اس شعر میں اُس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ سرخ اور نیلے رنگ کی حرکت ہو اس
مصرعہ ثانی میں عام دیوانوں میں یہی لفظ لکھا ہو مگر مولانا عالی نے اپنے مقدمہ میں دیوانِ حالی میں "نیل" لکھا ہے یہی

ہاں اہل طالب کون سے طعنہ نہایت
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
 اُس ور پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے
 کی ہم نفسوں نے اثر گر یہیں نقشہ پر
 اچھے رہے آپ اُس سے۔ مگر مجھ کو ڈبو آئے

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہی غالب
 ہم بھی گئے وہاں اور تری تقدیر کو روئے

پھر کچلک دل بے قراری ہو	۱۶۱	سینہ چپائے زخم کاری ہو
پھر جگر کھوئے لگا ناخن		آہِ فصلِ لالہ کاری ہو
قبر مقصدِ نگاہ نیاز		پھر وہی پروہ عماری ہو
چشمِ دلالِ جنسِ رسوا فی	ق	دل خریدارِ ذوقِ خواری ہو
وہی صبرِ ناسِ نالہ فرسائی		وہی حد کو نہ اشکِ باری ہو
دل آہ اسے خرابم ناز سے پھر		محشرِ ستانِ بیہِ قراری ہو
جادو پھر غرضِ ناز کرتا ہو		رو نہ ہائے ابرِ جان سپاری ہو

صحیح سلیم ہوتا ہو ۱۶۔ طے اثر گر یہ۔ اثر گر یہ کے باب میں مجھ کو ڈبو آئے۔ میری ذلت کر آئے ۱۶
 لکھ روزِ ناز اور ۱۶۔ بازارِ نازوں یعنی پیشہ ۱۶۔

پھر وہی زندگی ہماری ہو	پھر سی بے وفا پہ مرتے ہیں
گرم باز اور فوج داری ہو	پھر گھوا ہو دیر عیالستِ نات
زلفت کی پھر شیش داری ہو	ہو رہا ہو چمان میں اندھیر
ایک فریاد آہ و زاری ہو	پھر دیا پارہ جگر نے سوال
اشک باری کا حکم جاری ہو	پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
آج پھر اس کی رو بکاری ہو	دل و شرکاں کا جو مفت نہ تھا

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہو جس کی پردہ داری ہو

۱۶۳
جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو۔ گریٹ شادمانی کی
نمک پاش خراشِ دل ہو۔ لذتِ زندگی گانی کی

۱۔ شادمانی کی۔ شادمانی حاصل کی شاعر گستاخ ہو کہ غمخواری ہی دیر کو دل نے خوشی حاصل کی تو اس سے ہمارے جنون پر تسکین حاصل کرنے کی تہمت نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ اس فارصنی خوشی نے تو زخمِ دل پر اور بھی نمک چھڑک دیا شاعر نے اس شعر میں اس کا یہ کو نظم کیا کہ تکلیف کی حالت میں اگر غمخواری دیر کو راحت مل جائے تو انسان کو تکلیف اور احتیاج کے مقابلہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور اس وجہ سے اس کو تکلیف کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

کشتا کش ہائے ہستی سے کرے کیا سستی آذادی
 ہوئی زنجیر۔ موج آب کو۔ فرصت روانی کی
 پس از مردن بھی دیوانہ دیارت گاہِ طفلان ہو
 شراب سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

نکو ہش ہو۔ سزا۔ فریادی بے داد و دل برکی
 مبادا خندہ دندان نما ہو صبح۔ محشر کی
 رگِ یلی کو۔ خاک وشت مجنوں۔ ریشگی بخشو
 اگر بودے بجائے دانہ۔ دہقاں۔ نوک نشتر کی
 پر پروانہ۔ شاید بادبان کشتی تو تھا
 ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

ملہ آذادی کسی ہی کی محشر کرے کر ہستی سے آج کوئی آزاد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً موج آب ہو
 کہ اس روانی سے بظاہر اس کی آذادی کا خیال ہوتا ہو۔ لیکن فی الواقع اس کے پانوں میں
 زنجیر پڑی ہوئی ہو۔ شاعر نے اس کی مردن کو زنجیر سے نسبت دی ہو۔ مطلب یہ کہ دنیا
 کے لحاظ سے کشتا کش سے جس قدر آزاد ہونے کی کوشش کی جائے اتنی ہی گرفتاری
 بڑھتی جاتی ہو ۱۲۔ ملامت۔ سرزنش ۱۲۔

تک بٹکی خشنا یعنی گناہ کر ڈھکی ہوتا۔ اس شعر میں مصنف نے اس مشہور قصے کی طرف اشارہ
 کیا جو کہ یلی کی قصہ کے ساتھ مجنوں کی قصہ کو مل گئی تھی مطلب یہ کہ اگر خاک وشت مجنوں
 میں سان دانے کی جگہ نشتر پڑے تو حسن و عشق کے اتحاد کا اثر ہو کہ اس سے رگِ یلی
 اُسکے ۱۲۔ جب مجلس روم ہوتی ہو تو شمع جلتی ہو اور شمع کے لیے پروانہ کا ہونا لازمی
 ہو اور مجلس کی گرمی روانی ساغر کا سبب ہو اس لیے کشتی کو بادبان پر پروانہ کو ٹھہرایا۔
 نتیجہ یہ نکلا مجلس میں دور ساغر اور کشتی کو پہ دانے ہی کی بدولت چلتی ہو ۱۲۔

کروں بے داد و ذوق پر فشا فی عرض کیا قدرت ؟
 کہ طاقت اڑ گئی۔ اڑنے سے پہلے میرے شہ پر کی
 کہاں تک روؤں اس کے نیچے کے چھو قیامت ہو
 مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

<p>بے اعتباریوں سے یکساں ہیں ہم ہوئے یہاں تھا۔ دارِ سخت قریب آشیان کے ہستی ہماری اپنی ہستی پر دلیل ؟ سختی کشان عشق کی پچھے ہو کیا سزا تیری ونا سے کیا ہو تلافی ؟ کہ دہریں لکھتے تھے جنوں کی حکایات غنچاں</p>	<p>جتنے زیا وہ ہو گئے۔ اتنے ہی کم ہوئے ہڑتے نہ پاسے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے یاں تک تھے کہ آبِ حیات ہی قسم تھے وہ لوبہ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے تیرے سوا بھی ہم پہ ہر شے قسم ہوئے ہر خیز اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے</p>
---	---

۱۱۔ شعر سبیل نہیں ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ اڑنے سے پہلے ہی میرے شہ پر کی تو تباہ و داد اڑ گئی
 (داناں ہو گئی) اسب ذوق پر فشا فی کی بے داد بیان سے باہر ہو کہ بھر کنا چاہتا ہوں لیکن
 بھرک نہیں سکتا۔ ۱۲۔

۱۳۔ جتنے زیادہ ہو گئے : جتنے ہم اپنی حد سے بڑھے۔ ۱۴۔

۱۵۔ سخت قریب۔ زیادہ قریب۔ اس شعر میں شاعر نے انسان کی اس حالت کی طرف
 اشارہ کیا ہے کہ آدمی نے جہاں ہوش سنبھالا اور تعلقات دنیاوی میں پھنس گیا۔ ۱۶۔
 ۱۷۔ شاعر اس شعر میں اپنی ہستی کو بے حقیقت ظاہر کرتا ہے کہ وہ برائے نام صرف قسم کھانے
 کو ہی اپنی فی الواقعہ انسانی ہستی تھا کہ برابر ہو۔ ۱۸۔

<p>۱۱۔ اے تالہ دل میں سے، نقش ہمیشے جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے جو اس نہ پہنچ سکے سو وہ یا آل کے نہیں</p>	<p>۱۰۔ اے شری شری تیری غم میں سے ہم سے دل ہوس کی فتح ہو، ترکِ نبردِ عشق نالے غم میں چند ہمارے سپرد تھے</p>
--	--

چھوڑی اسد نہ ہر نے گدائی میں دل لگا
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

۱۹۱۔ جو نقدِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسر دی نہاں ہو۔ یہ کہیں بے زبانی
سب کچھ اس سے کیا توقع؟ یہ زمانہ جو اتنی
کبھی کوئی میں جس نے نہ سنی مری کنا فی

۱۰۔ مرقعِ ہم و یک دوسرے کا مذاق ۱۲۔
۱۱۔ اہل ہوس رقیب۔ پاؤں اٹھنا بھاگ جانا علم ہوئے۔ فتح کا جھنڈا بن گئے ۱۲۔
۱۳۔ کہتے ہیں کہ شعلہ (شعلہ و مجھتا) جو میر سے نقدِ داغِ دل کی محبت کا قوس ادا کرتا ہو
دو تکرارِ دل کو اشرافی سے مناسبت دیتے ہیں اس لیے نقدِ داغِ دل کہا، اگر ایسا نہ
کرے یعنی اسے ٹھنڈا ہو جانے دے تو فسر دی اور خاموشی جو محرومی سے پیدا ہوتی
ہو اسے شاد سے شعلہ کی حمایت سے بے زبانی کا لفظ کہا گیا ہو ۱۳۔

یہ نہیں دیکھ کسی کو دینا نہیں خوب۔ ورنہ کہتا
کہ مرے عہد کو یارب! ملے میری زندگانی

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جو نثر وہ وصال نہ تظار و جمال نہ نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب گو ہر کو عقد گردنِ خواباں میں بکھنا دیدار بادہ حوصاہ ساقی نگاہ مست	اک شمع ہو دلیلِ بحر۔ سو غموش ہو مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہو ای شوق بیاں اجازت تسلیم ہوش ہو کیا اوج پرستارہ گو ہر فردش ہو نرم خیال۔ مگر ہبے خر و ش ہو
---	--

یہ نہیں :- اس لفظ کا اطلاق بعض یوں ہی اور بعض یوں ہی لکھتے ہیں وہ لوگ جو اس بات کی
کوشش کرتے ہیں کہ جو پورا جائے وہی لکھا جائے "نہیں" لکھتے ہیں۔ اس کے معنی
محاورے میں بے سبب کے ہیں ۱۲۔
شب غم کا جوش :- سرانہ میرا ہی اندھیرا۔ اس شعر کی شرح بھی خود مرزا غالب ہی کر گئے
ہیں جس کو ہم نسخہ نقل کیے دیتے ہیں :-

"دو سرا مصرعہ خبر ہو پہلا مصرعہ مبتدا۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی مبتدا۔ چہرا کا غلبہ
بجرا پیدا گویا خلق ہی نہیں ہوتی۔ ہاں دلیلِ صبح کی یاد پر ہو۔ یعنی بجھی ہوئی شمع اس واسطے
کہ شمع و چراغ صبح کو بچھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ کہ جس شوق کو دلیلِ صبح بکھنا
وہ خود ایک سبب ہو چھل اس سبب تاریکی کے پس دیکھا چاہیے کہ جس گھر میں علامت صبح
نہ ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا ۱۲۔ (ادب خود ہندی)

محلِ خیال کو ایک فردش نے مگر کہہ کر اس کا نقشہ دکھایا ہو کہ وہاں دیدارِ شراب ہو
حوصاہ ساقی ہو اور نگاہِ خوار ہو۔ حوصاہ کو ساقی اس لیے کہا کہ تصویرِ معشوق کی حالت میں
عاشق کو اختیار ہو کہ بقدر اپنے حوصلہ کے اپنی نگاہِ شوق کو شربتِ دیدار پلائے ۱۲

قطرہ

زہار! اگر تمہیں ہوسِ نائے دلوش ہو میری سنو! جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہو مطربِ پشتمہ رہنِ تمکینِ ہوش ہو دامانِ باغبانِ وکھٹلِ فروش ہو چہنستِ نگاہ - وہ فروسِ گوش ہو فی وہ سرورِ شورِ نہ جوش و خروش ہو اک شمع رہ گئی ہو سودہ بھی خوش ہو	اوی تازہ وارہ وان بساطِ ہوائے دل دیکھو مجھے! جو دیدہٴ عبرتِ نگاہ ہو ساقی بہ جلوہ - دشمنِ ایمانِ و آگاہی با شیبِ کدو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہٴ بساط لطیفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدِ اچک یا صبح دم جو دیکھتے آکر تو بزم میں داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
--	--

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
 غالب - سرورِ خامہ نوائے سروش ہو

۱۶۰
 نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سی | امتحانِ ادب بھی باتی ہو تو یہ بھی نہ سی

ملے ہوا - خواہش - تازہ وارہ وان بساطِ ہوائے دل - یعنی وہ نوجوان جنہیں خواہشِ نفسانی
 میں مبتلا ہوئے تھوڑا زمانہ گزر رہا ہے - زہارِ کلمہ - ماکہ ہے - فاسے و فوش سے - فی کا
 مشتق اور شراب کا پینا مراد ہے - اس قطرہ میں مصنف نے اپنا حال پیش کر کے نوجوانوں کو پرہیزگار
 کی نصیحت کی ہے اور عیشِ دور و ترہ کی حقیقت کا نقشہ دکھایا ہے - ۱۶۰

خارِ غارِ اہم حسرت دیدار تو ہو جو پرستاشِ غم کی منہ سے نکلتی ہے نفسِ قیس کہ ہر چشم و پسِ رخِ صفا ایک ہنگامہ پر ہوتی ہے گھر کی وقت بستائش کی تہا نہ صلے کی پروا	شوقِ گل چین گلستانِ نسلی نہ سی ایک شانِ گریزِ ہوا بزم میں ہاقی نہ سی گر نہیں شمع سیہ خانہ لیلی نہ سی نوحہ غم ہی سی۔ نغمہ شادی نہ سی گر نہیں ہیں کے شعار میں معنی نہ سی
--	--

عشرتِ صحبتِ خواہاں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سی

عجب نشاط سے جلاؤ کے چلے ہیں ہم آگے ^{۱۶۹}
کہ اپنے سائے سے۔ سرِ پاؤں سے ہو دو قدم آگے
قصا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۃ الفتن
فقط "خراب" لکھا۔ بس نہ چل سکا قلم آگے
غم زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی سستی
وگرنہ۔ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

سہ جھاری نشاطِ عشق کی سستی۔ سب نشے اوتا۔ دے مطلب یہ کہ جب سے دنیا کا
غم ہمارے پیچھے لگ گیا ہے۔ ہم غمِ عشق کا مزہ بھول گئے ہیں۔

خدا کے واسطے - داد - اس جنون شوق کی دینا
 کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
 یہ عمر بھر پریشانیاں اٹھاتی ہیں ہم نے
 تمہارے آئینہ - اک طرہ ہائے خم یہ خم آگے
 دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موج غلوں ہو
 ہم اپنے زعم میں سمجھتے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم خاڑے پہ آنے کی میری کھاتے میں غالباً
پیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوے کے نام سے بے ہر خا ہوتا ہے ۱۵
 پرہیز میں شکوے سے پرانگ سے جیسے باجا
 گو سمجھتا نہیں۔ چرسن تلافی دیکھو
 عشق کی راہ میں ہر چیخ کو کب کی وہ

یہ بھی مت کہہ کہ جو کہتے تو گلا ہوتا ہے
 ایک ذرا چھڑے۔ پھو کھینے کیا ہوتا ہے
 شکوہ ہر سے سرگرم جہا ہوتا ہے
 مست رو جیسے کوئی ابلہ ہوتا ہے

۱۲۔ جب ہم معشوق سے اس کے جور کا شکوہ کرتے ہیں اگرچہ وہ سمجھتا نہیں مگر حسن
کافی قابل دہی ہو کہ وہ ظلم پر اور بھی آمادہ ہو جاتا ہے ۱۳۔
۱۴۔ چونکہ گلاب و آسمان ستارہ دار چرخ و گلوب کہہ کر اس کو ایسا پاتلا ہر
کیا ہے اور ستاروں کو تیلوں سے تشبیہ دی ہے ۱۵۔

کیوں نہ ٹھہریں ہر دن ناوکے داد کہ ہم	آپ اٹھلاتے ہیں۔ گریہ تر خطا ہوتا ہی
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے چاہ	کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہی
نالہ جاتا تھا میرے غم سے میرا اور اب	لسانک آتا ہی جو ایسا ہی سا ہوتا ہی
خامد میرا کہ وہ ہو یا بہر بزم سخن	شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہی
ای شہنشاہ کو اکب سپہ و مہر علم	تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہی
سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے	تو وہ لشکر کا ترے نفل بہا ہوتا ہی
ہر مہینے میں جو یہ پدر سے ہوتا ہی ہلال	استناں پر تہ سے مہنا صید سا ہوتا ہی
میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں	یہ بھی تیرا ہی کرم۔ ذوق فرا ہوتا ہی

رکھیں غالب مجھے اس تلخ خوانی میں مٹا
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہی

ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہی؟" ۱۱ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہی؟
نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۱۲ کوئی بناؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہی؟

۱۱ بار بار یہ ایرانی کے ایک مشہور گانے والے کا نام ہی ۱۲۔
۱۱ نفل بہا۔ وہ روپیہ جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اس غرض سے ادا کرے کہ وہ
اس کے ملک سے اپنی فوج کو واپس لے جائے ۱۲۔
۱۱ ذوق فرا۔ ذوق فرحانے والی۔ یہ لفظ یہاں پر دو معنی ہی بادشاہ ظفر اپنے استاد ذوق
کو اکثر مثنویوں پر غالب کیسے بڑھا کرتے تھے مثنوی معنی کے سوا اس طرف بھی اشارہ ہی ۱۳

<p>دگر نہ غوث بد آموزی عدو کیا ہو؟ ہماری جیب کو اب حاجت فو کیا ہو؟ کریدتے ہو جواب کلمہ مستحق کیا ہو؟ جب آنکھ ہی سے نہ پکا تو پھر لو کیا ہو؟ سولے باد اکل فام مشک ہو کیا ہو؟ پیشہ دفعہ دکانہ و سب ہو کیا ہو؟ تو کس اُمید پر کہتے کہ آرزو کیا ہو؟</p>	<p>یہ رشک ہو کہ وہ ہوتا ہو ہم سخن تم سے چپک رہا ہو بدن پر اوسے پیرا من جلا ہو جسم جہاں۔ دل بھی جل گیا ہو گا رگوں میں دھڑکتے پھرنے کے ہم نہیں قائل وہ چیز جس کے لیے ہم کہہ بہشت تریزہ پیوں شراب اگر ختم بھی دیکھ لوں دو چار یہی نہ طاقت گفتار۔ اور اگر ہو بھی</p>
	<p>ہوا ہو شک کا صاف ٹکے ہو اتراتا دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہو؟</p>
<p>جل نکلتے جو مڑ پیے ہوتے کاشکے۔ تم مرے لیے ہوتے دل بھی یارب اکی دیے ہوتے</p>	<p>ہیں انھیں چھڑوں۔ اور کچھ نہ کہیں تم ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو میری قسمت میں غم اگر اتنا تھا</p>
	<p>آہی جاتا وہ راہ پر غالب کوئی دن اور بھی بیچے ہوتے</p>
<p>۱۷۱ طاقت بے داوانظار نہیں ہو</p>	<p>۱۷۲ کہ مری جان کو قرار نہیں</p>

دلہیتے ہیں جنت جیلت ہر کے بلے گر یہ نکالے ہو تری بزم سے مجھ کو ہم سے عبت ہو گمان رنجش خاطر دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی قتل کا میرے عہد تو گیا ہی بارے	لشہ پر اندازہ غمار نہیں ہو ہائے اکہ روئے پر اختیار نہیں ہو خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہو غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہو وائے! اگر عہد استوار نہیں ہو
--	--

تو نے قسم دیکشی کی کھائی ہو غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہو

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہو
کہ تار و امن و تارہ نظر میں فرق مشکل ہو
رفوئے زخم سے مطلب ہو لذت زخم سوزن کی
بھیومت کہ پاس درد سے دیدار غافل ہو

۱۔ عیادت و ہر میں شاعر نے ان تکلیفوں کی حریت اثناء دیکھا ہے جو انسان کو اس دنیا کی زندگی
میں اٹھانا پڑتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ ان سخت تکلیفوں کے بدلے جنت کا ملنا انسان
کے حق میں ایسا ہے جیسے کسی کو بیمار کی زیادہ تکلیف اٹھانے کے بعد تھوڑی سی شراب
مل جائے۔ ۲۔
۳۔ لطف اٹھا۔ لطف حاصل کر۔ اس شعر میں شاعر نے بیمار کی ناپاٹاری کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دل سے جلوہ ہائے معانی کا مزہ یعنی لطف سخن حاصل کر
دجوبے خزاں ہی کیونکہ آئینہ ہمار میں گل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور گل کی ناپاٹاری ہی ہر اک ۱۲

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چمکنا غنچہ دل کا صدائے خندا دل ہی

پاؤں دامن ہو رہا ہوں۔ بس کہ میں صحرا نور د
خارِ پاؤں ہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہی نگاہ آشنا تیرا سر ہر سو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہی یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کا لبید صورت دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھریں سر و ہنوبر
تو۔ اُس قدر دل کش سے جو گلزار میں آوے
تب ناز گراں مانگی رشک بجا ہو
جب لخت جگر ویدہ خوں بار میں آوے

لے گفتار میں آوے بتا رہی محاورہ کا ترجمہ ہی۔ اردو میں نہیں بولتے۔ اس کے معنی ہیں
بات چیت کر کے ۱۲۔

دے تجھ کو شکایت کی اجازت کر ستمگر!
 کچھ تجھ کو مزہ بھی مے آزار میں آوے
 اس چشم فسون گر کا اگر پائے اشارہ
 طوطی کی طرح آنکھ گفتار میں آئے
 کانٹوں کی دیاں سوکھ گئی پیاس سے یارب
 اک ابلہ پاوا دی پڑ خار میں آئے
 مریاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنہا رنگ
 آنفوسش خم حلقہ ڈوتا رہیں آئے
 غارت گردنا موس نہ ہو گر ہو سس نہ
 کیوں شاہر گل باغ سے بادا رہیں آئے
 تب چاک گریباں کا مزہ ہو دل نالاں
 جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آئے
 آتش کدہ ہو سینہ مرا۔ راز نہاں سے
 اےوائے! اگر معرض اظہار میں آئے

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
 جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں ہے

حسن۔ گرچہ ہنگام کمال چھاہی | اُس سے ہر امو غر شید جمال چھاہی

ہوسہ دیتے نہیں۔ اور دل پہ ہر خطہ نگاہ
 اور بادار سے لے آئے۔ اگر ٹوٹ گیا
 بے طلب و ترقی فراش میں سو املت ہو
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہو منہ پر رو
 دیکھیے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض؟
 ہم سخن تیشے نے فربا و کوشیریں سے کیا
 قہار وریا میں مل جائے تو دریا ہو جائے
 خضر سلطان کو کرے خالق اکبر کسبِ نیر

جی میں کہتے ہیں کہ منہ سے تو مال اچھا ہو
 ساغرِ جم سے مراجعہ سقاں اچھا ہو
 وہ گدا جس کو نہ ہونے سے سوال اچھا ہو
 وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہو
 ایک برہمن نے کہا ہو کہ یہ سال اچھا ہو
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو گمال اچھا ہو
 کام اچھا ہو وہ جس کا کمال اچھا ہو
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہو

ہم کو معلوم ہو جنت کی حقیقت لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو غالت خیال اچھا ہو

لہ اس شعر کی نسبت کہا جاسکتا ہو کہ اس کا ماحذ عرفی کا یہ شعر ہے کہ لازم ہست بادہ کشیدن
 ز جامِ زہر و مفصود کو گر نیست قصور سقاں چسیت۔ لیکن غالت خیال کے اس شعر اور
 جامِ سقاں کا مقابلہ کر کے جامِ سقاں کو جس طریقہ سے مرتجی ثابت کیا گیا ہو وہ عرفی کے
 بہال نہیں ہو ۱۲

لکھ فسوفی تبریزی شاعر نے قریب قریب اسی خیال کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے کہ
 باوچو میرسم آسود و حیثوم از دور پندید و حال مرا وقت بے قراری چسیت لیکن
 مرا اقبال نے جس دلی کیفیت کا اظہار الفاظ کے ذریعہ سے کیا ہو فارسی شعر میں یہ
 بات کہاں۔ فارسی شاعر نے صرف یہ تمنا ظاہر کی ہو کہ میری بے قراری کی حالت میں میرا
 معشوق دیکھ لیتا اور غالب نے حالت دیکھنے کے بعد معشوق کا دلی خیال ظاہر کیا ہے۔
 خضر سلطان شہاد ابو ظفر کے شعر لکھ کا نام جو ان کے لیے شاعر نے اس شعر میں دیا ہے وہ "شاعر"

<p>ہم ہیں یوں نشہ لب پیغام کے ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی قام کے ہم تو عاشق ہیں تھائے نام کے دھوئے دھتے جامہ احرام کے یہ بھی حلقہ ہیں تھائے دام کے دیکھیے کب دن پھرں حمام کے</p>	<p>۱۷۸ خیر لیں محفل میں بوسے جام کے خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ پیسہ خط لکھیں گے۔ گرچہ مطلب کچھ نہ ہو راست پی زمرہم پہ کی۔ اور صبح دم دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا؟ مگر شاہ کے ہو غسل صحت کی خیر</p>
---	---

عشق نے غالب زینت کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

<p>۱۷۹ پھر اس انداز سے ہمارا آئی دیکھو۔ اے ساکت ان خطہ خاک</p>	<p>ق کہ ہوئے ہر وہ تماشا می اس کو کہتے ہیں عالم آرائی</p>
--	---

اپنے فلسفیانہ عقیدے کے مطابق: دوزخ اور جنت کے وجود کو خارجی سمجھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کا اعتقاد رکھنا اطمینان قلب کے لیے ضروری ہے ۱۲۔
ان محفل سے مشوق کی محفل عیش مراد ہے اور پیغام سے پیغام طلب ۱۲۔
ابن حسن بیگ رفیع نے قریب قریب اسی مضمون کو اپنے اس شعر میں اس طرح ظاہر کیا ہے: خوش
نہیں کہ با دامنہ تو سیم شب و روز و مقصد نیست کہ مکتوب رسد یا نرسد، ممکن ہے کہ یہ کہا جاتا
ہے کہ غالب نے اس خیال کو اپنی قافیہ شاعر سے مستعار لیا ہے لیکن تاویسی شاعر کہتا ہے کہ اسے بلاغی
اس کے کہ خط پہنچے یا نہ پہنچے اپنے مشوق کے خط لکھنے میں لطف آتا ہے۔ غالب کا
پیشہ اس سے کہیں بڑھا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کی کوئی غرض ہو یا نہ صرف اس لیے
کہ اس میں اپنی مشوق کا نام ہی پایا رہے۔ اس کے نام خط لکھتے ہوئے مسرت ہوتی ہے جیسا

کہ زمیں ہو گئی ہے سہرے سے سبزے کو جب کہیں جاہد ملی سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے ہو ہوا میں شراب کی تاثیر	دو کس طرح چرخ مینا لی بن گیا روئے آب پر کائی چشم ز گیس کو دی ہو مینا لی بادہ نوشی ہو باد مینا لی
---	---

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیند ارے شفا پائی

تغافل دوست ہوں۔ میرا داغ عجز عالی ہو
اگر پہلو تھی کیجے تو جاں میری بھی خالی ہو

جنوں کا حال تھا کہ گفت مشق نام سیلی امیکم ۱۸۰
لے بہار کی وجہ سے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی کہ تو شراب پینا فضول ہو ہوا
کھانے ہی سے شراب کا لطف ملتا ہے۔ یہ معنی اختیار کرنے میں "باد مینا لی" کے
معنی ہوا کھانے کے ہو گئے۔ باد مینا لی کے معنی عیش کام کرنے کے لیے جائیں تو شعر
کے یہ معنی ہوں گے کہ فصل بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہو کہ اس میں شراب کی تاثیر
پیدا ہو گئی ہو اور اس لیے بادہ نوشی محض فضول کام ہو ۱۸۱
تغافل کو دوست رکھتا ہوں یعنی میرا عجز و انکسار اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ تجھ کو بھی
ہی پسند ہو اگر آپ مجھ سے پہلو تھی یا بے التفاتی کریں گے تو گو یا میرے لیے جگہ خالی کریں گے

کیونکہ غماض کو میں التفات سمجھتا ہوں ۱۸۲

ہا آبا و عالم۔ اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سیوی خانہ خالی ہو

کب دستا ہو کسا فی میری نعلش غمزدہ خوں پرینہ پوچھ کیا بیاں کر کے مراد ویں گے پار؟ میں نہ خود رفتہ بیدائے خیال مقابل ہو مقابل میرا	۱۸۱ اور پھر وہ بھی زیانی میری دیکھ۔ خوں تا پہ فشانے میری نکڑ۔ آشفۃ سیا فی میری بھول جانا ہو نشانی میری ہل گیا دیکھ روا فی میری
--	---

لہذا اہل ہمت مراد اہل دل و اہل اندر سے ہو باکل نیا مضمون ہو شاعر کہتا ہے کہ صرف
اہل ہمت کے نہ ہونے سے اس دنیا کی چل چل باقی ہو۔ کیونکہ اہل ہمت دنیا کو فانی سمجھ کر اس
کی جانب عدم تو جہی کرتے اور دنیا پر باد ہو جاتی۔ دوسرے مصرع میں اسی مضمون کو مثال کو سمجھایا
گیا ہے۔ جام و سیوی کا بھرا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پیچھے والے یعنی اہل ہمت مفلح و ہیں
نکہ اس غمزدہ کی تو نیریزی سے جو نعلش دل میں پیدا کر دی ہو اس کا اندازہ میرے غزل کے انسویں
سے بخوبی ہوتا ہے ۱۸۱ اس شعر میں کیا کہ بعد وصف کا لفظ حذف ہو اور یہ حذف نہایت لطیف
نکہ بیدا۔ بالفتح بمعنی بیا یاں و دستہ بیدائے خیال۔ صحرائے خیال میں صحرائے خیال کا از خود
ہوں یعنی دستوں کے خیال سے کل جانا ہوں اور احباب کے خیال سے فراموش ہو جانا ہی میری
بیجاں ہے ۱۸۲ اس شعر کے معنی صنف نے خود اپنی زندگی میں بولوی عبدالرزاق صاحب کہنے
ایک شاعر کو ایک خط میں لکھ کر بھیجے تھے جو انھیں کے الفاظ میں یہ ہیں "تعال و تفاد کو
کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت۔ شادی و غم۔ راحت و رنج و وجود و عدم لفظ مقابل اس مصرع میں
یعنی مرجع ہو جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی متعمل ہو مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست اور دشمن
تو عادت ضد ہم دگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی کو دیکھ کر کہ گیا ہا (سود ہندی)

قدیر ننگ سرورہ رکھتا ہوں	سخت ازداں ہی گرافی میری
گرد باورہ بے تابی ہوں	صرصر شوق ہی بانی میری
دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا	کھل گئی تیسچ مدانی میری

گردیا ضف نے عاجز غالب
نگ پیری ہو جانی میری

نقش تانیت طائرہ آغوش قیب	پائے طاؤس و خامہ مانی مانگے
تو وہ بدخو کہ تجھ کو تماشا جانے	غم وہ افسانہ نگر آشفہ بیانی مانگے
وہ تپ عشق تمنا ہو کہ پھر صورت شمع	شعاعہ تانہن جگر ریشہ دوانی مانگے

لہ گرافی کے معنی بھاری ہیں اور بیشتر قیمت ہونا دونوں آتے ہیں شاعر کہتا ہے کہ میری قدر اس
پتھر کی سی ہے جو سرسبز پڑا ہوا یا نمال ہوتا ہو گویا باد جو در اندر ہونے کے بے قدر ہو جائے اور
اس طرح سے میری گرافی فی الواقع اہل عالم ہی ہو ۱۲ طے گرد باد ہو گویا ۱۳ دہن معشوق کو شاعر
ایچ جانتے ہیں اور یہ صفت بھی ہمیشہ شاعر ہونے کے ہیچ جانتے والوں کے زمرے میں ہے
اس لیے اپنے کرمج ماں کہا ۱۴
۱۵ شاعر کو اس شعر میں قیب کی جھوکرنا منظور ہے وہ کہتا ہے کہ قیب ایسا بد صورت ہے
کہ حب معشوق کی تصویر اس کی ہم آغوشی کی حالت میں کھینچ جائے تو وہ بھی باد جو یہ
کے حسین ہونے کے بد نما معلوم ہوتی ہے اور ہونے ظلم کی جگہ تصور کی یہ خواہش ہوتی ہے
کہ اس کے ہاتھ میں پائے طاؤس کا قلم ہو اس کی وجہ ظاہر ہو کہ طاؤس کے سبب اعتبار
حسین ہونے میں لیکن اس کے پاؤں بہت بد صورت ہوتے ہیں ۱۶

گلشن کو تری صحبت۔ از بس خوش آئی یاں ناگے کو اور لٹا دعوایے سانی ہو جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہو	۸۲ ہر غنچہ کا گل ہونا۔ اغوش کشائی ہو
---	---

جن خم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی اچھا ہو سر انگشت خانی کا قصو کیوں دوتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے دشمن نے بھی منہ نہ لگا یا ہو جگر کو	۸۴ لکھ دیجو یا رب! اُسے قسمت میں ہو دل میں نظر آئی تو ہو۔ اک ہند ہو کی یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسی کی خنجر نے بھی با ست نہ پچھی ہو گلو کی
---	---

صد حیف! وہ ناکام۔ کہ اک عمر غائب
حسرت میں ہے ایک بت عہدہ جو کی

۱۱۔ کنگر خنفس ہو کنگرہ کا۔ عمارت کا وہ نمایاں حصہ جو قلعہ یا کسی اہم بلند عمارت کے اوپر بنائے ہیں۔ ۱۲۔ غم عشق ضبط کی تیل کر رہا ہو۔ دل میں جو تباہ داغ خنجر آتا ہو وہ آتش یعنی غم عشق کی طرف سے چشم نمائی ہوتی ہو کنگرہ کو آنکھ سے قسمت دینے کی وجہ سے ۱۳۔ سر انگشت۔ انگلی کے پورے۔ اس شعر میں شاعر نے معشوق کی انگشت خانی کی خوبصورتی اور نزاکت اس کے پورے کو لہو کی بوندوں سے مشابہت دیکر ثابت کی ہو عجیب و غریب تشبیہ ہو ۱۴۔ بے وصلگی۔ کم ظرفی شاعر معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہو کہ تو عاشق کی کم ظرفی سے ناحق دوتا ہو کہ وہ میرے ظلم و ستم سے تنگ آکر فریاد کرے گی یہاں تو یعنی دنیا میں کوئی کسی کا درد دکھ منتہی ہی نہیں آتا۔

شیماب پشت گری آئینہ دے ایہم
 حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے
 آشوبش گل کشودہ برائے وداع ہو
 ای عندلیب اچل کہ چلے دن بہار کے

ہو وصل۔ ہجر۔ عالم تکمیل و مضبوط ہیں
 اس لیل کے ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
 معشوق شریخ و عاشق دیوانہ چاہیے
 شوق فضول و جرات زندانہ چاہیے

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
 صحبت رنداں سے واجب ہو حد
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
 جائے مئی اپنے کو کھینچا چاہیے
 چاہنے کو تیرے کیا۔ سمجھا تھا دل؟
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

یہ پشت گری۔ یعنی پشت بانی و اعانت یعنی جس طرح پارے کی قلعی نے شیشے کو آلودہ کر دیا ہے۔ اسی طرح ہمارے دل بے قرار نے ہمارے حیرانی کو پیدا کر دیا ہے۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے دل بے قرار کو سیماب سے اور اپنی حیرانی کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ ۱۲۔
 لفظ غالب نے اس شعر میں کھینچنا دو معنی ہیں لکھا ہے ایک ڈکشیہ دن کا ترجمہ ہے۔ یعنی شراب پینا اس معنی میں کھینچنا استعمال کرنا غالب کے لیے مخصوص تھا۔ اور دوسرا معنی ابیسا نہیں بولا جاتا۔ دوسرے معنی اختراذ کرنا ۱۲۔

چاک ملت کر جیب بے آیا ہم گل دوستی کا پردہ ہو بیگانگی دشمنی نے میری۔ کھیا غیب کو اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہو سستی مختصر مرنے پہ ہو جس کی اسپر غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے	کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیے منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے کتنے دشمن ہو؟ دیکھا چاہیے یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے تا اُمید ہی اُس کی دیکھا چاہیے چاہنے والا بھی اچھا چاہیے
--	---

چاہتے ہیں خوب روپوں کو اس قدر
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قسم دوری منزل ہو نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہو بیا باں مجھ سے

۱۔ اُدھر کا اشارہ:۔ پھر قدرت کا اشارہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب موسم بہار نہ آئے
اور پھول اپنا گریبان اس موسم میں چاک نہ کرے تو بھی اپنا گریبان مسند چاک کر لیں کہ گریبان
کام پھر کے اشارے سے کرنا چاہیے۔ اس شعر میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عاشق کو ہمیشہ
موسم بہار میں جوش ہوں زیادہ ہوتا ہے ۱۲۔
۲۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی کا بیان بے غلو کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں جس قدر چلتا
اسی قدر منزل دور ہوتی جاتی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں منزل کے دور ہونے جانے
کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ میری رفتار ایسی تیز تھی کہ بیا باں اس سے ڈر کر آگے
بھاگتا ہے ۱۲۔

درمیں عنوان تماشا۔ یہ تغافل۔ خوش تر
 ہونگے۔ رشتہ شیرازہ ترگاں مجھ سے
 وحشت آتش دل سے شرب تہائی میں
 صورت دور ہا سایہ گریزاں مجھ سے
 غم عشاق نہ ہو ساوگی آموز بستیاں
 کس قدر خانہ آئینہ ماہ ویراں مجھ سے
 اثر آباہ سے۔ جاوہ صحرائے حسنیوں
 صورت رشتہ گوہر ہا چہاں مجھ سے
 بیخودی بستر تمسیر فراغت ہو جو
 ہر ہو سایہ کی طرح میرا شہبستاں مجھ سے

لے درمیں عنوان تماشا۔ معشوق کے دیدار کا نظارہ۔ عنوان کا لفظ مبالغہ کی غرض سے استعمال کیا گیا
 یعنی دیدار کا پورے طور پر نظارہ کرنا تو ممکن ہی نہیں یہاں صرف عنوان تماشا بھی کلمہ ہی ہے
 مناسب معلوم ہوتا ہے۔ درمیں کا لفظ اس مناسبت سے لکھا ہے کہ معشوق کے چہرے کو اسی شکل
 کے لحاظ سے کتاب فرس کیا آئینہ چہرہ ہونا خوشنمائی میں داخل ہے ہمدہ سمرے منظر کا مطلب
 صاف ہے یعنی معشوق کے دیدار کا نظارہ چونکہ تغافل کی نگاہ سے کرتا ہوں یعنی میں دیکھتا ہوں مگر
 اس طرح کہ اس کو خبر نہ ہو اس لیے اپنی نگاہ کو شیرازہ ترگاں کا رشتہ بنا یا جو غیر محسوس ہو اور جس کے تغافل
 سے مناسبت ہو ۱۲ ملکہ شاعر نے اس شعر میں حسینیوں یعنی معشوقوں کے ساتھ ہمدہ دی کا اظہار کیا ہے
 وہ کہتا ہے کہ خدا حسینیوں پر وہ وقت نہ لائے جو وہ اپنے عشاق کے غم میں سوگوار ہو کر بنا دیکھا
 ترک کروں کیونکہ آراش کا ترک کرنا ان کے لیے ایک صیبت ہو جیسا کہ میرے نے پورے معشوق
 نے آراش چھوڑ دی اور اس لیے آئینہ نہیں دیکھتا جو اس کے جلوہ کے بغیر بیان نہ کر سکتا ہے ۱۳
 ملکہ مطلب یہ ہے کہ پاؤں کے آباہ کے اثر سے یعنی آباہوں سے جو لوہا کا آس سے جاوہ صحرائے رشتہ ترگاں
 کی طرح چہاں ہو گا جاوہ کو رشتہ سے تشبیہ دی ہے ۱۴ ملکہ جو جو۔ جو جو کا مخفف ہو۔

شوق دیدار میں گرتو مجھے گردن مار سے
 ہونگہ مثل گل شمع - پریشاں مجھ سے
 بے کسی ہائے شب بھر کی حسرت ہی ہو
 سایہ و ریشید قیامت میں ہی پنہاں مجھ سے
 گردش ساغر صد جلوہ رنگیں تجھ سے
 آئندہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے

ننگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہوا
 ہو چھا غاں - خس و خاشاک گلستاں مجھ سے

نکتہ چیں ہو - غم دل اُس کو مٹائے نہ بنے
 کیا بنے بات - جہاں بات بنائے نہ بنے
 میں بناتا تو ہوں اُس کو - مگر اے جذبہ دل
 اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

۱۸۹
 لہ مطالب یہ ہو کہ جس طرح شہستان تار کی سے بھرا ہوا ہوتا ہو اسی طرح میر شہستان میرے وجود سے
 پر ہو، اب یہ خواہش ہو کہ ای خدا بے غوثی تمہید فراغت کا بستر بنے - یعنی میں عالم یہودیشی میں اُم
 سے بڑا ہوں - فراغت کے لغوی معنی خالی ہونے کے ہیں اصطلاح میں راحت مراد ہو لفظ
 بستر اور فراغت کی مناسبت ظاہر ہو ۱۲ اسے جلوہ رنگیں سے جلوہ حسن اور دیدہ حیراں سے
 حیرت عشق کی طرف اشارہ ہو ۱۱ اسے بارت بننا - تدبیر کا بن پڑنا - بارت بنانا - کسی واقعہ کو توڑ
 مڑ دے کے اپنے حسب مطالب الفاظ میں کہنا ۱۲ اسے کسی پر بن جانا - حیبت میں مبتلا ہونا ۱۳

کھیل تجھا ہی کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ بیا
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے مثلے نہ بنے
 غیر مہترتا ہی۔ لیٹے یوں۔ ترے خط کو کہ۔ اگر
 کوئی پوچھے کہ "یہ کیا ہو؟" تو چھپائے نہ بنے
 اس نزاکت کا برا ہو۔ وہ بھلے ہیں۔ تو کیا
 ہاتھ اکٹیل۔ تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہ سکے کون۔ کہ یہ جلوہ گری کس کی ہو؟
 پر وہ چھوڑا ہو وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ بنے
 تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجہ وہ سر سے گرا ہو کہ اٹھائے نہ اٹھے
 کام وہ آن پڑا ہو کہ بنا کے نہ بنے

عشق پر زور نہیں۔ ہو وہ آتشِ غالب
 کہ لگائے نہ لگے۔ اور تجھائے نہ بنے

لعل شاعر کہتا ہو کہ موت کی راہ کیوں نہ دیکھوں کہ اس کا آنا لازمی ہو تم کو کیوں حال
 کا اگر تم نہ آؤ تو میں بلائے کی بھی ہزار سن نہیں کر سکتا۔ مصنف نے اس شعر میں عشق
 مشوق پر موت کا تذکرہ کیا ہے ۱۲

چاک کی خواہش اگر وحشت بر عیانی کرے
 صبح کے مانند زخمِ دل - گریبانی کرے
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہو کہ اگر تہجے خیال
 دیدہ دل کو - زیارت گاہ - حیرانی کرے
 ہر شکستہ سے بھی دل نو مید - یارب کب تک
 آب گینہ کوہ پر عین گراں جانی کرے
 مکتدہ - کرچشم مست ناز سے - پائے شکست
 موئے شیشہ - دیدہ ساغر کی ترگانی کرے
 خطِ عارض سے لکھا ہو - زلف کو الفت نے عہد
 یک قلم منظور ہو جو کچھ پریشانی کرے

۱۔ عریانی کی حالت میں اگر وحشت کو چاک گریبان کی آمد دیدہ ہو تو میرا زخمِ دل صبح کی
 مثل چاک ہو کہ گریبان بن جائے گا یعنی حالت عریانی کی وجہ سے چاک کرنے کو تن پر کھڑا نہ ہوگا تو
 قدحی طور پر یہ خواہش دوسرے طریقے سے پوری کرنی پڑے گی ۱۰
 ۲۔ آب گینہ پیشہ دل سے مراد ہو کہ وہ استعارہ ہو معشوق کی سنگدلی کی طرف سے مطلب ہو کہ
 ہم کب تک بیخوابش کریں کہ معشوق سنگدل ہمارے دل کو توڑ ڈالے ہمیں اس سے بھی ناامید کی
 کہ وہ ہماری دل شکستی ہی پر متوجہ ہوگا ۱۱
 ۳۔ موئے شیشہ وہ بال چشہ شیشہ میں پڑ جاتا ہو - دیدہ ساغر کی ترگانی کرے - دیدہ ساغر
 کی پاک بن جائے ۱۲

۴۔ عارض یا پر خط نکلا ہو وہ ایک عہد نامہ ہو جو الفت نے زلف کے نام لکھا ہو اور
 جس کا منشا یہ ہو کہ میرے حق میں جو کچھ پریشانی کرنا ہو کرے مجھے سب منظور و قبول ہو ۱۳

وہ آگے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
 دے مجھے تیشِ دلِ مجالی۔ خواب تو دے
 کرے ہو قتل۔ لگاوٹ میں تیرا رو دینا
 تری طرح کوئی تیغِ ننگہ کو آب تو دے
 دکھا کے چنبشِ لب ہی۔ تمام کرہم کو
 نہ دے جو پوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے
 پلا دے اوک سے ساتی۔ جو ہم سے نفرت ہو
 پیالہ گر نہیں دیتا۔ نہ دے۔ شراب تو دے

اسدہ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 کہا جو اس نے "ذرا میرے پاؤں داب تو دے"

تیش سے میری وقفِ کشمکش۔ ہر تار لبستر ہو
 مراسر رنج بالیں ہو۔ مرا تن بار لبستر ہو

ان تسکین اضطراب تو دے۔ یعنی اضطراب میں اس کا تسکین دینا ممکن ہو۔ مجالِ خواب تو دے
 یعنی خواب کا آنا بڑی راست ہو۔
 عہ کہیں جواب تو دے۔ کسی نہ کسی طرح جواب تو دے۔ ۱۶۔

سرشکست سر پہ صحرادادہ نور العین دامن ہو
 دل بے دست و پا افتادہ۔ بر خور واپر بستر ہو
 خوشا اقبال رنجوری۔ حیات کو ختم آئے ہو
 فروغ شمع بالیں۔ طالع بیب۔ رابر بستر ہو
 پتھو خاں گاہِ جوش اضطرابِ شام تنہائی
 شعاع آفتاب صبحِ محشر۔ تار بستر ہو
 ابھی آتی ہو بابلش سے اُس کی نکتہ نشیں کی
 ہماری دید کو۔ خوابِ زلیخا۔ عار بستر ہو

کہوں کیا دل کچا کیا حالت ہو۔ ہجر یا رہیں غائب
 کہ بے تابی سے۔ ہر اک تار بستر۔ خار بستر ہو

۱۱۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی اور ناچاری کا بیان کیا ہے کہ اس کا آنسو دامن کی آ
 کا نور و اس کا دلی مجبور بسترِ محض کا پھل کھانے والا ہو یعنی آنسو کو دامن سے اور دل کو بستر
 پر چسپاں رہنے سے بھست ہو گئی ہو ۱۲
 ۱۳۔ مطلب یہ ہے کہ شام تنہائی میں ایسا اضطراب اور تاریکی ہو کہ گویا ہر کیسا تار بستر آفتابِ حشر
 کی کرن بن گیا ہو ۱۴
 ۱۵۔ شاعر کہتا ہے کہ ابھی ہمارے نگہوں سے معشوق کے زلفِ مشکیں کی خوشبو نہیں گئی ہو یعنی
 ابھی ہمیں وصل کا لطف فراہم نہیں ہوا ہو ایسی حالت میں زلیخا کی طرح صرف خواب میں دیدار
 یار کا حاصل ہو جائے ہمارے بستر کے لیے شاہ ہو ۱۶۔

خطر ہو رشتہ الفت۔ رگ گردن نہ ہو جائے
غور و دوستی۔ آفت ہو۔ تو دشمن نہ ہو جائے

سچھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
اگر گل۔ سرو کے قامت پر پیراہن نہ ہو جائے

فریاد کی کوئی کمی نہیں ہو کیوں بولتے ہیں باغبان تو بے ہرجیہ۔ ہر ایک شے میں تو ہو ہاں کھائی و مت فریب مستی	۱۹۴۲ نالہ یا بندہ کی نہیں ہو گر باغ گداے کی نہیں ہو پر سچھ سی تو کوئی شے نہیں ہو ہر چند کہیں۔ کہ ہو، نہیں ہو
--	--

۱۹۴۲ خطر ہو یہاں "یہ ۱۲ محذوف ہے۔ اس شعر میں شاعر معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ
تیری دوستی پر مجھے غصہ کا غور ہوا ہو چکا۔ ہر کمال کو دال ہوتا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری
دوستی کو کمال کو پہنچ گئی ہو اس میں دال آجائے اور وہ دشمنی سے بدل جائے جس سے خطرہ ہو کہ محبت
کا فائدہ ہو جائے یعنی جس طرح دشمن کے ہاتھ سے رگ گردن قطع ہو جاتی ہو اسی طرح تو رشتہ الفت کو توڑ
گئے پہلا مصرعہ صاف ہے دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ بہار میں شاخ پائے گل کو اس قدر زخم ہو کہ
وہ سرو کی تباہی جائیں ۱۳
یعنی تو بول سے کشمکش اور کد سے شرب مینتی ہو اس لیے اس کی موجودگی سے باغ کو شرب کا
بھکاری ثابت کیا ہو ۱۴
۱۵ سچھ سے تیری شل۔ اس شعر میں خدا کی طرف اشارہ ہو ۱۶

شاہی سے گزر۔ کہ غم نہ ہو وے کیوں رُخِ قدح کرے ای نہ اہر؟	اے دی چونہ ہو تو دی نہیں ہو دی ہو۔ یہ مگس کی قی نہیں ہو
<p>مستی ہو۔ نہ کچھ عدم ہو غالب آخِر تو کیا ہو؟ ای "نہیں ہو"</p>	
نہ پوچھ نسخہ و مرہم جراحیتِ دل کا بہت دلوں میں تغافل نے تیرے پیر کی	۱۹۵ کہ اس میں بیزہ الماس جزو اعظم ہو وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہو
<p>۱۹۶ ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں۔ ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے</p>	
<p>لے اُروی:۔ ماہ بہار دی۔ ماہ خزاں (فارسی مہینوں کے نام ہیں) یعنی اپنے کو لطف بہار کا عادی رہنا تاکہ خزاں کا غم ہی نہ ہو: مطلب یہ کہ انسان کو اگر دنیا میں کسی شے سے دلچسپی نہ ہو تو کسی چیز کے ترک کا غم بھی ہوگا ۱۲ اے مگس کی قی سے مراد شہ ہو نہ ہو خطاب ہو کہ توجہ شراب پینے سے انکار کرنا کہ اور شہد کے پینے کو شاید اب سمجھتا ہو؟ کیوں؟ قابلِ نفرت نوشہرہ ہو جو شہد کی گھسی کی قی ہو نہ کہ شراب ۱۳ چونکہ مصنف نے اس شعر کی ردیف "نہیں ہو" قرار دی ہو اور اس لیے ہر شعر میں بار بار خطاب کو "نہیں ہو" "نہیں ہو" سننا پڑا ہو۔ قاعدہ ہو کہ جب ایک ہی لفظ کو مخاطب سنتے سنتے آگیا جاتا ہو تو وہ بے اختیار انھیں الفاظ سے قائل کو خطاب کر لے لگتا ہو جس سے اس کا مطلب ہوتا ہو کہ اب ان الفاظ کا اعادہ موقوف کیجئے۔ اسی طرح غالب نے اندازہ شوخی اپنا نام "نہیں ہو" قراردے کر اپنے سے خطاب کیا ہو کہ ای جناب "نہیں ہو" جب نہ مستی ہو نہ عدم کو پھر بیتا ہو کہ ہو کیا چیز؟ ۱۲۔</p>	

دیر پردہ آنکھیں۔ غیر سے ہی ربط نہسانی
ظاہر کیا۔ پردہ ہی کہ پردہ انہیں کرتے

یہ باعث نو میدی ارباب ہوس ہو
غالب۔ کو برا کہتے ہو۔ اچھا نہیں کرتے

کرتے ہی یادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہ گل چیں ہو
کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہو
بجا ہو۔ گرد نہ سنے نالہ ہائے بکسل زار
کہ گوش گل۔ نم شبنم سے پیہ آگیں ہو

اسرار ہی نزع میں۔ چل بے وفا! برائے خدا
مقام ترکِ حجاب و وداع تمکین ہی

یہ یعنی غالب جیسے شخص کو برا کہو گے تو ارباب ہوس یعنی رقیبوں کو تم سے کیا امید ہوگی
یہ شراب کو گل چیں۔ لب معشوق کو بھول۔ خطِ مائع تو نارنگاہ گل چیں سے نسبت دی گئی ہے
یعنی گل اسے لب سے شراب سرخی چل گئی ہے اور خطِ پیالہ تارنگاہ گل چیں ہے

کیوں نہ ہو؟ پشیم پتاں محو تفاعل۔ کیوں نہ ہو
 یعنی اُس بیمار کو قطارے سے پرہیز ہو
 مرتے مرتے دیکھنے کی آمدورہ جائے گی
 واسے داکا می کہ اُس کافر کا شجر تیز ہو

عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اس
 ہوشِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہو

دیا ہو دل اگر اُس کو۔ بشر ہی کیا کہتے؟
 ہوا رقیب تو ہو۔ نامہ بہار۔ کیا کہتے؟
 ہند کہ آج نہ آئے۔ اور آئے بن نہ ہے
 قضا سے شاوہ ہیں کس سے؟ کیا کہتے؟
 رہے ہو یوں کہ وہ بے گہ کوئے دوست کو اب
 اگر نہ کہتے کہ "دشمن کا گھر ہو" کیا کہتے؟
 نہ ہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہو ہم کو قریب
 کہ بن کے ہی اُنہیں سب خبر ہو کیا کہتے؟

لہ دیکھ۔ دیکھ کر
 ۱۵ "دیا ہو دل" اس کا فاضل نامہ بہار۔ اس کو۔ محبوب کو ۱۲

سمجھ کے کرتے ہیں بازا دیں وہ پرکشت حال
 کہ یہ کہے کہ "سب رہ گز رہو کیا کہئے؟"
 مختصیل نہیں ہر سررشتہ وفا کا خیال
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہو، مگر ہو کیا کہئے؟
 انہیں سوال پر زعم جنوں ہو کیوں لڑے؟
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہو کیا کہئے؟
 حسد سزا کے کمال سخن ہو کیا کہئے؟
 ستم بہائے متاع ہمنہ ہو کیا کہئے؟

کہا اس نے کہ غالب بڑا نہیں بسکین
 سوائے اس کے کہ "آشفہ سر ہو کیا کہئے؟"

۲۰۰

دیکھ کر پور پور وہ گرم دامن افشانی بھے
 کرگئی وابستہ تن بیری عریانی بھے

سن لگ رہی کیا؟ کیا چیز ہو۔ سررشتہ وفا کو شاعر ایک محسوس شوخ فرما کر کے کہتا ہو
 ہاتھ میں کچھ ہو یعنی سررشتہ وفا ہو۔ اس شعر میں شوخی ہو کہ شاعر پچھتا ہو کہ ہاری
 پٹھن ہیں کیا چیز ہو اور پھر معنون میں اس چیز کا نام بھی لے دیا ۱۲
 یہ دامن افشانی بہ قول نقیضت دینیوی مطلب یہ ہو کہ تعلقات دنیوی سے چھٹکارا ممکن
 ہی نہیں اگر انسان عریانی اختیار کرے تو جسمانی پابندی باقی رہتی ہو ۱۳

بن گیا تیج نگاہِ یار کا سب فساں
 مرجہا میں، کیا مبارک ہو گراں جانی مجھے
 کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہو
 جانتا ہوں مجھ پریش ہائے پنهانی مجھے
 میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
 لکھ دیا۔ بھلا اسبابِ ویرانی مجھے
 بدگماں ہوتا ہو وہ کا فر نہ ہوتا کا شے
 اس قدر ذوقِ نوازے مرغِ بستانی مجھے
 واسے وال بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
 لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا دغا کیجے، یہ کیا انداز ہو؟
 تم نے کیوں سوئی ہو میرے گھر کی درباری مجھے
 ہاں نشاۃِ آبدِ فصلِ بہاری، واہ! واہ!!
 پھر ہوا، ہوتا رہا سو ڈالے غزلِ خوانی مجھے

اسے شک فساں :- وہ پتھر جس پر تلوار وغیرہ کو گھس کر وھار رکھتے ہیں :-
 یہ پریش ہائے پنهانی :- خواب ہیں یا تصور میں آکر تسلی دینے کی طرف اشارہ ہو۔ شاخ کا
 پیر کیوں جو کھن اس کے خواب یا تصور میں آکر تسلی دینے جانے سے خوش ہوں اس لیے وہ
 واشی میری طرف التفات نہیں کرتا اور مجھ سے مطمئن ہو۔ جب اندل میں میرے گھر کی
 قسمت کا حال لکھا جا رہا تھا۔ اس وقت تھوہرے خود مجھے بھی میرے گھر کی ویرانی کا سبب قرار
 قرار دیا تھا یعنی میرا وجود بھی اسبابِ ویرانی میں شامل تھا۔ میں معشوقِ مجاہد ہوں وہ معشوق

دی مرے بھائی کو حق نے از سرفروز زندگی
میرزا یوسف ہو غالب یہ سفت ثانی مجھے

۲۰۱

یا زادی شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے
سچا نہاد ہو اہو خندہ زیر لب مجھے
اگر کشادہ خاطر و استہ۔ در بہن سخن
تھا طلسم قفل ابجد۔ خاندان مکتب مجھے
یارب! اس اشغلی کی داد کس سے چاہیے؟
رُشک، آسائش پر ہو زندانیوں کی اب مجھے

انتظار میں گھر سے بیٹھ جانے کو گھر کی درباری کہا ہو۔ عدم ایفا وعدہ کی شکایت کا بالکل نیا پیرا ہے۔
لہ ہنگامہ یارب سے مراد ہنگامہ فریاد ہو۔ کیونکہ یارب کے معنی غار سی محاورے میں خدائی
موجود پائی دینے کے ہیں۔ انہماکے بستی کو جو صورت خندہ نمایاں ہوتے ہیں۔ شاعر نے
خندہ زیر لب سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شادی میں مجھے یارب یا رب کا نام
بھولا نہیں ہو اس لیے مجھ کو نہاد کا حیکے چیکے تسبیح پر یارب یارب پڑھنا کسی کی بات معلوم ہوتا ہے
لہ اس شعر میں لفظ "درے" فارسیست کا رتق غالب کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دل بستہ کی کٹائش
سخن کی قید میں ہو یعنی میرا دل ہمیشہ وابستہ رہتا ہو اور اگر شگفتگی ہوتی ہو تو سخن سے جس طرح
فلج ابجد کے کھلنے کے لیے ضروری ہوتا ہو کہ اس کی پھر کیا جن بر خفاص حروف کندہ ہو جس
پس گھر اگر اس وضع پر کر دی جائیں کہ وہ حروف۔ ترتیب حروف ابجد میں آجائیں۔ آگاہ اند
سے میرے دل کو یہ نیلم ملی ہو کہ طبع سخن سے اس کی وابستگی دہر ہو جائے۔ ۱۲
سن کس سے چاہیے۔ کس سے مانگیے۔ "اب مجھے" اسے شاعر نے یہ معنی پیدا کیے ہیں کہ جب
زندانیوں میں تھا۔ اس وقت میرا نووی کا شوق تھا۔ اب میرا میں زندانی یاد آتا ہو اور اہل
زندانی پر رشک آتا ہو۔

طبع ہو مشاق لذت ہائے حسرت کیا کروں؟
آرزو سے ہوشگست آرزو۔۔ مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

حنو پر شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہو
چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہو
قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہو
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہو
کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر
بندہ اس خستہ کے نیروئے حق کی آزمائش ہو

۱۱۔ میری طبیعت کو حسرت دیا اس کی لذت کا مزا چڑھا اس لیے آرزو کرنے سے میری
غرض یہ ہوتی ہو کہ وہ پوری نہ ہو کیونکہ آرزو کے قطع ہونے سے لذت حسرت حاصل ہوتی ہے
۱۲۔ اب بھی خود بھی میرزا صاحب سے غالب مراد ہو اس شعر میں دوسرے کی زبان سے مضمون
شعرا آگیا ہو ۱۲
۱۳۔ شعر میں و فراہ کے مشہور قصیدہ کی طرف اشارہ ہو۔ مطلب یہ ہو کہ ابھی تو اس کی طاقت
جسمانی کا امتحان ہو کہ دیکھیں پہاڑ کاٹ کر جو بے شیر کال سکتا ہو یا نہیں اس کے بعد
وہ وقت بھی آنے لگا ہو جبکہ ایک بڑھیا شیریں کے مرنے کی خبر سنائے گی وہ گیہ یار
اس کے حوصلے کے امتحان کا وقت ہو گا اور وہ ایسا کم حوصلہ نکالے گا کہ سر چھید کر
جان دے دے گا ۱۳۔

فہم مہر کو کیا پیر کنٹوں کی ہوا غواہی؟
 اُسے یوسف کی بوسے پیر ہن کی آواز نشہ
 وہ آیا بزم میں، دیکھو! نہ کہید پھر کہ غافل تھے
 شکیب و صبر ایل سخن کی آواز نشہ ہو
 رہے دل ہی میں تیرا اچھا جگر کے پار ہو بہتر
 غرض شہسب بہت نادر فلک کی آواز نشہ
 نہیں کچھ سچ و زنا کے پھندے میں گیرنی
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آواز نشہ
 پڑا رہا۔ اول و اہل و اہل سے کیا حال؟
 مگر پھر تاپ زلفت پر شکن کی آواز نشہ ہو
 رگ و پڑ میں جب اترے زہر غم تب دیکھ کر کیا ہوا؟
 ابھی تو لطفی کام و دہن کی آواز نشہ ہو
 وہ آئیں گے مرے گھر؟ وعدہ کیسا؟ دیکھنا غالب
 نئے فتنوں میں باب چرخ کُن کی آواز نشہ ہو

۱۰ پیر کنٹوں حضرت یعقوب سے مراد ہے۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے
 کہ حضرت شعیب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بوسے پیر ہن کو
 تمیز کر لیا تھا ۱۰

۱۱ وہ آ پار معشوق کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو۔ ہوشیاں مود جاو ۱۱
 ۱۲ استفہام انکاری ہے وہ ہرگز نہ آئیں گے۔ اُف فحش و عری کا کچھ خیال ہو
 ان کے نہ آنے سے چرخ فتنہ پروان ہم پر کیا نئی مصیبت نازل کرتا ہے ۱۲۔

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گرا جائے ہو مجھ سے
 جھانیں کر کے اپنی یاوشہ را جائے ہو مجھ سے
 خدایا جا رہے دل کی۔ مگر تاشیر اُلٹی ہو
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہو مجھ سے
 وہ پردہ اور میری داستانِ عشق طویلانی
 عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہو مجھ سے
 اُدھر وہ بدگمانی ہو۔ اُدھر یہ ناتوانی - ہو
 نہ پوچھا جائے ہو اُس سے نہ بولا جائے ہو مجھ سے
 سمجھنے دے مجھے ایسا امید کی کیا قیامت ہو
 کہ دامنِ خیالی بار چھوٹا جائے ہو مجھ سے
 تکلفِ بظرفِ نظارگی ہیں بھی سہی۔ لیکن
 وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے مجھ سے

۱۰ مطلب یہ ہے کہ اگر اُس کو مجھ پر کبھی رحم بھی آجائے یعنی اگر مجھے کبھی چل بھی میرا آجائے ہو
 بھی میرے لیے مشکل سے خالی نہیں کیونکہ اس وقت بھی وہ اپنی گزشتہ جفاؤں کو یاد
 کر کے شرماتا ہو اور اُس کی یہ شرمِ نطفہ دھل میں خلل انداز ہوتی ہو ۱۱۔
 ۱۱ کھینچتا جائے ہو مجھ سے۔ مجھ سے آزرہ ہوتا جائے ہو ۱۲ عبارت مختصر: قصہ مختصر
 مطلب یہ کہ جب قاصد میری طویل داستان سے گھبرا جائے تو وہ معشوق ہو کہ بدخود ہو
 کب سندا گواہ کرے گا۔ ۱۳

۱۴ شاعر کہتا ہو کہ غائبہ یا س میں مطلب ہاتھ سے جانا رہتا ہو ۱۵۔
 ۱۵ نظارگی ہو دیکھنے والا۔ وہ دیکھا جائے یعنی اغیار اُس کا نظارہ کریں۔ کب یہ ظلم
 دیکھا جائے ہو مجھ سے ۱۔ مجھے یہ ظلم کب گوارا ہو سکتا ہو ۱۲

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے۔ نہر و عشق میں نہ خلی
نہ بھاگ جائے ہو مجھ سے۔ نہ ٹھہرا جائے ہو مجھ سے

قیامت ہو کہ ہوئے مدنی کا ہم سفر غائب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سوتا جائے ہو مجھ سے

زبیں کہ مشق تماشا۔ جنوں علامت ہو
کشا دو لبست شرہ۔ سیلی تداامت ہو
نہ جانوں۔ کیوں کہ مٹے داغ طعن بد عہدی؟
تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملاامت ہو

اے اس میں اس وجدانی کیفیت کی جو عشق میں پیدا ہوتی ہو مثال محسوسات سے
دی گئی ہو مطلب یہ ہو کہ ابتدائے محبت میں میرے اُنھیں قوی کو صدمہ پہنچا جو جن کی بدلت
میں عشق کے ترک کرنے یا اس کی سختیوں کے بدداشت کر کے پرتا دے ہو سکتا تھا اس لیے
اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہو نہ اس کی سختیاں جھیل سکتا ہوں ۱۲
تجھ جنوں علامت ہو۔ جنوں کی علامت ہو۔ کھنڈے والا۔ کشا دو لبست شرہ۔ پکیوں کا کھلنا اور مٹنا
سیلی تداامت ہو۔ ۱۱۔ اامت کی طرف سے سزا کا قہر ۱۲
تجھ تو رکھ آ۔ افس و زیبا نس کرے۔ لیکن نیو داغ بد عہدی ٹپکے والا نہیں ہو۔ یعنی توجہ قریب
کی خاطر سے بناؤ سنگھار کر کے آئینہ بچھتا ہو تو وہ بھی تیرے لیے ورطہ ملاامت بن جاتا ہو۔ یعنی ہم سے
بد عہدی کر کے رقیب کے پاس جانے کی تیاری ہو تجھے ملاامت کرتا ہو ورطہ ہو۔ بھینور کرے اب

بیچ و تاب ہوس نہ سلک عافیت مت توڑ
 نگاہ عجز سرِ رشید سلامت ہو
 وفا مقابل و دعویٰ عشق بے بنیاد
 جنوں ساختہ و فعلِ گل - قیامت ہو

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
 میرا ذمہ - دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
 کیا تعجب ہو کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم -
 وال تلک کوئی کسی حیلہ سے پہنچا دے مجھے
 منہ نہ دکھلا دے نہ دکھلا - پرچہ اندازِ غتاب
 کھول کر پر وہ - ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
 یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہو کہ میں
 زلفِ گرین جاؤں تو شانے میں اُٹھائے مجھے

باز بچے اطفال ہو دنیا مرے آنکھوں
 ہوتا ہو شب و روز تماشا مرے آگے

۱۔ اس شعر میں تمہیکے چھوٹے عشق کا ذکر بطور طعن کیا گیا ہو کہتا ہو کہ یہ بڑا غصہ ہے کہ مشق
 آدہ وفا ہوا در عشق کا دعویٰ چھوٹا ہو نہ ہی منام ہوا کہ فصلِ بہار تو واقعی آئی ہو اور
 جنوں بنا دی ہو ۱۲ سے آنکھ دکھلا نہ دیا ہوتا ۱۲

اک کھیل ہو اور نگہ سیماں مرے نزدیک
 اک بات ہو اعجازِ میحاً مرے آگے
 جزو نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
 جزو ہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے
 ہوتا ہو تھاں گر وہیں صحرا مرے ہوتے
 گھستا ہو جہیں خاک پہ دریا مرے آگے
 مٹتا ہو چھ کر کیا حال ہو میرا ترے پیچھے
 تو دیکھ کر کیا رنگ ہو تیرا مرے آگے
 مع کہتے ہو۔ خود بین و خود آراہوں۔ نہ کیوں ہوں؟
 بیٹھا ہو بٹ آئینہ سیما مرے آگے
 پھر دیکھئے اندازِ گل افشاری گفتار
 رط دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

لے مرے ہوتے۔ مجھ صحر اگر دے ہوتے مرے آگے۔ شجر اشکبار کے تقابل میں صحر کا ذکر
 کر کے اپنی صحرانوردی کی غایت اور دریا کا حال لکھ کر اپنی اشکباری کی شدت دکھائی ہے ۱۲
 ۱۳ فراق میں میری حالت ہوتی ہے اس کے بچنے کی ضرورت نہیں صرف اپنی اس حالت کو بھٹکا
 جو دل میں پیدا ہوتی ہے تو میری حالت فراق کو قدامت پرستی میں طبع تو دل میں جادو غلوخی کی شکرش
 کے سبب پریشان سا نظر آتا ہے۔ ایسے ہی تیری جدائی میں دل تنگ اور پریشان رہتا ہوں ۱۴۔
 ۱۵ غری کہتا ہے بہا بادہ کہ جانم دے نہ تار نہ بڑا نہ ہزار نہ مزداد دل بیکساں مالہ برآید، غری کے
 اس شعر کو دیکھ کر ایک نکتہ چیں نے غالب کے اس شعر کا نسبت لکھا ہے کہ وہ سرفرد کی حد کو پہنچ گیا ہے لیکن
 شاید اسے معلوم نہیں کہ شعر کا یہ عام پس منظر ہے اور غری سے پہلے خواجہ حافظ نے غری ہی اس
 باز صا ہو مثلاً گفتی نہ سرحد لزل نکلتے بلوے بد آنکہ بلویمیت کرد و پایا نہ بر کشم

نفرت کا گماں گزر رہا ہے میں رشک سے گزرا
 کیوں کر کہوں "یو نام نہ ان کا مرے آگے"
 ایاں مجھے روکے ہو جو کھینچے ہو مجھے کھینچے
 کعبہ مرے پیچھے ہے۔ کلیسا مرے آگے
 عاشق ہوں۔ پرمشوق فریبی ہو مرا کام
 مجھ کو بڑا کہتی ہو لیلا مرے آگے
 خوش ہوتے ہیں پھر وصل میں یوں مرنے نہیں جاتے
 آئی شب بھراں کی تمنا مرے آگے
 ہو موزن اک قارزم خون۔ کاش یہی ہو
 آتا ہو ابھی دیکھیے کیا کیا؟ مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں۔ آنکھوں میں تو دم ہے
 رہتے رہتے ابھی سا غرور وینا مرے آگے

ان کعبہ میرے پیچھے ہے۔ کعبہ میرے پیچھے پڑ رہا ہے۔ یعنی اصرار کر رہا ہے۔ کلیسا
 مرے آگے۔ کلیسا سامنے سے بلارہا ہے ۱۲
 قارزم خون :- خون کے آنسوؤں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز و میرا
عالم کو بڑا کیوں کہو۔ اچھا۔ مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو "دعا گیا ہے"
نہ کیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
وہ بیشتر سی۔ پر دل میں جب تم تر جاوے
نہیں ذریعہ راحت۔ چراغ تپتا ہکاں
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنے
کہیں حقیقت جاں کا بی مرض لکھنے
کبھی شکایت نہ گراں نشیں شے
ہے نہ جاں تو قاتل کو خوں بہا دیجے
نہیں نگار کو الفت۔ نہو۔ نگار تو ہو
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو۔ بہار تو ہو

تخصیص کہو۔ کہ جو تم یوں کہو۔ تو کیا کہتے
مجھے تو فوہی۔ کہ جو کچھ کہو "بجا" کہتے
نگار باز کو پھر کیوں نہ آشنا کہتے
وہ زخم تیغ ہو۔ جس کو کہ دل کشا کہتے
جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہتے
کہیں صیبت ناسازی : وہ کہتے
کہیں حکایت صبر گرینڈ پیا کہتے
کٹے زبان تو خنجر کو مرجھا کہتے
روانی روش و مستی ادا کہتے
طراوت چمن و خوبی ہو اس کہتے

لہ گراں نشیں :- دیر تک قائم رہنے والا۔ گریزا :- ناپائیدار
لہ خوں بہا دے :- مراد خوں بہا بخش دینے سے ہو ۱۲-
لہ روش :- رفتار ۱۳-
لہ فرصت :- قیام کی مہلت ۱۴-

سفینہ جب کہ کنائے پیر الگ غالب
خدا سے کیا ستم و جوینا خدا کیلئے

روئے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
صفت بہائے تو ہوئے آلات و کشی
تھے یہ ہی دو حساب۔ سو یوں پاک ہو گئے
رسوا سے و ہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کتنا ہی کون نالہ بلبیل کو بے اثر؟
پروئے میں گل کے لاکھ جاگر چاک ہو گئے
پوچھے ہی کیا۔ وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے حس و خاشاک ہو گئے

۱۔ شاعر کتنا ہی نا خدا نے بہت جا پا کر ہمارے کشنی دھوپ جائے لیکن خدا کا حکم ایسا
نہ تھا اور باد و چاند خدا کی کو شش کے جبار ہمارے کشنی کنائے آگنی ہو تو اب خدا سے اس کی شکایت
فضول ہو مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بہت حقان پہنچانے کی کو شش کرے اور اس کو کامیابی نہ تو
اس وقت کو بھول جانا چاہیے اور اس کی شکایت نہ کرنی چاہیے ۲۔ ملکہ اور نکمیاں بہت زیادتی
استعمال ہوا ہو دھوئے گئے۔ شرم و حجاب سب دھو گیا پاک ہو گئے۔ پاک شہدے بن گئے
پاک شہدے محاورہ ہو یعنی خالص شہدے۔ قاعدہ ہو کہ جب انسان عشق و محبت
کو چھپاتا ہو اس کو ہر بات کا لحاظ رہتا ہو۔ لیکن جب یاد رکھیں جاتا ہو تو پھر اس کو
کسی سے شرم باقی نہیں رہتی ۱۲۔ ملکہ شہر اس کی قیمت کی ہم رسائی اور آواز

کرنے کے تھے۔ اس سے تغافل کا ہم گم
کی ایک ہی نگاہ۔ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اس کی نقش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

نشدہ ہا شاداب رنگ۔ و ساد ہا مست طرب
شیشہ ی۔ سر و سبز جوئے بار نغمہ ہو
ہم نشیں مست کہہ۔ کہ ”برہم کر نہ نرم عیش دوست“
واں تو میرے تالے کو بھی اہستہ بار نغمہ ہو

محکشی کی حفاظت یہی وہ حساب تھے یعنی وہ فکری تھیں۔ سیوان سے پوچھ چکا
ہوا کہ آلا تدا و کشی کو رخ کر شراب پی لی ۱۲
لے اس شعر میں شاعر نے مقشوق کی ہزیم عیش کا سماں دکھایا جو وہ کہتا ہے حالت سرور
میں نشہ رنگ سے شاداب ہیں اور باجے جوئے ہے ہیں وہ نشہ طرب سے سرشار ہیں
اور شیشہ ی جو بار نغمہ کا ایک سر سبز سرور ہے۔ نغمے کو بہ اختیار روانی آواز جوئے بار
کہا گیا ہے۔ شیشہ ی اور پر طفت ہو اور شیشہ ی کو بہ اختیار سبزی اس جوئے بار کا سرور
کھرا یا جوئے بار کی تشبیہ سرور سے بالکل نئی ہو ۱۲

عرضِ نازِ شہزادی و نداں۔ ہوائے خندہ ۱۵
 دعویٰ جمعیتِ احباب۔ جائے خندہ ۱۶
 ہر عدم میں غنچہ محو عبرت و نغمہ گل
 یک جہاں ناز و نوال۔ در قفائے خندہ ۱۷
 کلفتِ افسردگی کو۔ عیشِ بے تابی حرام
 ورنہ ونداں دریل افشردن۔ ہوائے خندہ ۱۸

من و انت کو جو چشیتا مجیدی اپنی شہزادی (دختری) پرنا نہ ہو تو اس کا اظہار صرف ہنسی ہی کے
 موقع پر ہو کر تاہی۔ بس دوستوں کے ایک جا ہو جائے نہ ہوا دعویٰ بھی ہنسی کے قابل ہو کیونکہ جس طرح
 کبریا میں و انت ایک دوسرے سے علحدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یارانِ صحبت میں بھی جدا لگ
 جاتا ہے۔ ۱۲

شہ ہر عدم میں غنچہ، یعنی کھیلنے کے جو غنچہ غنچہ نہیں رہا بلکہ گل ہو گیا۔ مطلب یہ ہو کہ غنچہ ہنسنے یعنی
 کھیلنے کے بعد اس فکر میں ہو کہ گل کا انجام کیا ہوگا۔ لیکن اس سوچ کی مقدار زرا نو پیر ہو تاں اور سوچ
 کیا پچانہ مقدار زرا نو کہ خود اسے میں مصنف نے اس بات کو نگاہ رکھا ہو کہ انسان تامل اور سوچ میں
 سر نہ آؤ ہو جاتا ہو ۱۲۔

ہفت ونداں ہر دل افشردن :- یہ نازی اطلاق ہے اس کے معنی ہیں مصائب کا برداشت کرنا اس شعر کا
 یہ ہو کہ کلفتِ افسردگی یعنی دل کی افسردگی اور انقباض کی حالت میں بے تابی و بے صبری کا لطف
 حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ حقیقت یہ ہو کہ مصائب و مکر و اشت کا برداشت کرنا ہی ہوائے عیش اور
 دشاعر کے نزدیک انقباض سے بے تابی بہتر ہو اس لیے اس کو عیش سے موسوم کیا ہو ۱۳۔

سوزشِ باطن کے ہیں احبابِ منکر۔ ورنہ یاں
دلِ محیطِ گریہ و لبِ آشتائے خندہ ہی
(۲۱۰) (الف)

حسنِ بے پروا خسریا بہ متلاع جلوہ ہی
آنندِ زانوئے فکرِ اختراع جلوہ ہی
ناگیا۔ ای آگئی رنگ تماشا با حقن؟
ہشتم داگر دید۔ آغوشِ وداع جلوہ ہی

۱۔ محیط کے لغتی معنی گھرنے والے کے ہیں بحرِ محیط سمندر کو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بہ عظیم و گہرے
ہوئے ہے محیط سے پہلے لفظ بحر کے ہونے سے فارسی شاعروں نے یہ دھوکا کھایا ہے کہ وہ اسے
کسی خاص سمندر کا نام سمجھتے ہیں جیسے بحرِ اسود بحرِ قزقم بحرِ احمد وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محیط کو
وعدتِ لفظِ بحر بھی پاندھتے ہیں۔ آشتائے پیراک کہتے ہیں۔ اس لیے محیط کی مناسبت سے
آشتائے کا لفظ خوب ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے چونکہ دل کی اندرونی جلن سے آتشِ خشک
ہو جاتے ہیں اور دل کا آتشِ دل کا سمندر ہوتا ہے ہر نہیں ہوتا اس لیے میرے دوست احباب
بوجود ہیں علم کے کہ میرے دل کی اسی حالت کیا ہو۔ مجھے خوش جانتے ہیں۔ ورنہ حالت
تھی کہ دل آتشیوں کا سمندر ہو اور نہ نہٹ منسی کے پیراک ہیں یعنی اگرچہ بظاہر خوش
نظر آتا ہوں لیکن باطن میں سراپا غم بنا ہوا ہوں۔

۲۔ حسن نے پروا۔ حسن نے نیاز ایک شاعر نے حسن نے یہ دو لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ خریدار
جلوہ۔ خواستگار جلوہ افروز ہے۔ فکرِ اختراع جلوہ۔ نئے بناؤں شگھار کی فکر۔ آئینے کو فکرِ اختراع جلوہ
کا زانو اس لیے قرار دیا ہے کہ بناؤں شگھار کے وقت آئینہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن
بوجود دیکھنے پر پروا اور بے نیاز ہوتا ہے لیکن بناؤں شگھار اور جلوہ افروز کا وہ بھی خواستگار رہتا ہے
علم آگئی۔ خبر داری وہ ہوشیاری خندہ ہو جوشی۔ رنگ تماشا با حقن۔ یہاں با حقن بدلنے کے

جب تک دیانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخنِ داکرے کوئی
عالمِ غبارِ وحشتِ مجنوں یا کسی سر بہ سر
کب تک خیالِ طرہ لپکا کرے کوئی
افسردگی نہیں طربِ انشائے التفات
ہاں دروین کے دل میں مگر جا کرے کوئی
رونے سے ایو ندیمِ ملامت نہ کرے مجھے
آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
چاک جگر سے جب رہ پر کشش نہ داجوئی
کیا فائدہ؟ کہ حیب کو دھوا کرے کوئی

معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تماشا سے تماشا کے عالم مراد ہے۔ چشمِ داگر دیدہ بد گھلی ہوئی آنکھ
اگر رویت کو اس سے علیحدہ کر کے است لگا دیا جائے تو یہ شعرا کمالِ فارسی ہو جائیگا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کب تک تماشا کو چلے گی۔ یعنی تماشا کے عالم کی موجودہ
کیفیت میں کب تک ٹھہرے گی دوسرے معرکہ کا ترجمہ یہ ہے۔ گھلی ہوئی آنکھ جاوے کے
غصہ ستا کرنے کے لیے آغوشِ دواع ہو یعنی عالمِ سبب نہایت پر آنکھ کھلے تا کہ گویا اس کی خصوصیت کرنے
کے لیے آغوش کو کھولنا ہو۔ ۱۱۔ ۱۲۔ یہ شعر تصنیف میں دو بار آئے ہیں کہ حیب تک۔ دل تیغِ عشق سے
گھٹا لی ہو شاہِ حقیقی سے مکالمہ کی عزتِ حال نہیں ہو سکتی ۱۲

۱۵۔ پہلے مصرع میں غبارِ وحشت مجنوں کی مراد اور مہرِ ثانی میراثہ لپکا سے مراد دیارِ دیو طرہ کے لونی کی ہے
کیا بالِ بولت دونوں مصرعوں میں بالِ لری شہساز میں آئے ہیں کہ عالمِ سر سر ہے کہ کب تک وہ خیالِ کین ۱۳۔ طرب
کوشی یا لری والی۔ طرب کہ کمال کی افسردگی سے کھانے سے مشوق کے تفات کی غشی حال نہیں ہو سکتی۔ سراپا دروین جانے کو
اگر مشوق کے دل میں گزر گیا جائے تو ایسا ممکن ہو ۱۴۔ مطلب یہ ہے کہ حیب چاک جگر کرنے پر کوئی

لخت جگر سے اور گہرے ہر فار۔ شلیخ گل
 ۲۰ چاند؟ باغبانی صحر کرے کوئی
 ۲۱ ناکامی نگاہ ہو برق نظر رہ سوز
 ۲۲ تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ۲۳ ہر سنگ و خشت ہو صدق گوہر شکست
 ۲۴ نقصان نہیں۔ جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 ۲۵ شہر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر
 ۲۶ فرصت کہاں؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ۲۷ ہو وحشت طبیعت ایجاب۔ یا شیخ
 ۲۸ یہ درودہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

برسان حال نہ ہو اور اس جب کو بھارٹنے سے بجز رسوائی اور کیا حال ہوگا ۱۲
 ۱۳ لخت جگر سے اور گہرے ہر فار۔ شلیخ گل بن گیا ہو صدق گوہر شکست
 ۱۴ ہر سنگ و خشت ہو صدق گوہر شکست
 ۱۵ نقصان نہیں۔ جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 ۱۶ شہر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر
 ۱۷ فرصت کہاں؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ۱۸ ہو وحشت طبیعت ایجاب۔ یا شیخ
 ۱۹ یہ درودہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

۲۰ چاند؟ باغبانی صحر کرے کوئی
 ۲۱ ناکامی نگاہ ہو برق نظر رہ سوز
 ۲۲ تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ۲۳ ہر سنگ و خشت ہو صدق گوہر شکست
 ۲۴ نقصان نہیں۔ جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 ۲۵ شہر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر
 ۲۶ فرصت کہاں؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ۲۷ ہو وحشت طبیعت ایجاب۔ یا شیخ
 ۲۸ یہ درودہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاری جنوں کو ہر سریشٹے کا شغل ہے
جب یا تھوٹ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دہا
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

<p>۲۱۲ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی دل میں ایسے کے جا کرے کوئی وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی کس کی حاجت روا کرے کوئی اب کسے رہنا کرے کوئی</p>	<p>۲۱۳ ابن مریم ہوا کرے کوئی شرع دآمین پر مدار سہی چال کئے جیسے کڑی کمان کا تیر بات پرواں زبان کٹتی ہو ہم ہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سو گریز اس کے کوئی روک لو۔ گر غلط چلے کوئی کون ہو جو نہیں ہو حاجت مند کیا کیا خضر نے سکند سے</p>
---	---

۱۲ ایسے قاتل کا۔ اس قاتل کی طوٹ اشارہ ہو جو بے تلوار کے قتل کرتا ہو ۱۳
۱۴ کڑی کمان کا تیر۔ بہت تیزی کے ساتھ اڑنے والا ہوتا ہو شاعر نے معشوق کی بے
اعتباری کی چال کو اس سے تشبیہ دی ہے جو بہت شاہت ظاہر ہو ۱۵

جب تو نے ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

بہت سی - غم گیتی - شراب کم کیا ہے؟
غلام ساقی کو تر ہوں مجھ کو غم کیا ہے؟
تھاری طرزِ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے؟
رقیب پر ہی اگر لطف - تو ستم کیا ہے؟
کے تو شب کہیں کاٹے تو سناں کھلا دی
کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے؟
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود
کسے خبر ہو کہ وال جنبشِ تسلیم کیا ہے؟
حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ہمت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟

اے پڑا نے دیوانوں میں اس غزل کے صرف دو دنوں مطاع اور قیطع و ریح ہیں کیونکہ بقیہ
اشعار بعد از ترتیب دیوان شاعر میں مصنف نے تصنیف کیے تھے جو اب دیکھنے والوں کے
دیکھنا محسوس نہ ہوتا اعلانی میں موجود ہیں اس خط میں مرزا نے مولانا اعلانی کو ہدایت کی تھی
کہ وہ دیوان کے حاشیہ پر چڑھائیں۔ اسی وجہ سے ہم نے بھی دیوان میں شامل کر دیے ۱۲
۱۳ تو ستم کیا ہے؟ تو ستم اور کسے کہتے ہیں یعنی رقیب پر لطف کرنا ہی مجھ پر ستم
کرنا ہے۔ ۱۴

وہ داد و دید گرا نمایاں شرط ہو چاہم
وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہو

سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی
یقین ہی ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہو

باغ - پا کر حقیقتی یہ ڈراتا ہی مجھے
چوہر تیغ بہ سریشمہ دیگر معلوم
سایہ شلخ گل - افی نظر آتا ہی مجھے
ہوں میں وہ ہنرہ کہ نہر آب کا تا ہی مجھے
آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہی مجھے

۱۱۔ جس طرح تیغ کا جو ہر صفت زہر آب میں بچھلنے ہی سے نمودار ہوتا ہی اسی طرح میں
وہ ہنرہ ہوں جس کی نشو و نما صرف غم اور غصہ سے ہوتی ہو یعنی میری مرثیت میں غم اور غصہ
ہی۔ نہر آب سے مراد غم اور غصہ سے ہو۔ نہر آب کے لفظی معنی ہیں زہر ملا ہوا پانی زہر کے
لفظ کو فارسی شعرا نے اصل معنی کے علاوہ مجازاً غیض و غضب کے معنی میں لکھا ہو اور اس کو
شکوہ سے تشبیہ کر زہر و میدان ابھی لکھا ہو اسی فارسی محاورہ سے غالب نے اس شعر میں
آب آگنا لکھا ہے ۱۲۔

۱۲۔ فارسی اضافتوں کو دور کر کے اس شعر کو اردو شعر میں اس طرح پڑھیں گے زہر آب شکست
دل کے تماشے میں محو ہو دایسا معلوم ہوتا ہی کہ کوئی مجھے آبنوں کے ٹکڑے کیے جاتا ہی
مطالب یہ کہ حصول مدعا سے ناامیدی اور یاس ہو جانے کے سبب میرا دل ٹوٹ
گیا ہو اور تو مدعا سے دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کا تماشہ دیکھ رہا ہو۔ دل ایک آئینہ
تھا جب ٹوٹا تو بہت سے آئینے پیدا ہو گئے اور آئینہ خانہ بن گیا۔ طباطبائی۔

<p>آسمان بیفیدہ قمری نظر آتا ہے مجھے دیکھوں بے گئے پر کون اٹھا تلم کو مجھے</p>	<p>نالہ سہرا یہ ایک عالم۔ و عالم کہن خاک زندگی میں تو وہ محل سے اٹھا دیتے ہیں</p>
<p>اترا اے کیوں نہ خاک میرے گرد زاری کی لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لڑا زاری کی کیونکر نہ کھا بیٹے۔ کہ ہوا ہی بہا کی</p>	<p>رہی ہوئی ہو کو کبہ شہر یار کی جیسا اس کے دیکھنے کے لیے آئیں باوشا بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم لے</p>
<p>ہزاروں خواہشیں ایسی۔ کہ ہر خواہش پر دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے</p>	
<p>۱۔ شاعر کہتا ہے کہ نالہ ہی ایک عالم کا سر یا یہ ہو اور خود عالم یعنی دنیا ایک مشت خاک ہے اور آسمان بیفیدہ قمری۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نالے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دنیا دار اٹھن ہو اور آسمان نالے کا پیدا کرنے والا ہو یعنی جس طرح اڑے سے بچے نکلتے ہیں اسی طرح آسمان سے نالے پیدا ہوتے ہیں۔ فارسی شاعر ہمیشہ رنج و مصیبت کے پیدا ہونے کا لازم آسمان کے سر رکھا کرتے ہیں غالب نے اس پر نے خیال کو کہ دنیا میں جو مصیبتیں آتی ہیں ان کا مورث آسمان ہے نئے انداز سے ادا کیا ہو آسمان کو بیفیدہ قمری اس مناسبت سے کہا کہ قمری کا رنگ خاک کی جڑا ہوا تلم کو کہہ۔ جماعت شادمان شاہی ۱۲</p> <p>۲۔ ہزاروں خواہشیں ایسی ہیں اس کے بوجھ "دل میں باقی ہیں المقدر خواہش پر دم نکلنا اس کے پورے ہونے کی جلدی کرنا۔ اس شعر میں دم نکلنا۔ انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے بولتے ہیں کیوں دم نکلا جاتا ہے؟ کیوں مرے جاتے ہو؟ یعنی کیوں جلدی کرتے ہو؟</p>	

دوسے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہیگا اُس کی گردن پر؟
 وہ خوں چہ چشم تر سے عمر بھریوں دم بدم نکلے
 نکلنا جلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لبیکن
 بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
 بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
 اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
 مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط۔ تو ہم سے لکھوائے
 ہوئی صبح۔ اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
 ہوئی اس دور میں شوب مجھ سے بادہ آشی
 پھر آیا وہ زمانہ۔ جہاں میں جام جسم نکلے
 ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پالنے کی
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغِ ستم نکلے

لے قاتل خاں رازی نے بھی فارسی میں اس مضمون کو لکھا ہے۔ نہ مرا کر در قیاس ازا
 سر کوئے تیر جہاں اول اس حادثہ پر آدم و حوا بگشت، لیکن غالب کے یہاں
 ”بہت بے آبرو ہو کر“ کے ”نکڑے“ نے جو لطیف پیدا کر دیا ہے وہ فارسی شعر میں کہاں
 اس مصرعہ کو بہتند کے لفظ پر پورا زور دیکر پڑھنے سے شعر کے معنی حاصل ہوتے ہیں
 ”طرہ پر پیچ و خم سے زلفت اور زلف کا پیچ و خم نکلنے سے زلف کا کھل جانا مراد ہے“

محبت میں نہیں ہر فرق بیٹھنے اور مرنے کا
 اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے
 ذرا کر زور سینے پر کہ تیسرے پر ستم نکلے
 جو وہ نکلے تو اول نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
 خدا کے واسطے پروردہ نہ کعبہ سے اٹھا ظالم
 کہیں ایسا نہ ہو۔ یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

کہاں موزان کا دروازہ؟ غالب اور کہاں غلط
 پیرا ثنا جانتے ہیں کل وہ جاتے تھے کہ ہم نکلے

کوہ کے ہوں بار خاطر۔ گر صدا ہو جائے
 بے تکلف! ای شرا خستہ! کیا ہو جائے

۲۱۷
 ملے پشمر اور شمر مابعد عام ملبوعہ دیوانوں میں نہیں ہیں ایک سابقہ قلمی تذکرہ سے لیے گئے ہیں
 یہ شاعر شرار سے (جو تیسرے نکلتا ہے) سوال کرتا ہے کہ اگر ہم صدا ہو جائیں گے
 تو کوہ کے بار خاطر ہونگے بار خاطر اس وجہ سے کہ آواز نہ پہاڑ سے ٹکرا کر واپس چلی
 آتی ہے تو اب تو بے تکلف بنائے کہ ہم کیا ہو جائیں قاعدہ ہو کہ سائل اپنے مخاطب سے
 جو سوال کرتا ہے تو یہ سمجھ کر سوال کرتا ہے کہ اس سے وہی شورہ ملیگا جو مخاطب کا بھڑکا ہوا
 چونکہ شرار جل صہن کرتا ہو جانے کا بھڑکا رکھتا ہو اس لیے شاعر بھی اس سے اسی جواب
 کی توقع رکھتا ہے۔ ۱۲۔

بیضہ آستانہ تک بال و پر ہو یہ کچھ قفس
از سر نو زندگی ہو۔ گر رہا ہو جائے

۲۱۸	مستی بہ ذوق غفلت ساقی ہلاک کر خمر زخم تیغ ناز نہیں لیں آرو جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد	موج شراب یک شہ خواباک ہو جیب خیال بھی تیرے ہاتھوں چاک ہو صحرا ہمارے آنکھ میں ایک شست خاک ہو
-----	---	---

۲۱۹	لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گوارہ خُنبانی	قیامت لعلِ بتاں کا خواب سناں ہو
-----	--	---------------------------------

۱۔ دنیا کو کچھ قفس سے نسبت دی ہو شاعر کہتا ہو کہ ہم اس دنیا سے نگس آگئے ہیں۔ اگر
اس کی زندگی سے نجات مل جائے تو گویا دوسرے نو زندگی ہو جائے جس طرح پرند کی اڈے سے
نکلنے کے بعد نئی زندگی شروع ہوتی ہو ۱۲۔

۲۔ ساقی کی غفلت شکاری کے ذوق نے مستی کو بھی ہلاک کر دیا یعنی نشہ شراب کی ساقی
کی غفلت شکاری نے مست بنا رکھا ہو اور اس کی غفلت کا ثور شراب پر یہ اثر ہوا ہو
کہ وہ چشم ساغر کی شرہ خواب آلودہ بن گئی ہو یعنی سرشار اور متوالی ۱۲۔

۳۔ ہمارے جوش جنوں اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ صحرا ہمارے آنکھ میں ایک مٹی بھر خاک کے برابر
ہو یعنی بے حقیقت ہو ۱۲۔

۴۔ لعلِ بتاں: لعل لب محبوبان، مطلب یہ ہو کہ کشتہ لعلِ لب بتاں کی نیند قیامت
کی نیند ہو کہ لب عیسیٰ کی جنبش بھی اس کو زندہ نہیں کر سکتی زندہ کرنا تو درگتار
اس کی جنبش سے ان کی غفلت اور بھی بڑھتی کرتی جاتی ہو ۱۲۔

نقش پا کوکان میں کھتا ہونگلی جاوہ سے شیشے میں نمین ہسی۔ پتھیاں ہوجاواہ سے	آپ سیلاب۔ طوفان صدمے آپ ہی جریم کی وحشت کہہ ہو کس کی چشم نکلا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی ہوں میں بھی تماشا فی نیرنگ تماشا	
مری قسمت میں یوں تصویر ہر شے ہر رنگی	سیا ہی جیسے گرجائے دم تحریر کا غلط

نے نقش پا کوکان سے اور جاوہ دراستہ کو بوجہ اس کی دراندازی کے شاعر نے
 اونگلی سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جو نقش پانے خود کوکان بنا کر جاوہ کو
 بطور انگشت استعمال کیا ہے یعنی طوفان صدمے آپسے اندر شور سے سینہ پرستے
 کی آواز کو سن کر وہ کان میں اونگلی رکھے ہوئے ہیں اس سے آپ سیلاب کا ہتہ چلتا ہے
 گویا نقش پا کو طوفان صدمے آپسے خوف کھا ہوا ہے کہ سیلاب آکر اس کو
 فنا کر دے گا۔ مولانا طباطبائی نے اپنی شرح میں اس شعر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جاوہ کے
 بعد بوجہ اور دو حرف مثنوی سے "کے آجانے کے جاوہ کی دال کو زیر ہے اور دوسرے
 شعر میں "موج باوہ" آیا ہے اور باوہ کی دال کو زیر ہے بوجہ موج سے فارسی ترکیب
 کے ساتھ مضاف ہونے کے زیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جاوہ کا قافیہ غلط ہے۔
 لیکن غالب پر یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہو سکتا کہ متقدمین نے ایسے قافیہ کو جائز
 رکھا ہے مثلاً میر تقی کی مثنوی کا ایک شعر ہے آخر کر کے خدا کے حوالہ آئندہ یہ باتی والا
 یہاں حوالہ کے لام کو نقل جاوہ کی دال کے زیر ہے مگر اس کو ڈالا کا قافیہ رکھا گیا ہے
 تھ اس شعر میں موج باوہ کو نمین ہسی سے نسبت دی گئی ہے۔ وجہ نسبت یہ ہے کہ ہری
 میں وحشت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحشت چشم کے اثر سے شیشے میں موج باوہ اچھل
 رہی ہے۔

<p>ہجوم نہالہ۔ حیرت عاجز و غم یک افشاں ہو نکلت بر طرف۔ ہواں تاشاں لطف خفاں ہوئی بہ کثرت غم سے تلف کیفیت ثنادی دل و دین نقد لاسانی سے گرسودا کیا چا غم آغوش بامیں پرورش دیتا ہو عاشق کو</p>	<p>خوشی۔ ریشہ صد نیتیاں۔ محسن و ندان کو نگاہ بے حجاب ناز تیغ تبرعیاں ہو کہ صبح عید مجھ کو بہتر از چاک گریاں ہو کہ اس باز اویں ساغر متاع دست گردان ہو چراغ روشن اپنا۔ طرہ صرصر کا حیاں ہو</p>
--	--

خوشیوں میں تماشا۔ ادا نکلتی ہو

نگاہ دل سے تری سرمہ سنا نکلتی ہو

سہ ہجوم نہالہ کو مخاطب کیا گیا ہو اور حرف نہایت محذوف ہو۔ ہجوم نہالہ کی لشکر کشی کی
 طرٹ اشارہ۔ جب لڑائی میں کوئی گروہ مغلوب ہو جاتا ہو تو وہ عاجزی کے اظہار کے لیے
 گھاس منہ میں دبا کر فریق غالب کے سامنے آتا ہے جس سے مطالب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے
 ہار مان لی کشت و خون موقوف کرو فارسی میں اس کو "خس بہ دندان گرفتار" کہتے ہیں۔
 شاہ عسیر ہجوم نہالہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے ہجوم نہالہ تیرے خوفنا سے حیرت ایک
 آہ کرنے میں بھی عاجز ہو اور اسی عجز کے ظاہر کرنے کے لیے خود بھی حیرت سے ریشہ نیتیاں
 سہاڑ کا منہ میں لے لیا ہو۔ ریشہ صد نیتیاں کا ریشہ جس سے سیکڑوں تالسمن نکلتے ہیں
 نکلتے ہوئی بہ کثرت غم سے انخم یہاں پہنچی اس قدر استعمال ہوا ہے ۱۶۔
 متاع دست گردان سے وہ مال مراد ہو جو نقد و خست ہو گیا خوب سپرد نقد ہوا ہے
 شاعر کہتا ہے کہ اگر صبح اندھی چراغ روشن کو بجھا دیتی ہو لیکن چونکہ غم سے عاشق کی زندگی ہے
 اس عاشق کا چراغ حیاں کے چراغ کی مانند ہے جو جہ میں نہیں جوتا اور جھکڑ کے طوفان میں کھوٹا ہوتا ہے
 شہ تماشا اور نگاہ کی صفت ہے۔ یعنی وہ نگاہ جس میں تماشا دکھانے کا اندازہ نہیں ہوتا سرمہ کھانے
 سے انسان کی آواز بیٹھ جاتی ہے اس لیے سرمہ کو خاموشی سے نسبت دی ہو یعنی اسی نگاہ نکلتی
 ہو جس میں اشارہ اور کتاہ تک نہیں اور یہ ادا بھی عاشق کو بھلی معلوم ہوتی ہے ۱۷۔

نشار تکی خلوت سے ہستی ہو شبنم
صبا جتنے کے پرے ہیں جا نکلتی ہو
نہ پوچھ سہیہ عاشق سے آب تیغ نگاہ
کز خشم روزن در سے ہو انکلتی ہو

۲۲۵

عجب جا نسیم شاد کش زلف یار ہو
نازد و ماغ آہوئے دشت تنہا ہو
کس کا سراغ جلوہ ہو حیرت کو اسے خا
آئینہ فرش شش بہت انتظاب ہو

۱۔ غنچہ چنگ تگ اور خلوت پسند ہو اس لیے وہ با دھبا کو کچھ تنگ میں پا کر ایسا
بھی بچتا ہو کہ وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہو ۱۲
۲۔ یعنی جس دردناک سی وہ جھانکتا ہو اس میں روزن نہ بھجھو بلکہ تیغ نگاہ نے زخم
والہ یا ہو اور زخم بھی ایسا گہرا جس میں سے ہو انکلتی ہو پھر سہیہ عاشق کی کیا حقیقت ہو
جس زخم سے ہو نکلتے اور سانس دینے لگے وہ ضرور ہلاک ہو جاتا ہو ۱۳
۳۔ مطلب یہ ہو کہ نسیم سے ہوئے زلف یار کو لیکر آہوئے تنہا کا دماغ نا ذہن گیا ہو عموماً
تو ناقد (وہ بھلائی جس میں مشک رہتا ہو) ہرن کی ناف سے نکلتا ہو لیکن میرے عشق
کی زلفوں کی خوشبو لگتی کرنے سے منتشر ہو کر ہرن کے دماغ میں پہنچی اس لیے پکائے
ناف کے اس کا دماغ مشک کا مخزن بن گیا ۱۴
۴۔ حیرت کس کے سراغ جلوہ میں مصروف ہو کہ آئینہ شش بہت انتظار میں فرش
نہا ہوا ہو مطلب یہ ہو کہ حیرت سراغ جلوہ میں مصروف ہو تو جلوہ کس قدر
حیرت زا ہو گا ۱۵

ہر ذرہ ذرہ تنگی جاسے غبارِ شوق
 گردِ دام یہ ہو وسعتِ صحرا شکار ہو
 دل مدعی و دیدہ بننا مدعا علیہ
 نظارہ کا مستدم پھر رو بکار ہو
 چھڑکے ہو شبنم آئندہ برگِ گل پر آب
 ای حذلیب وقتِ وداع بہار ہو
 ہیج آپڑی ہو وعدہ دل دار کی مجھے
 وہ آئے یا نہ آئے۔ چاہاں انتظار ہو
 نے پردہ سوئے دادی مجھوں گزری نہ کر
 ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہو
 لے حذلیب یک کف خس۔ ہر آئیناں
 طوقا بن آمد آمد فصل بہار ہو
 دل مت گنوا۔ خبر نہ سہی۔ سیر ہی سہی
 آئے و ماغ، آئندہ تمثال دار ہو

۱۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے عاشق کا غبارِ شوق ذرہ ذرہ ہو کر اڑ رہا ہو اور یہی ذرے صحرا کا
 دغ بن جائینگے ۲۔ اعلیٰ ایران میں ایک رسم ہو کہ تنگوں کے لیے وقتِ غصت آئینے پر پانی
 چھڑکتے ہیں اسی رسم سے آبِ برائیندہ رچکن، فارسی محاورہ پیدا ہو رہو جس کے معنی ہیں تنگی
 غصت کا نام آئندہ خبر نہ سہی یعنی دل یا خبر نہ سہی خبر سے مطلب معرفت الہی سے ہو۔ آئینہ
 تمثال دار ہو، اشارہ ہو دل کی معرفت جو حسرتوں سے بھرا ہو اور مطلب یہ ہو کہ میرے دل کو
 رات دن سے نہ دیکھو نہ کہ اس میں بہت سی حسرتیں بھری ہیں اگرچہ معرفت الہی سے مصفا
 لیکن حسرتوں کی تصویر اس دل کو بڑھاتی ہے اس کی سیر ہی سہی ۳

غفلت کفیل عمرو انسید ضامن نشاط
ای مرگ ناگہاں۔ تجھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیوں زدوں ؟ کہ تماشا کہیں ہے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں ہے
حسرت نے لار کھا۔ تری بزم خیال میں
گل بستہ نگاہ۔ سویدا۔ کہیں ہے
پھونکا ہو کس نے گوشِ محبت میں اسے خدا
افسونِ انتظار۔ تنہا کہیں ہے
میرے بجوم و غمِ سیری سے ڈالے
وہ ایک مشتبہ خاک کہ صحران کہیں ہے

اس لالکھا کا مفعول "گل بستہ نگاہ" ہو جو دوسرے مصرعہ میں واقع ہوا ہو
تری بزم خیال۔ یعنی معشوق کی بزم خیال اشارہ ہو دل عاشق کی طرف ہیں
معشوق ہر طرف بشارتہا ہو۔ سویدا۔ دل کا سیاہ نقطہ۔ مطالبہ ہے حسرت
نظارہ نے میرے دل میں ایک گل بستہ نگاہ لاکر رکھ دیا ہو جسے لوگ سویدا کہتے
ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھا چاہیے کہ میرے دل میں سیاہ نقطہ نہیں ہو بلکہ
حسرت آلودہ نگاہوں کا گلہ بستہ ہو۔

چشمِ تریں حسرتِ دیدار سے نہیاں
 شوقِ غماں کیخوئے - دریا کہیں جسے
 درگاہِ شگفتنِ گل ہائے عیش کو
 صبح ہمارے پندہ میں نہا کہیں جسے

غالب - بڑا نہ مان جو واعظ بڑا کہے
 ایسا بھی - کوئی ہو کہ سب اچھا کہیں جسے

۲۲۷
 چشمِ بگل لالہ نہ خالی ز ادا ہو
 داغِ دلِ بیدار و نظر گاہِ حیا ہو

۱۲
 لہ شوقِ غماں کیخوئے - چشمِ اشک ۱۲
 عام بھول تو صبح ہمارے سپید ہی کے نمودار ہونے پر کھلا کرتے ہیں لیکن ہماری عیش و
 نشاط کے پھولوں کے گلنے کے لیے پندہ دنیا کی سپیدی کی ضرورت ہے - پندہ پندہ روئی جو
 شرابِ نشاط کی بوتل میں ڈالنے کے کام میں لائی جائے - رونی کا رنگ چونکہ سپید ہوتا ہے اس لیے
 اس کو صبح کی سپیدی سے تشبیہ دی ہو ۱۲
 شاعر کہتا ہے کہ گل لالہ پر چشم کے قطرے پڑے ہیں اس میں بھی ایک ادا نکلتی ہے یعنی وہ ایک
 مطلب کو ادا کر رہے ہیں گویا وہ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ لالہ میں داغ تو ہو مگر درد نہیں - یا
 اس کے لیے باعثِ شرم ہے اور اسی شرم کی وجہ سے چشم کے قطرے عرقِ شرم بن گئے ہیں

دل خوش شد کہ کشمکش حسرت دیدار
 آئینہ دست بہ دست حسرت حسرت
 شعاع سے منور ہوں شعلے جگہ
 جی کسبت رافردگی دل پہ جلائی؟
 تمثال میں تیری ہو وہ شوخی کہ بعد ذوق
 آئینہ یہ انداز گل۔ آغوش کُشا ہو
 قمری کعب خاکستر و بلبل قفس رنگ
 اوی تار نشانِ جگر سوختہ کیا ہو
 خونے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
 معشوقی و سبے حوصلگی۔ طوف بلا ہو

لہ مطلب یہ ہو کہ ہمارا دل کشمکش حسرت دیدار سے غول ہو کر بیت بہ دست حسرت حسرت کے ہاتھ میں
 آئینہ بن گیا ہو۔ یعنی ہمارا دل اس کا غافل ظاہر کرتا ہو۔ بہ دست حسرت حسرت سے مراد ہو جو
 خاک نگاہ کے شوق میں بہ دست حسرت ہو۔ لہ جو لی ہو بات لی۔ جی جلا ہو۔ دل کرہا ہو
 افسردگی دل سے دل کے شعاع عشق سے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہو۔ لہ اس شعر کے
 معنی سب شعر میں مختلف بیان کیے گئے ہیں ایک شاعر نے قفس رنگ کو غلط بتایا ہو وہ
 کہتے ہیں کہ قفسی رنگ صحیح ہو اور اسی کو صحیح مان کر اس نے شرح لکھی ہو لیکن ہماری رائے میں جو
 مطلب مولانا حالی نے پاؤ گار غالب میں خود مرزا کے حوالے سے لکھا ہو وہ صحیح ہو اور جو
 یہ ہو کہ قمری جو ایک کعب خاکستر سے زیادہ اور بلبل جو ایک قفس عنقریب سے زیادہ نہیں
 ان دونوں کے جگر سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت صرف ان کے چمکنے اور
 برتنے سے ہوتا ہو۔ اس شعر میں اوی کا لفظ خبر کے معنی میں استعمال ہوا ہو جو مرزا کا
 اختراع ہو۔ لہ تیری ہر مزاجی نے۔ وحشت دل بے گاہش دل کے معنی پر استعمال ہوا ہو

مجبوری و دعویٰ گرفتاری الفت
 دست و شک آمد و پیمان و وفا ہو
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ
 تیغ ستم آئینہ تصویر نما ہو
 پرتو خورشیدِ جہاں تابِ اُدھر بھی
 سائے کی طرح ہم عجیب وقت پڑا ہو
 نا کرد گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
 یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہو

۱۱۔ مناسب یہ ہے کہ چونکہ ہم مجبوری سے محبت تیار رہے ہیں اس لیے ہمارے پیمان و وفا
 کی مثال اسی ہو کہ پتھر کے ایسے ہاتھ دب گیا ہو اور نہ نکال سکتے ہوں ۱۲۔
 ۱۳۔ معشوق کی تیغ ستم کو آئینہ تصویر تما قرآن و یا ہو۔ کیونکہ جس تاوار سے اس نے پہلے چائے
 والوں کو شہید کیا وہی اب عشاق کے گلے پر چل رہی ہو اور اس کی موجودہ تیزی اور رکاوٹ
 کو دیکھنے سے یہ جونی اندازہ ہوتا ہو کہ جو ظلم اس وقت کیا جا رہا ہے وہی شہیدان گزشتہ کو
 پھیلنے پڑے ہوئے ۱۴۔

۱۵۔ فقر معرفت الہی میں ڈوبا ہوا ہو پرتو خورشید جہاں تاسیے مراد ہو خدا کا نور اس سے مخاطب
 ہو کر کہتا ہو کہ نور انہی میں بھی اپنی نخلی دکھا دے تاکہ ہم فنا فی الحق ہو جائیں اور جس طرح سنا
 دھوکے میں ہو کہ اس کا کوئی وجہ دہو اسی طرح ہم بھی اپنی ہستی کو بھوم سمجھتے ہیں فنا فی الحق ہو جانے
 سے ہم اس دھوکے سے کہ ہمارے ہستی کوئی وجہ درستی ہو نکل آئیں گے جس طرح آفتاب کے چمکنے
 سے سایہ کی ہستی فنا ہو جاتی ہو ۱۶۔
 ۱۷۔ نا کردہ گناہ :- وہ گناہ جو عیبِ عدم استیلاعت سرزد نہیں ہوئے ۱۸۔

بے گانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب
کوئی نہیں پیرا تو، مری جان نہ رہی

منظر تھی شکل۔ تجلی کو تو ر کی
اک خون چکاں کھن میں کروڑنٹا و پس
و اعظ۔ نہ تم پیو۔ نہ کسی کو پلاس
رطنا ہر جھ سے حشر میں تل آ رہیوں اٹھا
آمد ہمار کی ہو جہیل ہو فقہ سنج
گو و ان نہیں پڑاں کے نکائی ہوئے تو ہیں
کیا فرم ہو کہ سب کو ملے ایک جواب
گری سہی کلام میں۔ لیکن نہ اس قدر

قسمت کھلی ترے قدر رخ سے ظہور کی
پڑتی ہو نکھر ترے شہیدوں پر۔ جو ر کی
کیا بات ہو؟ تمھاری شراب طو ر کی
گویا۔ ابھی سستی نہیں آواز صو ر کی
اڑتی سی ایک خبر ہو زبانی طہو ر کی
کبھی سے ان بتوں کو بھی نسبت ہو دو کی
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طو ر کی
کی جس سے بات اُس نے شکایت کی

غالب گراں سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب۔ نہ رکروں گا حضور کی

لے تجلی سے تجلی الہی مراد ہو اور یہ شعر لغت میں کہا گیا ہے ۱۲۔
۱۳۔ شاعر کہتا ہے کہ آدمی کو اس قدر تیز نہ لانی نہیں چاہیے کہ ہر کوئی شکایت کرے ۱۴۔
۱۵۔ غزل اُس زمانہ میں لکھ کر بادشاہ ظفر کو سنائی گئی جب اُن کا اساد حج کو جانے کا تھا۔
مقطع سے انتہائی تنوخی ظاہر ہوتی ہو ایک مصرع میں تو حج کے جانے کے لیے اُمالِ اشتیاق کا
اظہار کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسرے مصرع میں اس منست ماننے سے کہ حج کا ثواب
حضور کی نہ رکروں گا اپنی نظر میں حج کی بے قدری کا ثبوت دیتے ہیں ۱۶۔

<p>عم کھانے میں بوڑھوں کا کام بہت ہی کہنے ہونے ساقی سے جیا آتی ہو رہ فیئر گماں ہیں ہی نہ صیاد کہیں میں کیا نہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی ہیں اہل خرد کس ویش خاص و نمازاں زمزم ہی پھوڑ مجھے کیا طیف حرم ہی ہی فکر کہ اب بھی نہ نے بات کہ ان کو خوں ہو کے جا آئے نہ پکا نہیں ہو مرگ</p>	<p>یہ سچ کہ کم ہی مکی کفام۔ بہت ہی ہی ہوں۔ کہ مجھے دیر تو نہ جام بہت ہی گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہی پاؤں اش عمل کی طمع خام بہت ہی پابنگی رسم و رہ عام۔ بہت ہی آلودہ ہی۔ جامہ احرام بہت ہی انکار نہیں۔ اور مجھے ابرام بہت ہی رہنے نے مجھے بال کہ بھی کام بہت ہی</p>
---	--

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 شاعر تو وہ اچھا ہی پر بدنام بہت ہی

۱۱۔ اس شعر میں اپنی قناعت اور خود داری و دونوں باتوں کو بیان کیا ہے۔ قناعت تو یہ ہے کہ
 شراب کی تلچھٹ ہی اپنے لیے کافی تہائی ہے لیکن خود داری کے خیال سے ساقی پر اس قناعت
 کا اظہار نہیں کرتا کوئی ایسا ظاہر ہونے سے ساقی اسے کم بہت اور ذلیل سمجھ بیگا ۱۲۔
 ۱۳۔ شاعر نے اس شعر میں تصوف کے اس نکتہ کو بیان کیا ہے کہ گوشہ نشینی میں کوئی خطرہ
 نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ ایسی آذادی سے جس میں خطرہ ہو قیاد میں پڑا رہنا بہتر ہے تصوف
 کی نظر سے علیحدہ کر کے اس شعر کے معنی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص گنہگار اور کس میری کی حالت میں
 ہوتا ہے اس کا کوئی دشمن نہیں ہوتا جس سے اس شخص کے ساتھ کرتے ہیں جو ان میں نمایاں ہوتا ہے
 ۱۴۔ اہل خرد یعنی خواص ہونے کو عام طبقے سے بالاتر سمجھتے ہیں کس بات پر ناز کرتے ہیں
 و آئی حائیکہ وہ عام رسموں کے پابند ہیں ۱۵۔

۱۶۔ بات بتاؤ۔ وصل ہونا۔ ابرام۔ پکا کرنا۔ مضبوطی کرنا ۱۷۔

بیت ہوئی ہو یا رہ کو مہماں کیے ہوئے
 جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے
 کرتا ہوں جمع پھر جاگرت لخت لخت کو
 عرصہ ہوا ہی دعوتِ ترگاں کیے ہوئے
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہوا دم
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
 پھر گرم نالہائے شہر بار ہوا نفس
 مدت ہوئی ہو سب چراغاں کیے ہوئے
 پھر پیشِ جراحتِ دل کو چلا ہوا عشق
 سامانِ صد ہزار نمکِ اس کیے ہوئے
 پھر بھریا ہوا خامہ ترگاں بہ خونِ دل
 ساندِ چمن طرائفِ دامان کیے ہوئے
 باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیہ و پھر قیب
 نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوئے

۱۔ جوش قدح سے بزم چراغاں انم شاعری نے شرابِ آتشیں کے جام کو چراغ سے نسبت

دی ۱۲۵-

۲۔ وضع احتیاط سے گریباں پھاڑنے میں احتیاط کرنے کی عادت سے مراد ۱۲۵-
 ۳۔ ترگاں کا مفہوم ہواورین دل کی روشنائی ہو اس سامان سے صفو دامن پرگنہ کا
 منظرہ ہیں ۱۲-

دل پھر طوائف کوئے ملاحت کو جائے ہی
 پندار کا صہم کہہ دیراں کیے ہوئے
 پھر شوق کر رہا ہی خریدار کی طلب
 عرصہ متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے
 دوڑے ہی پھر ہر ایک گل و مالہ پر خیال
 حدیگاہیں نگاہ کا سماں کیے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھو لے لے
 جاں نذر و لغزبہی عنواں کیے ہوئے
 مانگے ہی پھر کسی کو لب بام پر ہوس
 نہ لب سیاہ رخ پریشاں کیے ہوئے
 چاہے ہی پھر کسی کو مقابل میں آرزو
 سرے سے تیز و شہ ترگاں کیے ہوئے
 اک دو بہار ہمارا کہتا ہے ہی پھر نگاہ
 پھرہ فروغ ٹی سے گلستاں کیے ہوئے
 پھر جی میں ہی کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
 سرز پر باریہ منت و رہاں کیے ہوئے
 جی پھونڈتا ہی پھر وہی فرصت کہ رات دن
 بیٹھے رہیں نصویرِ جاناں کیے ہوئے

غائب ہیں نہ چھپر کہ پھر چوٹ اشک و
بیٹھے ہیں ہم۔ تہیہ طوفاں کیے ہوئے

تو پیر امن ہو بے داد۔ دوستا۔ جاں کے لیے
رہی نہ طربِ ستم کوئی آسماں کے لیے
بلا سے گرثرہ یار۔ تشنہ خوں ہو +
رکھوں کچھ اپنی بھی شرکانِ غلّ فشاں کے لیے
وہ زندہ ہم ہیں۔ کہ ہیں روشناسِ خلق۔ اور حضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاو وال کے لیے
رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک
بلائے جاں ہو۔ ادا تیری اک جہاں کے لیے
فلک! نہ دور رکھ اُس سے مجھے۔ کہ میں ہی نہیں
دراز دوستی قاتل کے امتحاں کے لیے

اس مطلب یہ ہے کہ دوست نے اس درجہ بے داد کی کہ آسمان کے لیے کوئی ظلم ہا تہی نہیں
چھوڑ اس لیے اب آسمان کے ظلم و ستم سے جان کوئی ڈبہ باقی نہیں رہا ۱۲۔
اس شعر میں رشک کا اظہار کیا گیا ہے کہ عشق کی اور اگرچہ بلا ہو لیکن وہ دوسروں کے لیے
بلا بھی بنی ہوئی ہے ۱۳۔

اس یعنی قاتل سے دور رہنے میں قاتل کو بڑھاپا پڑ گیا اور یہ فعل وہ اور دوستی کے ہم معنی ہے
شاعر نے رعیتِ نفی سے شعر میں بیانِ دلی ہے۔

مثال یہ میری کوشش کی ہو کہ مربع اسیر
 کرے قفس میں فراہم خنثیاں کے لیے
 گدے سمجھ کے وہ چپ تھا مری ہوشامت آئی
 اٹھٹھا اور اٹھٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لیے
 بہ قدر شوق نہیں۔ طرف تنگنائے غزل
 کچھ اور چاہیے وسعت کے بیاں کے لیے
 دیا ہو خان کو بھی رہا اُسے منتظر نہ لگے
 بنا ہی عیش۔ تجمل حسین خاں کے لیے
 زباں پر بار خدا آیا یہ کس کا نام آیا؟
 کہ میرے لفظ نے بوسے مری زباں کے لیے
 نصیر دولستا دیں۔ اور معین ملت و ملک
 بنا ہی چرخ بریں۔ جس کے آشاں کے لیے

لے انہی کوشش کو مربع اسیر کی اس کوشش سے جو وہ قفس میں آشیانہ بنانے کے لیے
 کرتا ہو مشابہت دیگر فضول اور بے قاعدہ ثابت کیا ہی ۱۲۔
 لے اس شعر میں شاعر نے ایک بہت بڑے مفہوم کو دوسروں میں اس خوبی سے نظم کیا ہے
 کہ اس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں ملنی مشکل ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں جو معشوق کے
 مکان پر پہنچا تو ادل تو جیب کھڑا رہا پاسان نے سائل سمجھ کر کچھ نہ کہا جب تھا ہوش کھڑے ہوئے
 کچھ دیگر لڑائی اور معشوق کے شوق دیدنے بیاباں کر دیا قبیضہ صبری کے ساتھ پاسان کے قدموں
 پر گر پڑا اُس وقت وہ سمجھا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہو گا اُس نے وہ سلوک کیا کہ جو قابلِ اہل
 لے یہ شعر اور اس کے بعد کے پانچ شعر نواب تجمل حسین خاں نواب فرخ آباد کی مدح میں لکھے
 ہیں۔ جنہوں نے مرزا کو نہایت استیفاء کے ساتھ فرخ آباد آنے کی دعوت دی تھی لیکن وہ نہ جاکے

زمانہ عہد میں اُس کے ہی محو آرائش
 نہیں گئے اور ستارے اب آسمان کے لیے
 و برق تمام ہوا اور مدح باقی ہی ہے
 سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہو نکتہ سرا
 علمائے عام ہی یارانِ نکتہ دان کے لیے

غزلیات تمام ہوئیں و

سہ سفینہ ۱۔ یعنی کشتی۔ لیکن یہاں بیاض یاد دہان مراد ہی ۱۲

قصائد

قصیدہ اول
منقبت میں

سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار ریزہ شیشہ می جوہر تیغ کسار نمازہ ہی ریشہ نارنج صفت شرار	لہ سا نیک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکا مستی باد صبا سے ہی بعرض سبزہ سبز ہی جام زمرہ کی طرح داغ پلنگ
---	---

لہ مطلب :- ہو کہ فیض چمن سے چمن کا ایک ذرہ بھی بیکا نہیں ہو۔ یہاں تک کہ لالہ بے داغ کا سایہ چمن پر پڑا ہو وہ دل بہار کا سوید (لفظ خال) بن گیا یعنی وہ بیکا نہیں ہو ۱۱۔
۱۲۔ تیغ کوہ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں اس لیے سبزہ کو ہمارا جوہر تیغ کہا ہو مطلب :- ہو کہ باد صبا کی مستی کے اثر سے وہ سبزہ جوہر تیغ کسار تھا پڑہ بنا لے ڈوب گیا ہو عرض و جوہر کی مناسبت کی وجہ سے ان الفاظ کو شاعر نے جمع کیا ہو۔ ۱۲۔
۱۳۔ بہار کی تاثیر سے چمن کے داغ (جوسیاہ ہوتے ہیں) منسل جام زمرہ سبز بن گئے ہیں۔ شرار جو نمازہ نہیں ہوتا۔ ریشہ نارنج کی طرح ترقوازہ ہو گیا ہو۔

<p>کراس آغوش میں ممکن ہو دو عالم کا فضا راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار سر لوشٹ جہاں ابر۔ بہ یک سطر غبار وقت نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار بھول جا یک قبح بادہ بہ طاق گل نادر</p>	<p>مستی ابر سے گلچیں طرب ہی حسرت کوہ و صحرا ہمہ معمور ہی شوقِ بلبس تسوئے ہی فیض ہوا۔ صورتِ شرکانِ تہیم کاٹ کر پھینکے ناخن۔ تو بہ اندازہ لال کھٹ ہر خاک بہ گردن شدہ قمری پروا و کہ وہ میں ہوا اگر آرزوئے گل چینی</p>
---	---

۱۔ گلچیں طرب ہی حسرت و حسرت خوشی کا لطف اٹھاتی ہو مطلب یہ ہے کہ ابر نے چاروں طرف پھیل کر دو عالم کو اپنی آغوش میں لایا اور اس سے مجھ حسرت بھی ہو کیونکہ میرا آغوش خالی ہو گیا یہ حسرت طرب آمیز ہی طرب آمیز اس لیے کہ فی نفسہ ابر کا ہونا میرے لیے باعثِ طرب ہے ۲۔ راہِ خوابیدہ وہ راہ جس پر کسی کی آمد و رفت نہ تھی۔ سنسان پڑی ہوئی تھی ۳۔ دو جہاں ابر۔ یعنی کثیر ابر مطلب یہ ہے فیض ہوا سے مثل تہیم کی شرکانِ خاک کے جس سے مٹوں ویرانے خشک جادری رہتا تھوڑے سی غبار میں بھی ابر کی طرح ہو چکا ۴۔ ہم مطلب یہ ہے کہ بہانے پر چیز میں جان ڈال دی ہے۔ ہر کھٹ خاک قمری بن گئی ہے اور ہر ششیا طاؤس بن گیا۔ قمری کا رنگ تھا کی ہوتا ہے۔ اس لیے کھٹ خاک سے مشابہت دی ہے اور کاغذ جو آگ سے جل کر مشک ہو جاتا ہے اس لیے اسے دام سے نسبت دی ہے ۵۔ کتنا ہی کہ اگر تو میگرد کہ باغ بنانا چاہتا ہے تو میگرد کہ طاق گلزار میں ایک جام شرب رکھ کر بھول جا۔ فیض بہار سے ایک جام کے ہزار جام پیدا ہو جائیں گے۔ طاق گلزار یا گلزار طاق اس طاق کو کہتے ہیں جو پرتائی قلع کے محراب میں سب سے بڑا نمایاں طاق ہوتا ہے جس میں گل کاری کا کام بنایا جاتا ہے اس کو گلدستوں سے بچاتے ہیں۔ طاق گلزار کہ باغ کا طاق

پتھر غلطی ہے ۱۲

<p>موج گل دھندلے بطوت کہہ عجب باغ کھینچے گرامنی اندیشہ چمن کی تصویر نعل سے کی پڑی زمرہ بدست شاہ وہ شمشاد کہ جس کی پی تعمیر سرا فلک العرش ہجوم خیم دوش مزدور بہرہ یمن و یک خط پشت لبام قال کے خاشاک سے حال ہو جیسے یک پرکا خاک صحرائے بخت جو ہر سیر عرفا دورہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز</p>	<p>گم کرے گوشہ می خانہ میں گرتو مستار بہرہ مثل خط نو خیز ہو خط پرکار طوطی بہرہ کسار نے پیدا منتقا چشم جبریل ہوئی قالب شمشاد دیوار بہرہ فیض ازل سائے طاب معما رفت بہت عبد عارف و یکسویج حصا وہ ہے مردہ بال پری سے بہرہ ار چشم نقش قدم آئینہ بخت پیدا گرد اس وشت کی امید کو حرام بہا</p>
--	--

لہذا طوطی کہہ عجب باغ یعنی خوب باغ را حرافت بیانی ہی موج گل سے گل کا کثرت سے پیدا ہوا مراد ہے ۱۲۔

نعت اس شعر میں بہرہ کو ہمار کو طوطی اور بل کیو پہاڑوں کی نکلتا ہی۔ فقار طوطی کہا گیا ہی مطلب یہ کہ یہ طوطی مراد فقار حضرت کی موج سرائی کے لیے پیدا ہوئی ہے ۱۲۔

بہرہ ہجوم کا لفظ کثرت کا معنی ہے کیونکہ اس کے لیے آیا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں سائے معنی سامان طاب و معمار کی وہ دوسری جس سے وہ دیوار کی جی و راستی کو بنا پتا ہوا اس شعر میں روح کی بلندی و راستی کا بیانی ہے ۱۲۔

نکے بہرہ بہ چمن۔ نو اسماء کی طرف اشارہ ہے اور حرف عطف جو دونوں مصرعوں میں استعمال ہوا اس سے دو چیزوں کا مقابلہ کر کے مساوات دکھائی ہے۔

۱۲۔ مردہ بال پری ۱۲۔ وہ نکلتا جو پری کے پانہوں سے بنایا جاتا ہے ۱۲۔

۱۲۔ بخت کے گرد کے ہر ذرے پر آفتاب کو ناز ہو اور اس کے جنگل کی گرد و امپہ کے پہلے فصل بہار کا جامہ آسمان ۱۲۔

آفرینش کو ہواں سے طلب مستی ناز
عصن خمیازہ ایجا دی ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہلے شمع شستان بہار شکل طاووس کرے آئندہ خانہ پرور تیری اولاد کے غم سے ہی روئے گردوں ہم عبادت کو ترا نقش قدم - مہر نماز بیج میں تیری نہاں مژدہ نسبت نبی چہرہ دست دعا آئندہ یعنی تائیسہ	دل پر واند چھاواں پہل بل گلزار ذوق میں جلوے کے تیرے - پہچان ویدار ساکب اختر میں مہ نوثرہ گوہر ہمار ہم ریاضت کو تیرے حوصلے سے انتظار جام سے تیرے عیاں دہ جوش اسرار یک حرف ناز بن شرکاء دگر سو غم خار
---	--

۱۔ ہر موج غبار ایجا دی انگڑائی ہے یعنی نشہ اتر جانے پر شراب فخر ناز کی۔ طلب ہم طلب
یہ سرزمین بخت پیدا کر کے آفرینش کو ہوا ہار ناز ہوتا ۱۲۔
۲۔ اس شعر میں مہ نوثرہ اور ستاروں کو ساکب اشاب قرار دیا ہے گوہر ہمار یعنی ہر موج
والی اشک گوہر اس لیے کہا کہ غم حسین علیہ السلام میں آنکھوں سے جو اشک نکلتے ہیں
دہ ہوتی کار تہہ سکتے ہیں۔

۳۔ مہر نماز - مجدد گاہ - انتظار - پشت پناہ ہونا - مددگار ہونا ۱۲۔
۴۔ دست دعا آئندہ بقلب اضافت آئندہ وسعت و عار مدوح کے وسعت دعا
کی طرف اشارہ ہے اور مدوح کی دعا کی تاثیر کو جو برپا ہے آئندہ کو ہر سے جو نسبت اور
تھا ہر مطلب یہ ہے کہ مدوح کی دعا کی تاثیر جو ہمیشہ شرف قبولیت پاتی ہے شرکاء کے لیے
جو دعا کے وقت انکس بار تھی باعث ناز اور غار غم کے لیے موجب حسرت ہوتی ۱۲۔

<p>خاک دور کی تری جو چشم نہ ہو آئندہ دار عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوار</p>	<p>مرد کی سے ہو غراخانہ اقبال نگاہ دشمن آل بنی کو برب خانہ دھماکہ</p>
<p>دیکھو تادل اس رائیہ یک پر تو شرق فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار</p>	
<p style="text-align: center;">قصیدہ دوم منقبت میں</p>	
<p>ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ تھا تو وہیں بیکسی ہائے تما کر نہ دنیا ہو دیں نور ہو آئندہ فرق حسنوں و تمکین</p>	<p>و ہر خیر جلو دیکھا فی معشوق نہیں بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہو نہ ذوق ہرزہ ہی نغمہ زیر و ہم ہستی و عدم</p>
<p>لے جو آنکھ تیرے دور کی آئندہ دار نبودہ اقبال نگاہ کا ماتم خانہ ہو جائے یعنی اندھی ہو جائے آنکھ کی پس میں سیما ہی ہوتی ہو اس لیے آنکھ کو غراخانہ کہا ۱۲ لے خمیازہ سیلاب موج سیلاب کا استعارہ ۱۳ لے مسدود آنکھ سے لیکر دل تک ایک ہر گوشہ گوشہ کا آئینہ ہو یعنی وہ ہر فن شوق نہا ہوا ہو فیض معنی سے راقم حروف کا ساغر سرشار ہو یعنی اس کی تحریر مضامین منقبت سے برزخ ہو کہ اس شعر میں تصویف کے مسئلہ پر ادب سنسٹا کی طرف اشارہ کیا گیا ہو ۱۴ زیر و ہم اور ہم معنی و عدم میں لغت و شعر غیر متباعد ہیں ہم سے عدم اور ہم سے ہستی مراد ہو جنوں و تمکین ۱۵ دیوالی اور ہوشیاری ۱۶</p>	

<p>نقش معنی ہمہ جہازہ عرض صورت لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم مثل معنوں وفا باد بہ دست تسلیم عشق سے ربی شیرازہ اجڑائے جس کوہ کن گرسزد مزدور بہ طرب گاہ قریب کس نے دیکھا نقش اہل وفا آتش خیر سامع ز فرمہ اہل جہاں ہوں لیکن کس قدر ہرزہ سرا ہوں اکیہ یاد ابا اللہ نقش لاجول لکھ اے خامہ ہزیاں تخریر منظر فیض خدا جان و دل ختم برسل</p>	<p>سجن حق ہمہ پیمانہ ذوق محسوس درد یک ساغر غفلت بچہ چھوچھوچھو صورت نقش قدم خاک پر فرق نکلیں وصل رنگارنگ رخ آنہ حسن یقین بے ستون آنہ خواب گراں شیریں کس نے پایہ اثر نالہ دل ہائے حیریں نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفیر یک قلم خایج آداب وقار و تمکین یا علی عرض کرے فطرت سوا میں قریں قبلہ آل نبی کعبہ ایجا د یقین</p>
---	--

۱۔ جو لوگ معنی شناسی کے ورپے ہیں وہ محض ظاہر داری کرتے ہیں اور جو لوگ حق گوئی کے
 اظہار میں بے باکی ظاہر کرتے ہیں وہ بھی صرف تحسین اور ستائش کے خواہشمند ہیں۔
 مطلب یہ ہے کہ معنی شناسی وہ اچھی جس میں ظاہر داری کا لگاؤ نہ ہو اور حق گوئی کا کام
 جو تحسین و ستائش کے خیال سے بالاتر ہو۔
 ۲۔ باد بہ دست سے پشیمانی اور حیرانی اور خاک بہ فرق یعنی خاک سے ہونے سے
 دولت و پریشانی مراد ہو جو مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں وفا کی طرح تسلیم و رضا سے کچھ
 قائم نہیں اور نقش پا کی طرح تحسین و خود داری سے دلستہ ہی کا سامنا ہوتا ہو۔
 ۳۔ اہل خرد و عقل جو اس کو عشق کہتے ہیں اور وصل رنگارنگ کو یقین کے آئینہ کا۔
 یعنی اگر یقین کامل ہو تو وصل ظاہر کی ضرورت ہی نہیں۔

ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گرم خرام
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اُس کا جس جا
 نسبت نام سے اس کی ہو یہ رتبہ کہ ہے
 فیض خلق اُس کا ہی شامل ہو کہ ہوتا ہوا
 بریں تیغ کا اُس کی ہو جہاں میں چرچا
 کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہو کہ جس سے پوئے
 جاں پناہ! دل و جان مضی سانا! شاہا!
 جسم اطہر کو ترے - دوش ہمیں سر
 کس سے ممکن ہو تری مدح بغیر از وہب
 آستان پر ہو ترے - جو ہر آئینہ شک
 تیرے در کے لیے اسباب تیار آمادہ
 تیری مدح کے لیے ہیں لہ جاں کام و زباں
 کس سے ہو سکتی ہو مداحی ممدوح خدایہ
 غنم با نادموا صی اسد اللہ اسد
 شوخی عرض مطالب ہیں ہو گستاخ طلب
 دے دعا کو مری - وہ مرتبہ حسن قبول
 غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک بفرینہ

ہر کھنکھاک ہو وال گردہ تصویر میں
 وہ کھنکھاک ہو ناموس عالم کی امیں
 ابدی پشت فلک خم شدہ ناز میں
 بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگین
 قطع ہو جائے نہ سرشتہ ایجاد کہیں
 نگ عاشق کی طرح رونق بخانہ چیں
 وصی ختم یسل تو ہی ہو فتولے یقین
 نام نامی کو ترے ناصیہ عرض گین
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 رقم بندگی حضرت جبریل امیں
 خاکبوں کو جو خدائے دیے جان دل دیں
 تیری تسلیم کو ہر لمحہ و قلم دست و چین
 کس سے ہو سکتی ہو آما کس فرودین
 کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں
 ہو ترے حوصلہ فضل پر از بس کہ یقین
 کہ اجابت کے ہر حرفت پہ سو بایا میں
 کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں نگین

طبع کو الفت دلائل ہیں بہر گری شوق	کہ ہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے ہیں
دل الفت نسب و سبب توحید فضا	نگہ جلیہ پرست و نفس صدق گزین
عرفت اعدا۔ اثر شعلہ دو و دو زخ	وقفہ اسباب گل و سنبل فرد و بن ہیں

قصیدہ سوم

شاہ ظفر کی صبح میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا

یاں مہ نو مینیں ہم اس کا نام	جس کو تو جھک کے کر رہا ہو سلام
نور و ن آیا ہو تو نور و م صبح	یہی انداز اور یہی اندام
بار سے دو دن کہاں رہا غائب	بندہ عاجز ہو گردش ایام
اڑ کے جاتا کہاں کہتا رہی کا	آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا ای سرور خاص خواص	مہذب ای نشاط عام عوام
عذری میں تین دن نہ آنے کے	لے کے آیا ہو عید کا پیغام

سنہ اس سے قدم اور مجھ سے چین فارسی مخدوم کا ترجمہ یعنی اس کا قدم ہوا اور میر کا چین ہو ۱۲۔

۱۱۔ دل الفت نسب و سبب توحید فضا۔ سبب رکھنے والا دل۔ سبب توحید فضا۔
ایسا کہ توحید توحید سے منظور ہو ۱۲۔
۱۳۔ مہ نور یا عید سے مراد ہو ۱۲۔

<p>صبح جو جائے اور آئے شام تیرا آغاں اور ترا انجام مجھ کو سمجھا ہو کیا نہیں تمام ایک ہی ہو امید گاہ انام غالب اس کا مگر نہیں ہو غلام تب کہا ہی یہ طرز استغلام قرب ہر روزہ برسبیل دوام جذبہ تقریب عید ماہ صیام پھر بنا چاہتا ہی ماہ تمام مجھ کو کیا بانٹ دیگا تو افعام اور کے لین دین سے کیا کام گر تجھے ہی امید رحمت عام کیا نہ دے گا مجھے مگر کلام کہ چکی قطع تیری تیزی گام کوئے و مشکوئے و صحن و منظر دام اپنی صورت کا اک بلوریں جام تو سن طبع چاہتا تھا لکام</p>	<p>اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا ایک ہیں کیا کہ سب نے جان لیا راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہی؟ جانتا ہوں کہ آج دنیا میں میں نے مانا کہ تو ہی حلقہ بگوش جانتا ہوں کہ جانتا ہی تو! مترناہاں کو ہو تو ہو ای ماہ تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو ماہ بن ماہتا بابت میں کون؟ میرا اپنا جہاں ماہ ہی ہی مجھے آرزوئے بخشش خاص جو کہ بخشے گا تجھ کو تر فروغ جبکہ چودہ منازلِ فلکی تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر دیکھنا مسیحا مہم میں لبریز پھر غزل کی روش پہ چل نکلا</p>
---	--

غزل

تہر غنم کر چکا تھا میرا کام مگر ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں؟ بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہو! کعبے میں جا سجائیں گے ناقوس اُس قدر ح کا ہو دور مجھ کو نقتہ بوسہ دینے میں اُن کو ہو انکا	مجھ کو کس نے کہا کہ ہو پناہ نام غم سے جب ہو گئی ہو زینتِ حرام کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام اب تو باہر مٹا ہو دیر میں احرام پہنچنے لگی ہو جس سے گردشِ وام دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
--	--

چھڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
کیوں رکھوں؟ ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ۔ اب تو کہہ کون ہو جس کے در پہ ناصیب سا تو تمہیں جانتا تو مجھ سے سن قبائے چشم و دل بہا و شاہ	ای پری چہرہ پیک تینر خرام! ہیں وہ مہر و زہرہ و بہرام؟ نام شاہنشاہ مابستہ مقام منظرِ زوالِ الجلال والا کرام
--	---

۱۔ ابرام یہاں ضمیر کے معنی میں آیا ہے ۱۲۔

۲۔ اُن کے چھڑنے کے لیے غالب نام رکھا ہے ۱۲

۳۔ پیکہ (۱۔ دم) اور کس حرفت نسبت سے مرکب ہو رہا۔ ۴۔ ناقصہ کو کہتی ہیں ۱۲

شہسوارِ طریقہ و انصاف	نوبہارِ حسیدِ قیہ اسلام
جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز	جس کا ہر قول معنی الہام
بزم میں میزبانِ قیصر و جسم	بزم میں اوستا و رستم و سام
ای ترالطف۔ زندگی افزا	ای ترا عمدہ۔ فرخی فرجام
چشم بد دور۔ خسروانہ مشکوہ	لو حش اللہ عارفانہ کلام
جاں نثاروں میں تیرے قیصر و دم	جودہ خواروں میں تیرے مرشد جام
وارث ملک جانتے ہیں سب کچھ	ایرج و تور و خسرو و بہرام
زور بازو میں مانتے ہیں سب کچھ	گیو گود و دزد و بیزن و رام
مرحبا ہو شگافی ناوک	آفریں آب واری صمصام
تیر کو تیرے تیر غیسر ہفت	تیغ کو تیرے تیغ خضم نیام

۱۔ لو حش اللہ عارفانہ یعنی ہاں اللہ کی جگہ دیتے ہیں لیکن عربی میں ہاں کا استعمال نہیں ہوتا۔
 ۲۔ لو حش کوئی عربی لفظ ہے۔

۳۔ مرشد جام۔ مولانا احمد جام سے مراد۔ جو جن کو پیر زہرہ پیل بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۔

۴۔ ایران کے قدیم بادشاہوں کے نام یہاں ۱۲۔

۵۔ گود ایران کے ایک پہلوان کا نام ہے۔ اس کے باپ کا نام گودہ تھا۔ زہرہ پیل پہلوان تھا۔
 ۶۔ بیزن گود کا لڑکا اور رستم کا بھائی تھا۔ افراسیاب کی لڑکی ہیزو پر عاشق ہو گیا تھا۔ گودہ نے گودہ کی بیٹی
 گودہ کا بھائی تھا۔ جس نے ملاوہ ایران کے مشاہیر پہلوانوں کے زہرہ پیل و اعلیٰ ہونے کے خسرو
 اور ابراہیم شاہان ایران کے ملازمین میں سے کرملی خدمت میں انجام دی تھی کئی عرصے
 اس کی سپردگی میں تھے۔ ۱۲۔

۷۔ تیغ خضم نیام۔ وہ تلوار جس کا میان دشمن ہی کا جسم ہو یعنی جو دشمن کے جسم کے اندر پہنچ کر
 دم لیتی ہو۔ ۱۲۔

<p>برق کو بے رہا ہو کیا الزام تیرے رخسار سبک عنان کا خرام گر نہ رکھتا ہو دشت گاہ تمام کیوں نمایاں ہو صورت اذغام صفحہ ہائے دیبانی و ایام بجملہ مستدرج ہوئے احکام لکھد یا عاشقوں کو دشمن کام گنبد تیسرے گرد نیلی قام خال کو داند اور زلف کو دام وضع سوز و غم ورم و آرام ماہ تاباں کا اسم شمس شام</p>	<p>رعد کا کرہی ہو کیا دم بند تیرے قیل گراں حسد کی صدا فوق صورت گری میں تیرا گرز اس نغمہ کے مضروب کے سرو تن سے جب ازل میں قلم پذیر ہوئے اور ان اور آقا میں بہ کرب قضا لکھد یا شاہدوں کو عاشق کش آسمان کو کہا گیا کہ کس ہیں حکیم باطن لکھد گیا کہ لکھیں آتش و آب و باد و خاک نے لی مہر رخشاں کا نام خسرو روز</p>
--	--

۱۔ صورت گری :- تصویر کشی۔ دشت گاہ :- ۱۔ سرمایہ جو کسی کے قبضہ و تصرف میں ہو اور اہل عرفہ کے گاہخانہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں مراد ذلہ رست سے ۱۲۔
۲۔ یہ شعر نے پہلے شعر کے ساتھ قلم بند ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا گرد تصویر کشی کے فن میں عجیب قدرت رکھتا ہے کہ اپنے کشتوں کے سرو تن کو ایک ایک کر کے اذغام کی صورت بنا دیتا ہے۔
۳۔ اذغام عربی لفظ ہے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام دینے کو کہتے۔ اصطلاح صرف میں ایک شخص کے دعوؤں کو ملا کر پڑھنا مراد ہے ۱۲۔
۴۔ ذلت و شہرت ۱۲۔

تیری توفیق سلطنت کو بھی کاتب حکم نے ہو جب حکم ہوا ازل سے روانی آغاز	وہی بدستور صورتِ ارقام اس رقم کو دیا طراز و اقام ہوا بتک رسائی انجام
---	--

قصیدہ چہارم

صبح دم دروازہ خاور کھلا خسرو انجم کے آیا صرف میں وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود میں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ سطح گردوں پر پڑا تھا راستہ کو صبح آیا جانب مشرق تنظر تھی منظر بند ہی۔ کیا جب رُخِ سحر لاکے ساقی نے۔ صیوٹی کے لیے بزم سلطانی ہوئی آراستہ	مہر عالم تاس کا منظر کھلا شب کو تھا۔ گنجینہ گوہر کھلا صبح کو رازِ مہ و اختصار کھلا دیتے ہیں دھوکا باز یگر کھلا موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا باد گل رنگ کا ساغر کھلا رکھ دیا ہو ایک جام زہر کھلا کعبہ امن و اماں کا در کھلا
--	--

لہ توفیق فرمان ۱۲۔
۱۔ سیمیا در جاودگری کا ایک فن جس کے ذریعے اشکال وہی وغیر وہی جن کا کوئی
وجود نہ ہونظر آنے لگتے ہیں ۱۱۔

تاجِ تریں مسبرِ نایاں سے سوا
 شاہِ روشنِ دل بہادرِ شہ کہ ہو
 وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
 وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
 پہلے دارِ کاغذِ کل آیا ہو نام
 روشناسوں کی جہاں فرست ہو
 تو سن شہ میں ہو وہ خوبی کہ جب
 نقشِ پاکی صورتیں وہ دلفریب
 مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
 تھا دلِ وابستہ۔ قفلِ بے کاہد

خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
 رازِ ہستی اُس پر سترتا سر کھلا
 مقصدِ جمیعِ جہتِ آخر کھلا
 عقدہ احکامِ پیغمبر کھلا
 اُس کی سرنگوں کا جب دفتر کھلا
 وال لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا
 تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
 تو کہے بت خانہ آذر کھلا
 منصبِ مہر و مہر و محور کھلا
 میری حد و سع سے باہر کھلا
 کس نے کھولا اکب کھلا؟ کیونکر کھلا؟

۱۱۔ سرنگ۔ یہ لفظ سرور، آہنگ سے مرکب ہو۔ وہ سپاہی جو مخالف کا سر
 کا قصد کر کھتا ہو۔
 ۱۲۔ وال لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا۔ چہرہ قیصر کھلا کھلا ہو۔ یعنی صاف صاف لکھا
 ۱۳۔ بت خانہ آذر۔ یہاں آذر سے جج سے اگر ذال سے آذر سمجھا جائے تو اُس کے
 معنی فارسی قدیم میں آگ کے ہیں اور بت خانہ آذر کے معنی آتش کہہ جو جس کے بجائے
 لیکن جو سیوں کے آتش کہہ میں بت نہیں ہوتے۔ آذر حضرت ابراہیم کے چچا یا
 والد کا نام ہو جو بت تراش تھے شاعر نے انہیں کے بت خانہ کی طرف اشارہ کیا ہو

۱۴۔ محور۔ کرہ متحرک کے درمیان میں ایک فرضی اور دوسرا مرکز۔

<p>مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا لوگ جائیں۔ طبلہ و غبیر کھلا</p>	<p>باغِ مستی کی دکھاؤں کا ہزار ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس</p>
<p>غزل</p>	
<p>کاشکے ہوتا نفس کا در کھلا یار کا دروازہ پائیں گر کھلا دوست کا ہی راز و دشمن پر کھلا زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا کب کرے غزے کی خنجر کھلا؟ یہ ہر وی ہیں پرودہ و مہر کھلا آگ بھڑکی منہ اگر دم بھر کھلا رہ گیا خط۔ میری چھاتی پر کھلا</p>	<p>کنج میں بیٹھا رہوں۔ یوں پر کھلا ہم بچاریں اور کھلے۔ یوں کون جائے ہم کو ہی اس راز داری پر کھنڈ واقعی دل پر کھلا لگتا تھا داغ ہاتھ سے رکھ دی کیا ہر دکان؟ صفت کا کس کو بڑا ہی بد رقعہ؟ سو بزدل کا کیا کرے بار ایشک؟ نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ</p>
<p>دیکھو غالب سے گرا اٹھا کوئی ہر دلی پوشیدہ اور کافر کھلا</p>	
<p>سہ بد رقعہ۔۔ عربی لعنت اور معنی محافظہ و رہبر ۱۲۔</p>	

<p>پھر ہوا بدست طرازی کا خیال جاننے پائی طبیعت سے مدد مع سے مدد کی دیکھی شکوہ مہر کا نیا پہنچ چکر کھٹا گیا بادشہ کا نام لیتا ہی خطیب سکے شہ کا ہوا اور روشناس شاہ کے آگے دھرا ہی آئینہ لکے کے وارث کو دیکھا خلق نے ہو سکے کیا مدد یہاں اکتانام ہو فکر اچھی پرستاش نام تمام جانتا ہوں ہی خطبہ لوح ازل</p>	<p>پھر ہوا بدست طرازی کا خیال جاننے پائی طبیعت سے مدد مع سے مدد کی دیکھی شکوہ مہر کا نیا پہنچ چکر کھٹا گیا بادشہ کا نام لیتا ہی خطیب سکے شہ کا ہوا اور روشناس شاہ کے آگے دھرا ہی آئینہ لکے کے وارث کو دیکھا خلق نے ہو سکے کیا مدد یہاں اکتانام ہو فکر اچھی پرستاش نام تمام جانتا ہوں ہی خطبہ لوح ازل</p>
--	--

تم کرو صاحب قرانی حبیب ملک
 ہو طلسم روز و شب کا در کھلا

لے محبت کے مروج کا حق تھا۔ مروج کو تخت شہابی پر دیکھ کر کہیں کو ظاہر ہو گیا کھڑی
 سنجہ فریب سے بادشاہ بن بیٹھے۔ بادشاہ صاحب قرآن و فاتح اور طویل القدر بادشاہ سے
 مراد ہی عقلی معنی یہ ہیں کہ وہ بادشاہ جو قرآن عظمیٰ کے وقت پیدا ہوا ہو۔ یا نجوم میں
 قرآن عظمیٰ سیاروں کی ایک ہفت کو کہتے ہیں جو دولت خاص پر واقع ہوتی ہے اس
 ساعت میں جو بادشاہ پیدا ہوتا ہے اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کی سلطنت بہت
 وسیع اور عرصہ دراز تک قائم رہنے والی ہوتی ہے۔

منہ کی آموں کی تعریف میں

کیوں نہ کھولے دیر خزینه را
شاخ گل کا اہی گلشن ایں ہونا
نکتہ پائے خود فزا لکھنے
خامہ نخل رطبت شاں ہو جائے
ثمر و شاخ گوے و چو گاہاں
آئے یہ گوئے اور یہ مسیحاں
پھوڑتا ہوی چلے پھیلے تاک
باد و تاباں بن گیا انگور
شرم سے پانی پانی ہونا ہوی
آم کے آگے ذشکر کیا ہوی
جب خزاں ہو تب آئے اس کی بہاں
جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
کوہ کن باد و عشم گہنی
پر وہ یوں سہل شے نہ سکنا جان
کہ وہ اتنا نہ ازل میں مگر
شیر سے کے تار کا ہوی ریشہ خام
باغبانوں نے باغ جنت سے

ہاں دل درد مند زمرہ ساز
خامے کا صفحہ پر رواں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہوی کیا لکھنے
بائے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
آم کا کون مرد مسیحاں ہوی؟
تاک کے جی میں کیوں ہے ارباں
آم کے آگے پیش جائے خاک
تہ چاہا جب کسی طرح معتد و
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہوی
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہوی؟
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
اور دوڑا بے قیاس کہاں
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
جان دینے میں اس کو کتنا جان
نظر آتا ہویوں مجھے یہ ثمر
آتش گل پہ قند کا ہوی قوام
یا یہ ہو گا کہ قوط رافت سے

انجمن کے حکم زب السناں
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
تسبہ ہوا ہر تر قشاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
آم کو دیکھتا اگر اک بار
دو فاق کا رگاہ برگ و باد
دہر و راہ حسل کا تو مشر
عیا حب شاخ برگ دہا رہی آم
خاص وہ آم جو نہ ارنال ہو
ہو کہ ہو والی ولایت عہد
غزویں عز شان و جاہ و جلال

بھر کے بیچے ہیں۔ سرہ مہر کلاس
بدلوں تک دیا ہو آپ حیات
ہم کہاں! اور نہ اور کہاں یہ نخل
رنگ کا تر و سپر کہاں ہو پاس
پھینک دیتا طلائے دست افشاں
نازش دو دمان آب و ہوا
طوبی و سدہ کا جگر گوشہ
مان پرورد و ہر ہر ہر آم
نور نخل باغ سلطان جو
عمل سے اس کے ہو حمایت عہد
زیست طینت و جمال کمال

لے خسرو کا ترنج زر اور کسریٰ کا سونے کا ساگ مشورہ ہو کہا جاتا ہے کہ خسرو پور کے پاس
ایسا سوتا تھا کہ ہاتھ سے دبا کر جو چیز چاہو اس کی بنا لو۔ چنانچہ خسرو نے اس کا ترنج
اور بعد کا کسریٰ نے اس کا ساگ تیار کر لیا۔ جو زینت و ستر خزان کے لئے کھانے کے ساتھ
چنا جاتا تھا۔ خسرو اور کسریٰ باو شاہان فارس کے نام میں جو یکے بعد دیگرے تخت
نشین ہوئے۔ ۱۲۔

طلحہ طلائے دست افشاں سے اسی سورنے کی طرف اشارہ ہو جس کو ہاتھ سے دبا کر جو چیز
چاہو بنا لو۔ ۱۳۔

نخل باغ سلطان سے ولی عہد مراد ہے۔ ۱۴۔

تہ پہلے مصر میں عہد یعنی عہد و پیان سلطنت دوسرے مصر میں یعنی زما و وقت
مستعمل ہو رہی۔ ۱۵۔

کار فرمائے دین دولت و تخت سایہ اُس کا۔ ہما کا سایہ ہو ای مفیض و جو و سایہ و نور اس خد او تدبیر بہ پرور کو	چہرہ آراے تاج و مستند و تخت خان پر وہ خد اکا سایہ ہو جب تک ہو بنو و سایہ و نور دہشت گنج و تخت و افسر کو
شاد۔ دل شاد۔ شاد ماں رکھو اور محال پاپ مہرباں رکھو	
<h2>قطعات</h2>	
۱۱۔ شہنشاہ افلاک منظر بے مثل و نظیر پاؤں سے تیرے طے فرق لراؤ گنگ تیرا انداز سخن شائد زلف الہام	ای جہاں ارا کر مٹیو بیجہ شبہ و عیال فرق سے تیرے کرے کس سجاد اکلیل تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل
۱۲۔ مفیض۔ فیض پہونچانے والا ۱۲۔ ۱۳۔ فلک منظر۔ بادشاہ کی تعریف یا معنی وہ بادشاہ جس کا منظر یعنی بلندی آسمان کی سی ہو ۱۳۔	

تجھ سے عالم پہ کھلا راہ طہ قرب کا ہم	تجھ سے دنیا میں بچا ماندہ بدل خلیل
ہم سخن آواز وہ مرتبہ معنی و لفظ	بکرم - داغ نہ ناصیہ مستلیم بادل
تا ترے وقت ہیں ہمیشہ طرب کی خوشی	تا ترے عہد میں بیخ و الم کی تعلیل
ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر	نہ ہر نے ترک کیا حوت کتنا خلیل
تیرے دامنش مری اصلاح مناسبت ہیں	تیری بخشش مری انجام تقا کی خلیل
تیرا قبیل تر مے صینے کی نوید	تیرا انداز تغافل مے مرنے کی دلیل
بخت ماساز نے چاہا کہ نہ دے مھکوان	خرج کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
پیشے الی ہی سرشتہ اوقات میں	پیلے سٹونکی ہو بن ناخن تدبیر میں خلیل

اے قرب کلیم اور بدل خلیل ابھی تک لوگوں نے کتابوں اور روایتوں میں سنا تھا لیکن چونکہ یہ دو باتیں تجھ کو بھی حاصل ہیں اس لیے اب آنکھوں سے دیکھ لیا ۱۲

تجھ تو اپنی سخن سے معنی و لفظ کا مرتبہ بلند کرنے والا ہو اور اپنی بخشش سے قلوب و منہ کی پیشانی پر داغ ڈالنے والا یعنی ان کو شرمندہ کرنے والا ہو ۱۳

نکھ تو فیر - زیادتی - اس شعر کو شعرا بعد کے ساتھ پڑھنے سے مطلب نکلتا ہے کہ تیرے عہد میں ہمیشہ عیش و عشرت کا عالم ہے اس لیے ماہ نے نور سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے اور نہ ہر نے عت میں قیام کر لیا - نور اور حوت علم نجوم کی اصطلاح میں برہوں کے نام ہیں - ماہ کا بیج نور اور نہ ہرہ کا بیج حوت میں قیام مبارک ہوتا ہے ۱۴

نکھ و خراج - مطلب پورا ہونا ہے ۱۵

شہا قبیل یہاں منفعت ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۱۶

نکھ اس شعر میں شعرا قبل کی توضیح کی گئی ہے یعنی شاعر اپنے بخت کی اسازی کا بیان کرتا ہے کہ پہلے تو مجھے کسی مصیبت سے نجات پانے کی تدبیر کرنے کے ناقابل نہادیا اس کے بعد مصیبت میں مبتلا کیا - تاکہ میں مصیبت سے کل نہ سکوں ۱۷

پیش دل نہیں ہے رابطہ خوف عظیم دور معنی سے مراصہ لغت کی داری فکر پیری گہراں و اشارات کثیر میرے ابھام پہ ہوتی ہی تصدیق توضیح نکات کی مری حالت تونہ دیتا کیف قبلا کوئی مکاں! خستہ نوازی میں دیر	کشش دم نہیں ہے ضابطہ حمد قلیل غم گیتی سے مرا سبب امر کی زنبیل کلم میری رقم امور عبارات قلیل میرے اجمال سے کرتی ہی تراویں قلیل جمع ہوتی مری خاطر تونہ کرتا جمیل کعبہ امن اماں! بختہ کشائی میں قلیل
---	--

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جاوہل جاؤ	۲۰ کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے قسم لو ہم سو گریہ بھی کس کیوں ازم نہ کہتے تھے
---	---

۱۱۔ میرے دل کی پیش خوف عظیم سے خالی نہیں ہو اور میرے لیے سانس کا کھینچنا جو ثقیل کی کشش سے کم نہیں ہو۔

۱۲۔ امر کی زنبیل سے غم و عیار کی زنبیل مراد ہے جس کا ذکر مشہور کتاب داستان امیر حمزہ میں آیا ہے داستان میں غم و عیار کی زنبیل کی نسبت کہا گیا ہے کہ جو کچھ اس میں پڑتا تھا سب غائب ہو جاتا تھا۔ اور وہ بھی پورہ ہوتی تھی۔ غالب نے اس شعر میں عمر کا اطلاق اس سے لکھا ہے اور میر کو متحرک سمجھا لیا ہے حالانکہ کتاب داستان، امیر حمزہ کا جس سے غم و عیار کی زنبیل کا حوالہ دیا گیا ہے۔ موضوع حضرت امیر حمزہ عم حضور سرور کائنات ہیں اور مصنف داستان نے حضرت عمرو بن امیہ صحابی کو اپنی داستان میں عیسیٰ کا عہدہ دیا ہے اور طرح طرح کی عیادوں کو ان مشہور کیا ہے جس کی طرف یہ دو معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرت مسلم نے انھیں جاسوسی کے لیے مشرکین کو بھیجا تھا اور مشرکین نے حبیب صحابی کو سولی پر چڑھایا تھا لیکن عمرو بن امیہ صحابی مشرکین کی آنکھ بچا کر حبیب کو سولی سے اتار کر اٹھائے گئے تھے تھا کی دلیلی کی تلخ بھی اسی داستان کی کہ تھا کی دلیلی میں ہی ہے کہ گئے تھے اسی طرح شاعر نے شہداء کو بیویوں کی لڑائی بتانا ہے سب تقریر کرنا چاہتا ہے بیان

<p>اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہلے ہلے وہ ناز میں بتاں خود آرا کہ ہلے ہلے طاقت ربا وہ اُن کا اشارہ کہ ہلے ہلے وہ باوہ ہا سنے ناب گوارا کہ ہلے ہلے</p>	<p>کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں وہ سبزہ زار ہلے مٹا کہ ہو غضب صبر آتا وہ اُن کی نگاہیں کہ ہف نظر وہ میوہ ہلے تازہ و شیریں کہ واداد</p>
<p>زیب و تیا ہوا سے جس قدر اچھا کہنے ناطقہ سر پر گریباں کہ اسے کیا کہیے حرز باد وے شکر فانی خود آرا کہیے دلِ غریب جگر عاشق شہید لکھیے</p>	<p>ہو چھٹا کے کف دست پہ چکنی ٹلی خامہ انگشت بہ دندان کہ اسے کیا کہیے مہر مکتوب عزیزان گرامی کہیے مستکی آلودہ سر انگشت حسیناں کہیے</p>

کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہو جو فارسی محاورہ تقریباً گردن کا ترجمہ ہو اور
اسے مظاہرہ و تازہ ۱۲ اسلم ہفت نظر چشم بدور اور دو کا محاورہ ہو اس لیے بجا و حالے چلی کے
سے اس کا اصلاح معلوم ہوتا ہو کیونکہ عربی میں ہفت اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہو کہ عام طور
پر کتابت کی غلطی چلی آتی ہو ۱۳ اس نقطہ کو مرزا نے لکھتے ہیں لکھتے کیا تھا جہاں تصنیف کا ذکر ہوا
نے اپنے ایک خط موسومہ مرزا حاتم علی ہر میں اس طرح لکھی ہو تو مولوی کریم میں میرے ایک دست
انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے لیشہ اپنی گفت و سنت پر رکھ کر مجھ کو کہا کہ اس کی
کچھ تشبیہات نظم کیے وہاں میں نے مجھے ایسی شعر کا قطعہ لکھ دیا اور صلی میں وہ ڈلی اُن سے لی اور
میں انگشت پر دندان فارسی کا محاورہ ہو اور اب دو میں بھی مشغول ہو رہی تھی چرت زدہ ہونے کے
اسی طرح سر پر گریباں نکر مند ہونے سے مراد ہو ۱۴ شکر فانی خود آرا حسینان خود آرا اس گرت
نوی معنی دیا اور اچھے کے ہیں ۱۵ مسی آلودہ سر انگشت حسیناں یعنی سر انگشت مسی آلودہ
حسینان انگشت مسی آلودہ حسینان سے وہ انگلی مراد ہو جو بیچ کی انگلی اور چھٹکلیا کے درمیان ہو
ہو کیونکہ عموماً اسی انگلی سے عورتیں مسی لگاتی ہیں اور وہیں اس کو حسنی کی انگلی کہتے ہیں ۱۶

<p>خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے اختر سوختہ نقش سے نسبت دیجیے حجر الاسود و یو ار حرم کیجیے عرض وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاتل تریاق عمو سے میں اسے ٹھہرایے گر مہر نماز کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے کیوں اسے نیکہ پیرا ہن ایسا لکھیے کیوں اسے گدہز نایاب تصور کیجیے اپنے حضرت کے کف دست ان کیون لکھیے</p>	<p>سرستان پری ز او سے مانا کہیے خال مشکین رخ دل کس لبلا کہیے نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے رنگ میں سبزہ نوخیز مسیحا کہیے کدے میں سے خشک خم صبا کہیے کیوں اسے لفظ پر کار تنہا کہیے؟ کیوں اسے نقش پے نافہ سلما کہیے؟ کیوں اسے مرد مکہ ایدہ غنقا کہیے اور اس حکمی سپاری کو سودا کہیے</p>
<p>نہ پوچھ اس کی حیقت حضور والا سبے نہ کھاتے گیوں نکتے نہ خلد سے باہر</p>	<p>جگمگے جو بھیجی ہو بین کی روغنی روئی جو کھاتے حضرت آدم یسین روئی</p>

سلو مانا کہیے۔ مشابہ کہیے۔ یہ محاورہ بھی فارسی کا محاورہ ہو جو مشابہ ماندگی سے مشتق ہو ۱۰
 علقہ کہہ۔ گھنڈی۔ دیکھن اردو میں اس علاقے کو کہتے ہیں جس میں گھنڈی ڈالتے ہیں یہ پتھان
 اصل معنی کے خلاف رواج ہو گیا، بونا فہ سلما۔ سلما کی اونٹنی ۱۱
 تلہ جب بادشاہ بنو طر کوئی عہدہ چیز کو لے تھے تو اپنے مصاحبین کو بھی بطور اولوش اس میں
 سے بھجواتے تھے مرد کو ایک مرتبہ یسین روئی بھی تھی اس کے شکر میں یہ قلعہ مرزا نے
 بادشاہ کے حضور میں لکھ کر بھیجا تھا۔ رباعی نمبر ۱۶۹ بھی اسی قبیل سے ہے اس قطعہ کے
 متعلق مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں ایک لطیفہ بھی لکھا ہے جو یہ ہے کہ جس وقت جو ہار
 بادشاہی۔ اولوش لکھ آیا ایک باہر کا رہنے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا ہو جو دیکھا
 جو ہار (یعنی یہ صفحہ آئندہ)

سہرا

خوش ہوا بخت! کہ ہر کج ترے سر پہرا ۱ | بانہ تہرا دے جوں بخت سر پہرا
کیا ہی اس پاندے کے کھڑے پہچلا لگتا ۲ | ہو ترے جن دل افروز کا زیور پہرا

کے چلے جانے کے بعد اس نے مرزا سے تعجب ہو کر پوچھا کہ ہنس روٹی ایسی کیا نادر چیز ہو کہ بخت
کی سرکار سے بلور اولوش کے فقیر ہوتی ہو۔ مرزا نے کہا کہ اسے حق و چناوہ چیز ہو کہ اس نے
اکس دفعہ جناب الہی میں قریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں مجھے دینے ہیں۔
پیتے ہیں۔ بھیتے ہیں پکاتے ہیں اور مجھ سے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں جیسا
مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا وہاں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیرا سی میں ہو کہ ہمارے
سامنے اسے چلا جاوے نہ ہمارا بھی یہی چاہتا ہو کہ مجھ کو کھا جائیں تو
لے اور ظفر بہادر شاہ کے چھوٹے اور چھوٹے بیٹے جوں بخت کی شاہی کے موقع پر مرزا صاحب
یہ سہرا لکھا تھا۔ شہزادہ جوں بخت نواب زبنت محل کے بطن سے تھے۔ ان بیگم صاحب کو
بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا اسی وجہ سے بادشاہ شہزادہ جوں بخت کو بہت عزیز
رکھتے تھے اور ان کو دلی عہدہ دیتا چاہتے تھے۔ ان کی شادی میں بہت کچھ دعوہ و حرام ہوئی
تھی اس موقع پر بیگم کے ایام سے مرزا نے یہ سہرا کہا اور ایک روز گیارہ گیارہ لکھ کر سونے کی کشتی
میں لگا کر بیٹے نکلتے کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا۔ منقطع کہ سن کر بادشاہ کا خیال
ہوا کہ ان کے ساتھ شاد و ذوق پر تعریف ہو اور یہاں کچھ رٹنا ناگوار گری اس کے جواب میں شاد و ذوق نے
بھی بادشاہ کے ایام سے ایک سہرا اسی رویت و قافیہ میں لکھا تھا جو درج ذیل ہے۔

۱ | جوں بخت نہاںک تجھے سر پہرا آج تو میں وسادات کا تے سر پہرا
آج وہ دن ہو کہ لائے دیر انجم و فلک کشتی در میں بہنو کی لگا کر سہرا

<p>مگر چڑھنا تجھے پھٹتا ہی۔ پہلے طرف کلاہ مٹاؤ بھر کر ہی پڑے گئے ہوں گے موتی سات ویسے فراہم کیے ہوں گے موتی فرخ پر وہ لٹاکے جو گرمی سے بسینا پرکا یہ بھی ایک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہیں ہیں ایک چیز جب کہ اپنے میں سماؤ میں خوشی کے مارے شمع روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک ہمارے شمع کا نہیں۔ ہو یہ رنگ ابرو مبار</p>	<p>مجھ کو ڈر ہی کہ نہ چھینے تو ابرو سہرا وہ نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں ٹنگا کر سہرا تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا ہو رنگ ابرو گریباں سہرا سہرا ہو گیا آن کے دامن کے برابر سہرا چاہیے پھولوں کا بھی ایک کمر سہرا گو نہ ہے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا کیوں نہ دکھائے فروغ مرد و اختر سہرا لائے گا تاپ گراں باری گو ہر سہرا</p>
---	---

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
 دیکھیں کہ یہ کوئی اس سر سے بڑھ کر سہرا

<p>لے شاعری انگریزی لفظ عزیز کو اور دو یا دو اور کبھی ہما لیش جن سے مانند شعلہ خورشید وہ کہے صل علی کہے سبحان اللہ تابیئے اور بنی میں ہے خلاص ہم دھوم ہو کاشن آفاق میں اس سرے کی روئے فرخ چو ہیں تیریے بستے انوار ایک کو ایک پتہ تریں ہو دم آستان ایک گھر بھی نہیں صدکان گھر میں چھوڑا پھرتی خوشبو سے ہوا تراتی ہوئی باد مبار</p>	<p>فرخ پر نور پر ہو تیرے منور سہرا دیکھیں کھڑے چو تیرے مرد و اختر سہرا گو نہ طینے سورہ اخص کو بڑھ کر سہرا گائیں مرغیان تو کس طرح نہ کیونکر سہرا تیار بارش سے بنا ایک سر اسر سہرا سر پہ دستار ہو دشمار کے اوپر سہرا تیرا بنوایا جو ہے لے کے جو گوہر سہرا اللہ اللہ سے پھولوں کا معطر سہرا</p>
---	---

سید احمد شاہ شاہی زبان سے جو لکھا وہی لکھا ہے

مرزا نے اپنے سرے کے جواب میں اثناء ذوق کا سراٹھ کر اس قلعے کو بادشاہ کے حضور میں
پیش کیا تھا۔ عام دیوانوں میں دیگر قطعات کے سلسلے میں اس قلعے کو سرے سے پہلے
جگہ دی گئی تھی۔ لیکن ہم نے واقعہ کے لحاظ سے اس کو سرے کے بعد درج کیا
ہوتا کہ سہرا پڑھنے کے بعد اس کے مطالب بخوبی ذہن نشین ہو سکیں۔ ۱۲۔

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
کچھ شاعری ذریعہ غوت نہیں مجھے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
ماتا کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے
یتاب یہ حال یہ طاقت نہیں مجھے
سو گزادرگواہ کی حاجت نہیں مجھے

منظور ہر گزار تیں احوال واقعی
سو پشت سے ہو پیش آبا سہری
آذادہ رویوں اور مرا مسکاب ہو علاج کل
کیا کم ہے یہ شرف کہ طفر کا غلام ہوں
ہستاد شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال
جامہ جہاں تھا ہی شہنشاہ کا ضمیر

کنا شاہ تھیں فیما ہی تو سر پر سہرا
کھولے تھے کو جو تو منہ ہی ہنسا کر سہرا
وہم تارہ ترے روئے نکو پر سہرا
داسے تیرے ترا ذوق شاگر سہرا

سر پر طرہ ہی زین تو گلے میں ہی
روٹا لی میں مجھے دیوہ و فوٹو شکر
کترت تارہ ترے ہی تماشا یوں کہ
دور غریب اب مضامین ہو بنا کر لایا

جن کو دعویٰ کن ہو یہ ستادہ ان کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

<p>جز انبساط خاطر حضرت نہیں دیکھے دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں دیکھے مقصود اس سے قطع محبت نہیں دیکھے سود نہیں جنوں نہیں حشمت نہیں دیکھے ہوشگر کی جگہ کہ شکایت نہیں دیکھے</p>	<p>میں کن؟ اور بختہ۔ ہاں اس سے بڑا سہرا لکھا گیا زرہ امتثال امر مقطع میں آپڑی ہو سخن گسترانہ بابت روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیہ قسمت بری ہی۔ طبیعت بری نہیں</p>
<p>صادق ہو اپنے قول میں غالب خدا گواہ :- کہتا ہوں تیج کہ بھوٹ کی عادت نہیں دیکھے</p>	
<p>تجھ سے جو اتنی ارادہج تو کس بات ہو مدنی بزم مدد ہر تری ذات ہو غیر کیا خود دیکھے نفرت مری اوقات ہو نسبت اک گونہ مے دل کو تے بات ہو یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہو گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہو</p>	<p>نصرت الملک بہادر! مجھے بتلا کہ مجھے گرچہ تو وہ ہو کہ ہنگامہ اگر گرم کرے اور میں ہوں کہ گرمی میں کبھی خور کروں خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سوزست ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی خزان تو سکندر ہو۔ مرا غصے رہنا تیرا</p>
<p>اے پگڑے نگماں ریو وریا کا۔ زہنا غالب خاک نشیں۔ اہل خوابات ہو</p>	

<p>۹ رکھ دے چمن ہیں بکے کی مشک کی مانند بننے کے کو رہ نہ تا پھرے پلوں کو جائے پناہ ہو جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بشمار چاند</p>	<p>۹ آخر چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست جلتے ہیں سوئے روپے کے چھلے حضور میں یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے</p>
<p>غالب کیا بیاں ہی بجز مدح بادشاہ بھاتی نہیں ہی اب مجھے کوئی نوشتہ خواند</p>	
<p>۱۰ اور غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت تو داکر مے اس عقدے کے کو بھی بشارت کر لب کو نہ دے چشمہ حیواں سے طہارت ہو خضر سلیمان جو کرے تیری وزارت ہو دایغ غلامی ترا تو فتح امارت</p>	<p>۱۰ ای شاہ جہاں گیر جہاں بخش جہاندار جو عقدہ بادشاہ کے کو کشش سے نہ دہار ممکن نہ کرے؟ خضر سکندریہ سے ترا ذکر آصف کو سلیمان کی وزارت کے شرف تھا ہو نقش مریدی تر افرام الہی</p>
<p>۱۱ ماہ صفر کے آخر چار شنبہ کو عوام میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم صحت بچھا جاتا ہے اور اس لیے اس روز خوشی مناتے ہیں اور باغوں کی سیر کر سکتے ہیں اور اس فکدہ میں می خوشی کی طرف اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے زمانہ میں بادشاہ کے یہاں صفر کے آخری بدھ کو خوشی منانی جاتی تھی اور تقریب و طوائف چاندی کے چھلے تقسیم ہوتے تھے۔ ۱۲۔</p>	

تو آگ سے گروخ کرے تاب شراوت باقی نہ رہے آتش سوزاں حرارت ہو گرچہ مجھے سحر طرازی میں بہارت قاصر ہو شکایت میں ہی میری عبارت نظارہ کی صنعت حق۔ اہل بصارت	تو آب سے گر سلیکے طاقت سیلاں ڈھونڈے نہ ملے ہو جہ دریا میں وانی ہو گرچہ مجھے نکتہ سرانی میں تو غل کیوں کر نہ کروں مرج کو میں ختم و عاپرہ نہ نہ آج اور وہ دن ہو کہ ہے ہیں
--	---

بجھ کو شرف مہر جانتا تاب مبارک
غالب کو ترے بقعہ عالی کی زیارت

افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو	۱۱ اس شخص کو ضرور ہو۔ روزہ رکھا کرے روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
--	---

۱۲	ای جہاں دایر آفتاب آثار
----	-------------------------

لہ نظر رگی۔ نظارہ کرنے والا
عنه شرف مہر جانتا تاب مراد شرف آفتاب سے ہو یعنی تحویل آفتاب محل میں جس کو شرف
آفتاب کہتے ہیں بجھ مبارک ہو۔ عقبہ۔ ڈیوڑھی ۱۲۔
عنه یہ قطرہ مرزا نے ماہ مبارک میں ایک روز بادشاہ کے سامنے پڑھا تھا جس کو سن کر
نور محمد شاہ اور مرزا کے مہمانوں نے بے اعتناء رہیں پڑے ۱۲۔
عنه یہ وہ قطرہ ہو جو مصنف نے بادشاہ کے حضور میں اس درخواست پیش کیا تھا کہ ان کی
تغزاه پشتماری پر بلا کر تیغی ماہ بہ ماہ ملے گی۔ چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی تیغی ۱۲۔

تھا میں اک در بند سیتہ نگار	تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشین
ہوئی میری وہ گرمی باز اور	تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
دشمنان تو اب تواسیہ	کہ بھرا مجھ سا ذوق ناچیز
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا غور	گرچہ اندرونی ننگ بے ہنری
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار	کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
بادشاہ کا غلام کا رگزار	شاہ ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار	خاک زاد اور مرید اور مداح
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار	بارے نوکر بھی ہو گیا حاکم
مدعا ئے ضروری الاٹھار	کہ کوئی آپ سے تو کس سے کہوں
ذوق آرائش سر و ستار	پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
بمانہ دے باور مہر یہ آزار	کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر

آسمان اور نگار :- وہ بادشاہ جس کا تخت آسمان ہو۔ جہاندار آفتاب آثار وہ
بادشاہ جس کی روشنی مثل آفتاب کے پھیلی ہوئی ہو چونکہ اس قطعہ میں آگے چلکر
کو جاڑے کے موسم میں سردی کھانے کی تکلیف کا حال بیان کرنا ہوا اس لیے مدوح
کی آسمان آثار کہنا ایک لطیف صنعت ہو ۱۲

دشمنان تو اب تواسیہ :- بسیار یعنی تو اب تواسیہ کے ساتھ پہچاننے لگے ۱۲
تو دوسرے شعر میں ”ہمیشہ سے“ اس طرف اشارہ ہو کہ شاعری ملازمت میں داخل
ہونے سے پہلے بھی مرزا جیتا شاعر یا شاد کی مدح میں قصیدے لارہا کرتے تھے
اور صلہ پاست تھے ۱۲

تو بادشاہ کا غلام کا رگزار :- مہر یہ موسم مہر کے معنی پر آتا ہو ۱۲۔

<p>کیوں نہ دیکھا رہو مجھے پریشانی کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال رات کو آگ اور دن کو دھوپ آگ تاپے کہاں تک انسان؟ دھوپ کی تابش آگ کی گرمی میری تنخواہ چومے تیرے ہی رسم ہر مہرے کی چھ ماہی ایک مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات بس کہ لیتا ہوں ہر پہینے قرص میری تنخواہ میں تسائی کا آج مجھ سا نہیں زمانے میں بزم کی داستان اگر سنیے بزم کا التزام کر کیجے ظلم ہو گرنہ دو سخن کی داد آپ کا بندہ اور پھروں ننگا میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام</p>	<p>جسم بگھتا ہوں۔ ہی اگر چہ نزار کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار بھاڑ میں جاؤں ایسے لیل و نہار دھوپ کھائے کہاں ملک چاند ار؟ وقتا بننا عذاب التار اس کے ملنے کا ہی عجب تنجار خلق کا ہی اسی چلن پہ مدار دور چھ ماہی ہر سال میں دوبار اور رہتی ہے سود کی تکرار ہو گیا ہی شریک سا ہو کار شاعر نعر گوئے و خوش گفتار ہو زباں میری تیغ جو ہر دار ہو قلم میری ابر گو ہر بار قرآن اگر گردن مجھ کو پیار آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار شاعری سے نہیں مجھے سروکار</p>
--	---

تم سلامت ہو ہزار ہر کس	ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
۱۵۔ سید محکم ہوں لاقوم ہو میرا نام شے ہو اند غلبہ میر کبھی کسی پہ نہ تھے	۱۶۔ جہاں میں جو کوئی فتح و فخر کا طالب ہے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
۱۷۔ سہل تھا سہل دے سچت شکل کی پڑی تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد	۱۸۔ مجھ پہ کیا گزرتے گی اتنے روزہ حاضر ہوئے تین سہل تین تبریدیں یہ سب دن ہوئے
۱۹۔ غنیمتہ انجمن طوئے میر ز جعفر ہوئی اسی سے فرخندہ سال میں غالب	۲۰۔ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہی جی محفوظ نہ کیوں ہو مادہ سال ہیوی "محفوظ" ۶۱۸ ۵۴
<p>۱۵۔ سید محکم: سید بخت، شریک غالب: وہ شریک جس کو غالب مہال ہوا اگر کسر ۱۵ غنائی لکھا جائے تو اس کے معنی غالب کا شریک سمجھا جائیگا۔ مصنف کے تخلص نے شریک غالب کے لفظ میں جو لطف پیدا کر دیا ہو وہ ظاہر ہو۔</p> <p>۱۶۔ تین دن سہل لینے کے لیے یونانی طبیبوں کے عمل اور رواج کے موافق ۱۶ دن صرف ہوتے ہیں اس کی تفصیل بیان کر کے اردو کی بھرتی شاعر نے طلب کی ہو۔ سہل سے پہلے کم سے کم تین دن منہج پاتے ہیں اور ہر سہل کے بعد ایک دن تبرید اور پھر تینوں سہل ختم ہو جانے پر تین دن اور تبریدیں ہی جاتی ہیں تبرید سے مراد اس دو اسے ہو جو سہل کے بعد پلائی جاتی ہو۔ قطعہ دربار شاہی کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا گیا ہو ۱۲۔</p> <p>۱۷۔ طوئے کے دے دیا ہو ۱۲۔</p>	

۱۵	ہوئی جب میرزا جعفر کی مشاوی کہا غالب سے بتایا اس کی کیا ہو؟
۱۶	ہوا بزم طرب میں۔ رہیں ناہید تو بلا "الشراح جہن جہن"۔

۱۲۴۰

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
کافوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کہتے تھے سلام
دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں
اس سے ہو یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

رباعیات

۱	بعد از اتمام بزم عید اطفال آپنیچے ہیں تاسو او اتلیم عدم
۱	ایام جوانی رہے ساغر کش حال ای عمر گزشتہ یک قدم استقبال

۱۔ اس قلم میں شاہی دربار میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا دستور بیان کیا گیا ہو جو یہ تھا
کہ جب شاہی کی وجہ سے ملحق ہو پاتھ رکھنے کی جگہ لوگ سیدھا ہاتھ اپنے سیدھے کان پر
رکھ لیتے تھے۔ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم بے خبر ہونا آشنا ہیں
اس لیے مرزا نے اس طریقہ سلام میں نکتہ پیدا کیا ہو کہ وہ لوگ اس طریقے سے سلام
نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے نا آشنا ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ ۱۲۔
۳۔ اس رباعی میں چند روز کے لیے عمر رفتہ کے پلٹ آنے کی تمنا کی ہو۔ ۱۷۔

۱	شب زلفش عرقِ فشاں کا غم تھا رویا میں ہزار آنکھ سے جھٹک	۱	کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا ہر قطرہ اشک، دیدہ پر غم تھا
۲	آتش بادی جو جیسے شغلِ اطفال تھا موجبِ عشق بھی قیامت کوئی	۲	ہو سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال لڑکوں کے لیے گیا ہو کیا کھیل
۳	دل تھا کہ جو جانِ دردِ عمید سی ہم اور فشرون۔ ای تجلیِ افسوس!	۳	بے تابیِ رشک و حسرت دیدہ سی تکرارِ ردائیں تو تجھ پر سی
۴	ہو خلقِ حسدِ قماش۔ لڑنے کے لیے دشتِ کدہ تلاش لڑنے کے لیے	۴	دشتِ کدہ تلاش لڑنے کے لیے دشتِ کدہ تلاش لڑنے کے لیے

۱۔ زلف و روئے یار کے تصور میں جو نشوونما ہے وہی ہے زلف کی سیاہی اور روئے یار کی سفیدی بھی شامل ہے یعنی ہر قطرہ، اشک میں آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہو اس لیے ہزار آنکھ سے دھٹکا ۱۲

۲۔ لڑکوں سے مراد حیثیتان کس ہیں ۱۱

۳۔ جانِ درد و عمید۔ وہ وہ جان جس کا آغاز درد سے ہو یعنی زندگی پر درد۔ سی شعراؤں میں یعنی برداشت کے آداب جو مطلب یہ ہو کہ جب ہم دل رکھتے تھے اس وقت ہم نے زندگی کا درد اور رشک و حسرت دیدہ کی بے تابی کو برداشت کر لیا اور اب تو ہم اس دردِ خسرو کی ایسی نشوونما میں ای تجلی یار اگر نہ ہو تو ممکن نہیں تو تجھ پر سی یعنی تیری تجلی نے جو سوز بگڑا پہلے پیدا کیا تھا اگر وہ مکرر پیدا نہیں ہو سکتا تو اسی کو پھر تازہ کر دے ۱۳

۴۔ حسدِ قماش میں وہی ترکیب ہو جو حسدِ شعار میں ہو مراد حسد سے ہو فطری معنی میں وہ شخص جس نے حسد کا جامہ پہن لیا ہو۔ تلاش سے مراد تلاشِ معاش ہو۔ کاغذِ بادِ پتہنگ

یعنی ہر بار صورت کا غنہ یاد	ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے
دل سخت نژد ہو گیا ہو گویا پیارے کے آگے بول سکتے ہی نہیں	اُس سے گلہ مند ہو گیا ہو گویا قالب مند بند ہو گیا ہو گویا
دل کے پسند ہو گیا ہو غالب والثبات کہ شب کو تینہ آتی ہی نہیں	دل رک کر بند ہو گیا ہو غالب سونا سو گند ہو گیا ہو غالب
مشکل ہو زس کلام میرا اے دل! آساں کہنے کی کرتے ہیں فراموش	سُن سُن کے اُسے مخور ان کا بل گویم مشکل، اوگر نہ گویم، مشکل
<p>شاعر نے اس رباعی میں اپنے زمانہ کے لوگوں کے منافقانہ دوستی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ دنیا میں دو شخصوں کا ملنا ایسا ہے جیسا آپس میں دو پتنگوں کا ملنا کہ ان کے ملنے سے رطما مقصود ہے ۱۲</p> <p>غلہ نژد۔ بہت جلد۔ اس رباعی کے دوسرے مصرعے میں بعض دیوانوں میں "رک" کو یہ تکرار لکھا ہے جس کی وجہ سے وزن رباعی سے دو حرف نہاد ہو جاتے ہیں اور یہ تکرار غلط ہے ۱۲</p> <p>۱۲۔ اس رباعی کے مصرعہ آخر کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مخیر ان کامل کی یہ فراموش کہ میں عام فہم شہریوں اگر پوری کروں تو یہ مشکل ہو کیونکہ میری طبیعت کے خلاف ہے اور اگر ان کی فراموش پوری نہ کروں تو وہ بڑا مانتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مخور ان کامل کی فراموش پوری نہ کرنے کی وجہ اگر صاف صاف کہتا ہوں تو ان کو کد نہ ہن ہوتا ظاہر ہوتا ہے اور اگر صاف نہیں کہتا ہوں تو میں لازم ٹھہرتا ہوں ۱۲۔</p>	

<p>۹ ہو لطف و عنایت شہنشاہ بہ دال ہو دلنشاین و انش و داد کی دال</p>	<p>بھیجی ہو مجھ کو شاہ حجاہ نے دال یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال</p>
<p>۱۰ آتش پر جلالی و جمالی باہم ہو ایک شب قدر و دال باہم</p>	<p>ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم ہو شاد نہ کہیں سافل و عالی باہم</p>
<p>۱۱ شاہ شیریخ دانش و داد کرے ہو صفر کہ افزائش اعداد کرے</p>	<p>حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے یہ دی ہو گئی ہو کشتہ عمر میں گانہ ٹھ</p>
<p>۱۲ اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا ایسی گر ہیں ہزار ہوں بلکہ سوا</p>	<p>اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا ہر سیرٹے کو ایک گرہ فرعن کریں</p>
<p>یہ شاہ پسند دال سے مراد مونگ کی دال سے ہے جو بادشاہ کے یہاں نہاں اختتام سے پکا کرتی تھی۔ اس کو بادشاہ پسند کہتے تھے۔ اس دال کا اول و ثانی پہنچنے کے شرک میں یہ رہا تھی لکھی گئی تھی۔ یہاں نمبر ۱۱ بھی اسی قسم کے لکھی گئی تھی ۱۲۔ یہ یہاں سافل سے مرتبہ سافل مراد ہے اور دیوالی کی بہت پرستی کی طرف اشارہ ہو عالی سے عبادت شب قدر مراد ہے ۱۲۔ یہ رہا تھی اور رہا تھی نمبر ۱۲۔ بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب میں لکھی گئی تھی نہایت لطیف پیرایہ میں دونوں ترقی عمر کی دعاؤں پر مشتمل ہیں ۱۲۔</p>	

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا	۱۳	عشاق کی پریشانی سے اُسے غائب کیوں کر مانوں کہ اُس میں تلواریں نہیں
ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کہتے ہیں کہیں خدا سے "اللہ اللہ"	۱۴	کرتے ہیں دزدانِ بزم کرنے والے وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے
ساملین خیر و غائب کہاں سے لاؤں؟ روزِ حمرایہ بیان ہو غایتِ بیکین	۱۵	آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟ حسنِ خانہ و برونِ آب کہاں سے لاؤں؟
ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے کن کر دیوں گے ہم دعا میں سو بار	۱۶	بھیجے ہیں چار مغاں شہر والے فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دلے

ان ظلم سے ہاتھ اٹھانا۔ ظلم سے دست بردار ہونا یعنی ترک کرنا اس رباعی میں عاشق و مضمون
توایت نامہ و بصورتی سے باندھا گیا اور بالکل اچھوتا خیال ہو ۱۲

۱۵۔ رباعی قطعہ نمبر ۱۱ کے ساتھ ماہ مبارک میں بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی تھی۔ مطلب

صاف ۱۲۔

۱۶۔ سیم کے بچوں کی ترکاری سے مراد ہے جو بادشاہ نے بطور تحفہ بھیجی تھی۔ آخر مصرعہ میں فیروزہ
کی تسبیح میں مناسبت سے کسی ہو کہ فیروزہ اندے کی شکل ہوتا جو سیم کے بیج سے مشابہت

رکھتا ہے ۱۲۔

۱۷ بقدر کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے
 حاجی کھوکھو کو دیکھے بے وجہ جواب
 ۱۸ شائبہ، حرکت پر کی ہو بیجا تم نے
 غالب کا پکا دیا کیچا ۔ تم نے

۱۹ اور روشنی دیدہ شہاب الدین خاں
 ہوتی ہو تو ایسے سے فرصت کتابت
 ۲۰ گستاہی بتاؤ کس طرح سے رمضان
 سننے ہو تو اوتھیں کتنا قرآن

وہ اشعار اور قطعات دیوان مروجہ میں نہیں ہیں

قصیدہ (۱۱)

یہ وہ قصیدہ ہے جو مردانے نواب کلب علی خاں بہادر خاں، اشیاں دہلی رانیہ کے غسل صحت
 کی مبارک تقریب میں لکھا تھا چونکہ یہ قصیدہ مردانہ کی آخر عمر کا کلام ہے لہذا دیوان کے طبع ہونے کے بہت دن
 بعد تصنیف ہوا تھا اس لیے دیوان میں شامل نہیں ہو۔ یہ قصیدہ نواب مرزا سعید الدین احمد
 خاں صاحب طالب و بلوچی مرحوم جائگروار ریاست دیوار کے ذریعہ سے رسالہ کمالی
 دہلی تک پہنچا رسالہ مذکور کی اشاعت ماہ جنوری ۱۹۱۷ء سے شروع ذیل کیا جاتا ہے ۱۲۔

مرحباً سال سنہ رخ آئین ۱ | عید شوال و ماہ فروردین ۱۳۰۵

۱۳ یہ دونوں رباعیاں نمبر ۱۱۱۱-۱۱۱۲ کے دوٹے محلے سے لی گئی ہیں کسی دیوان میں شامل
 نہیں تھیں مردانے ایک خط میں مولانا علانی کو لکھ کر بھیجی تھیں ۱۲۔
 ۱۴ فروردین و ایرانی سال کا پہلا مہینہ جو موسم بہار میں ہوتا ہے اور تقریباً انگریزی
 ماہ مارچ یا اپریل سے مطابق ہوتا ہے ۱۲۔

شب و روز افتخار لیل و نہار
گرچہ ہو بعد عیب کے نور و نہار
سوا اس اکس دن میں ہولی کی
شہر میں کو پہ کو عبیر و گلال
شہر گویا ہونہ گلزار
تین تیر ہار اور ایسے خوب
پھر ہوئی ہو اسی پہننے میں
محل غسل صحت نواب
بزم گہ میں امیر شاہ نشان
یشگاہ حضور شوکت و جاہ
جن کی مسند کا آسماں گوشہ
جن کی دیوار قصر کے نیچے
دہر میں اس طرح کی بزم سرور
انجم چرخ گوہر آگیاں فرش
راجہ اندر کا جو دکھاڑا ہو
وہ نظر گاہ اہل وہم و خیال
یہ وہ سال اشرف شہور و سنین
لیکھا پیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
جا بجا مجلسیں ہو میں رنگیں
باغ میں سو بسو گل و نسریں
بلغ گویا نگار خانہ چیں
جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں
منعقد محفل نشاط تہریں
دوق افزائے مسند رتہیں
بزم گہ میں حریت شیر مکیں
خیر خواہ جناب دولت و دیں
جن کی خاتم کا آفتاب نگیں
آسمان ہو گدائے سایہ نشیں
نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں
تو بے ماہ سا غریبیں
یہ وہ بالائے سطح چرخ بریں
یہ ضیاء بخش چشم اہل یقین

شب و روز افتخار لیل و نہار
گرچہ ہو بعد عیب کے نور و نہار
سوا اس اکس دن میں ہولی کی
شہر میں کو پہ کو عبیر و گلال
شہر گویا ہونہ گلزار
تین تیر ہار اور ایسے خوب
پھر ہوئی ہو اسی پہننے میں
محل غسل صحت نواب
بزم گہ میں امیر شاہ نشان
یشگاہ حضور شوکت و جاہ
جن کی مسند کا آسماں گوشہ
جن کی دیوار قصر کے نیچے
دہر میں اس طرح کی بزم سرور
انجم چرخ گوہر آگیاں فرش
راجہ اندر کا جو دکھاڑا ہو
وہ نظر گاہ اہل وہم و خیال

۱۱۔ شہور جمع شہر یعنی ماہ اور سنین۔ سن کی جمع ہو جس کے معنی سال کے ہیں ۱۱
۱۲۔ نگار۔ یعنی نقش و تصویر بجا از معشوق کو بھی کہتے ہیں اور مسند کا سے عورتیں
۱۳۔ پانچ پانچ پر جو نقش بناتی ہیں اس کو بھی کہتے ہیں ۱۲۔

<p>وال کہاں یہ عطا و بذل و کرم یاں نہ میں پر نظر جاں تک جائے نغمہ مطربان نہ ہرہ نو آتش اکھاڑے میں جو کہ ہو نفلون سرو بہ ہر فر ہوا جو سوار سب نے جانا کہ ہو پری تو سن نقش تہم سمت سے یک سر فوج کی گرد راہ مشک فشاں سین کہ بخشی ہو فوج کو عزت موبک خاص یں زمین پر مٹھا</p>	<p>کہ جاں گدے گر کا نام نہیں زالہ آسا بچھے ہیں در نہیں جلد لولیان ماہ جہیں یاں وہ دیکھا چشم صورت ہیں بہ کمال تھل و سہ تر نہیں اور پالی پری ہو دارمن زیر بن گیا و مشت و امن گل چیں رہ رووں کے مشام عطر آگین فوج کا ہر پیادہ ہو فرزین جس طرح ہو سپہ پر وین</p>
--	--

لے گریہ بافتح گ نارسی یعنی دروزہ ۱۲۔

یعنی راجہ اندر کے اکھاڑے کو جن پر یوں سے نسب کیا جاتا ہو وہ خیالی اور وہی صوبہ
ہیں یہاں وہ صورتیں جسم کل میں موجود ہیں جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہو نفلون بمعنی خیالی ۱۲۔
سلف ہر فر ہوا جو سوار ۱۲۔

لے اس شعر میں شاہی زمین کے دارمن کو پری کے بازو سے تشبیہ دی ہے ۱۲
شہ فرزین بجز گھوڑے کے اور سب سواروں کی چائیں چل سکتا ہو اس لیے شطرنج میں سب
زیر دست سوار وہی ہو۔ اگر حریف مقابل کا کوئی پیادہ بڑھتے بڑھتے فرزین کے قاعدہ میں
جائے تو وہ خود فرزین بن جاتا ہے شاعر کا اشارہ پیادہ کو فرزین بننے سے شطرنج کی اس چال
کی طرف ہے ۱۲۔

جس موبک سوار ہونے کو کہتے ہیں اور سواروں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں موبک خاص
شاہی سوار مراد ہے ۱۲۔

<p>چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام اور داغ آپ کی غلامی کا بنامہ پر و شناط سراسر ازی سے آپ کی مدح اور میرا مستہ اور پھر آپ کہ ضعف پیری سے پیری و نیستی! خدا کی پناہ صرف اظہار ہی ارادت کا مدح گستر نہیں دعا گو ہی ہی دعا بھی یہی کہ دنیا میں</p>	<p>ران پر داغ نازہ دیکے وہیں خاص بہرام کا ہنر پائیں مدعا عرض فن شعر نہیں گر کہوں بھی تو اُسے کس کو یقین ہو گیا ہوں نرا روزار و خریں دست خالی و خاطر غمگیں ہو قلم کو جو سجدہ ریزہ میں غالب عاجز نیا نہ آگیں تم رہو زندہ جاویداں آئیں</p>
--	---

قطع

<p>ایک اہل درو نے سنسان دیکھا جس بال و پرو چاہہ دکھلا کر کہا صیاد نے</p>	<p>یوں کہا آتی نہیں کہیں اب صد اعند لب یہ نشانی رہ گئی ہو اب بجا غم لب</p>
--	--

لہ گو کے نوی معنی بڑا دھمکل کے ہیں گور خراب ضاعت مطلوب جنگلی گدھے کو کہتے ہیں اور گور خراب
خرمینی تنہا گور بھی یعنی خرما کی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں گور کے یہی معنی ہیں۔ بہرام۔ عراق کے
ایک بادشاہ کا نام تھا جو اپنے محل کے لیے مشہور تھا۔ چونکہ یہ بادشاہ گور خراب کے شکار کا شائق تھا
اس لیے اس کو بہرام گور خراب کہنے لگے۔ اسی مناسبت سے بہرام اور گور دونوں لفظ اس
شعر میں درج لے استعمال کیے ہیں ۱۲۔

۱۳ سب سے پہلے ابن قطلوبغا کا اضافہ طبع سوم میں کرتے ہوئے ہم نے یہ ظاہر
کر دیا تھا کہ بعض نقادان سخن ابن قطلوبغا کے طرز بیان کو حضرت غالب کے رنگ سے

<p>۱۸ مٹھا اکٹن بگولاسا جو پھر میں خوشی نظر آئی مجھے اک طائر مجروح پر بستہ کہا میں نے کہ ادگنام آخر ماب کہ کیا ہنسنا کھل کھل کر پہلے پھر مجھ کو بھیانا کہا میں خید ہوں اس کا کہ جس کے دم لیب میں اسی کی زلف و رخ کا دھیان کوشام و صبح پچھتم غور جو دیکھا مرا ہی طائر دل تھا</p>	<p>۱۹ پھر آسم سر گھبرا گیا تھا جی بیا باں سے ٹکٹا تھا سر شوریدہ دیوار گلستان سے پڑا ہو کا تم مجھ کو کس شکر آفت جاں سے تو یہ رویا کہ جوئے خون ہی لگوں گے ران سے پھنسا کرتے ہیں طائر روز آ کر باغ غصوں سے مطلب کفر سے روانہ ہی مجھ کا مہمیاں سے کہ جل کر مہم گیا یوں خاک میری ہ سور اس سے</p>
---	---

قطبہ تالیخ

اس کتاب حرب نصاب نے جیا ۴ آب و تاب طبع کی پانی

جو رنگانہ سمجھتے ہیں۔ اس پر بھی طبع سوم کے زخروں میں سے بعض اہل اربائے حضرات شکایت کی کہ ان قلمی تذکرہ بیان غالب میں جگہ دینا غالب کے کام کی توہین کرتا ہے۔ میں نے نواب محمد امجد علی سے ان کے متعلق دریافت کیا وہ فرماتے تھے کہ وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب ہوتا مصنف ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک بندہ گ سے سنے تھے جو ان کو غالب کے منسوب کرتے تھے لیکن اس کو غالب کا یہ ابتدائی کلام ہو۔

(والہدیا عسلم)

لے شکر کا دست زبردستی کہ وہ اپنے دو ان کے آخر میں ان قلمی تالیخ کو بھی لکھ دیتے ہیں جو وہ اپنے حباب کی تصانیف میں کسی اور تقریب کی یا انکار میں لکھتے ہیں۔ غالب کے اردو دیوان کے آخر میں ایسے صرف دو قطع نظر آتے ہیں جو ہر سہ دہ پطعات کے ذیل میں درج ہیں۔ یہ قطع تالیخ دیوان میں نہیں جو اس کو غالب نے تذکرہ سرایا سن کی اشاعت کی یا انکار میں جو لکھتے ہیں۔ یہ قطع تالیخ میں قطع تالیف کیا تھا جو کہ غالب کو فی تالیخ گوئی سے زیادہ گوارہ تھا۔ ان کی یاد

فکر تاریخ سال میں مجھ کو ہند سے پہلے سات سات کے دو اور پھر ہند سے تھا بارہ کا سال بھری تو ہو گیا معلوم مگر اب ذوق زلہ سنجی کو سات سات ہوتے ہیں چودہ غرض اس سے ہیں چار وہ معصوم اور بارہ امام ہیں بارہ	ایک صورت نئی نظر آئی دیے ناگاہ مجھ کو دکھائی ہزار ہاں ہزار زیبائی بے ثمول عبارت آرائی یہ حد اگانہ کار فرمائی ہمیں سعادۂ افزائی جن سے ہی چشم و جاں کو زیبائی جن سے ایمان کو ہی توانائی
--	--

ان کے غالب یہ سال اچھا ہی
جو ایسے کے ہیں تو لائی

طبع ہوا تھا تصنیف کیا تھا چونکہ غالب کو فن تاریخ گوئی سے زیادہ لگاؤ تھا ان کو مادہ تاریخ
تلاش کرنے میں ہمیشہ لہجہ ہوتی تھی جیسا کہ ان کے متعدد خطوط سے ظاہر ہے لیکن جب وہ
احباب کی فرمائش سے تنگ آجاتے تھے تو نئے طریقے اختیار کرنے سے جیسا کہ اس تاریخ
سے ظاہر ہے تو بصورتی کے ساتھ چھڑکا رہا
حاصل کیا کرتے تھے۔

غزل

شب وصال میں بولیں گیا ہوں تنکیہ
خراج باوشہ چس کیوں نہ مانگوں آج
بنا ہی تختہ گل ہلے یا سہیں بستر
فروغ حسن سے روشن ہو غوا بگاہ تمام
مزلے کو کیا خاک ساتھ سونے کا
اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر
ہوا ہی کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
بضر بے تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
یہ رات بھر کا ہی ہنگامہ صبح ہوئے تک
اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن
غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو
شب فراق میں یہ حال ہو اذیت کا
روا رکھو نہ دھو تھا جو لفظ "تنکیہ کا رام"
چم اور تم غلاب پیر جس کو کہتے ہیں

۵ ہوا ہی موجب آرام جان و تن تنکیہ
کہ بن گیا ہی خم جدید پر شکن تنکیہ
ہوا ہی دستہ نسرين و نسترن تنکیہ
جو خست خواب ہو پروین تو ہی ملن تنکیہ
رکھے جو بیچ میں وہ شمع خیم تن تنکیہ
اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تنکیہ
اگرچہ زانوئے تل پر رکھے دامن تنکیہ
کہ ضرب تیشہ پہ رکھتا تھا کوہن تنکیہ
رکھو نہ کسم پورے اہل انجمن تنکیہ
اٹھائے کیونکہ یہ رخ خستہ تن تنکیہ
ہوئی ہو اس کو مری نفس بے کفن تنکیہ
کہ سامنے فرش ہو اور سب کا ہو من تنکیہ
اب اس کو کہتے ہیں اہل سخن "تنکیہ"
فقیر غالب مسکین کا آؤ کہن "تنکیہ"

۱۵ غزل الاملاں کا مکملہ ملبوعہ ۷۲ رجوعاتی سہ ۱۹۱۴ء سے لکھی ہوئی ہے۔ ۵ بندہ گوشت نے حضرت غالب
وہابی کے حوالہ سے اس غزل کو مرزا نے غیر ملبوعہ کلام کے ذیل میں شائع کیا تھا ۱۲۔

کپڑوں میں چوبیس بچے کے ٹانگوں سے سوا ہیں	جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتار بلا ہیں ۶
<p>تم ہو بے داد خوش اس سے سوا اور سی ہیں ہوسن ہیشہ بہشت نہ ہو اور سی تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سی آپ کا شیوہ انداز و ادا اور سی کعبہ اک اور سی، مقابہ نما اور سی خلد بھی باغ ہی خیر آری ہو اور سی سیر کے واسطے تھوڑی سی قضا اور سی زہر کچھ اور سی آپ بختا اور سی ایک بے داد گر بیخ نسا اور سی</p>	<p>میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سی ، خیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرت ماہ تم ہو بخت پھر تمہیں بندای خدا کی کون سی حسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہے کو کبھی تیرے کوچہ کا ہی مائل دل مضطر میرا کوئی دنیا میں گر باغ نہیں ہو واعظ کیوں نہ فردوس میں موت کو ملا لیں بارب مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں مجھ سے غالب یہ علانی نے غزل اکھوائی</p>
ہر ساحشور انگلستان کا	بش کہ فعال مایہ یہ ہو آج ات
<p>۱۔ مرزا صاحب اتفاقاً قید ہو گئے تھے وہاں کپڑوں میں چوبیس بچے تھے۔ ان کو مرزا چن بہتے تھے ایکسٹریس نے جا کر پیش مزاج کی۔ مرزا نے فی البدیہہ شعر پڑھا بچے کے ٹانگوں سے پتوں کی تشبیہ کس قدر تمام اور نفیس ہو ۱۲۔ ۲۔ غزل مرزا نے دیوان ریختہ مرتب ہونے کے بعد ۱۸۸۵ء میں مولانا علانی نے شاگرد رشید کی لکھ کر بھیجی تھی اس لیے اہل دیوان میں شامل نہیں ہو سکا اور دو نے مولانا کی کینہ لکھا تھا دیکھ تو مرزا نے ۱۸۸۵ء کے بعد گام کے بعد پہلے کے حالات سے متاثر ہو کر لکھا تھا ۱۸۸۵ء سے لیا گیا ہو فعال۔ کرنے والے۔ مایہ یہ جس کام کا ارادہ کیا گیا ہو۔ سلحشور۔ وہ فوجی شخص جن کے ہم پر اسلحہ ہے ہوں اور تو اعدا کرنے میں اسلحہ کی جھنکار مٹانی دے ۱۲۔</p>	

<p>نہرہ ہوتا ہی آبِ انساں کا گھر بنا ہی نمونہ زنداں کا تشنہ خوں ہی ہر مسلمان کا آدمی واں نہ جا سکے یاں کا وہی رونا تن و دل و جاں کا سوزش دا غنا ہے نہاں کا ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا کیا نئے دل سے داغ ہجراں کا</p>	<p>گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے چوک جس کو کہیں وہ قتل ہی شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا گاہ جل کر کیا کیے شکوہ گاہ رو کر کہا کیے باہر سہم اس طرح کے وصال سے یارب</p>
<p>نگہیں میں جوں شراب سنگ پید ہوا کہ داغ آرزو بوسہ و تباہی پیام اُس کا مبادا ہو غناں کیے تغافل طعن عام اُس کا</p>	<p>۹ یہ بہن شرم ہو باوصف شوخی اہتمام اُس کا مسی آلودہ ہی مہر نو از ش نامہ ظاہر ہو ہامیز نگاہ ص ہوں محل کش حسرت</p>
<p>۱۰ شوخی چشتی افسانہ فہون خواب تھا ناخن غم یاں میر تارِ نفس، مفراب تھا وہ دل سوزاں کل تک شمع ماتم خانہ تھا غالب ایسے گنج کو شایاں ہی دیرانہ تھا</p>	<p>۱۰ شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل پتیاب تھا واں ہجومِ نغمہ ہائے سایہ عشرت تھا ۱۱ وہ کو آج اُس کے ماتم میں یہ پوچی ہوئی شکوہ یا ماں غبارِ دل میں نہاں کر دیا</p>
<p>۱۲ رنگ ہوتا ہی گستاخ کے ہواداروں کا</p>	<p>پھر وہ سوئے چمن آتا ہی خدا خیر کرے</p>

مغز و پی تشیش ہوئی - افراط انظار	۱۳	چشم کشودہ حلقہ پروں درہی آج
تیر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب	۱۴	جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
دکشی کو نہ سمجھ بے حاصل	۱۵	بادہ غالب عرق بید نہیں
ہو نزاکت بس کہ فصل گل میں مہار چمن	۱۶	قالب گل میں ڈھلی ہو غشت دیوار چمن
ظاہر میں میری شکل ہے انیس کے نشان	۱۷	خایہ الم سے پشت یہ دندان گزید ہوں میں عند لب گلشن نا آفریدہ ہوں
ابر و تار ہو کہ بزم طرب آمادہ کر	۱۸	برق ہنستی ہو کہ فرصت کوئی دم ہو کم
ہندوستان سایہ گل پائے تخت تھا	۱۹	جاہ و جلال عہد وصال تباہ پوچھ عرصہ فضا کے مینہ در و امتحان پوچھ
<p>کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ ہاں درو جدائی اسدا لہ خاں پوچھ</p>		
<p>اس غزل کے صرف دو شعر اصل دیوان میں روایت ۷ کے تحت ہیں درج ہیں ۱۲</p>		

<p>۲۰ جان جائے تو بلا سے کہیں دل آئے دوست جو ساتھ مرے تالابِ ساقی آئے ساتھ حجاج کے اکثر کی منزل آئے وہ برہم زن ہنگامہ محفل آئے دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے عکس تیرا ہی گرتیرے مقابل آئے</p>	<p>لطفِ نظارۂ قاتل ویم بسمل آئے ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گوری وہ نہیں ہم کہ لچلے جائیں جرم کو ایسی شیخ آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکارا مٹھتے ہیں دیدہ خوں باہر دستِ آفے آج نہ ہم سلمانا حور و پری نے نہ کیا ہی نہ کریں</p>
<p>اب ہو دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے</p>	
<p>۲۱ خائے بچہ صیاد مرغِ رشتہ برپا ہو</p>	<p>ہجومِ ریزشِ خوں کے سب ٹانگ نہیں</p>
<p>۲۲ آنسو کی بوند گو ہر نایاب ہو گئی</p>	<p>غائب ہیں کہ سو کھگئے چشم میں سرشاک</p>
<p>۲۳ کہ چشمِ تریں کیلئے دل لائے درگل ہو</p>	<p>بہا ہواں تک شکوں میں غبارِ کلفِ خاطر</p>
<p>۲۴ تکلفِ برطرف تجھ سے تری تصویر تیر تو</p>	<p>کمالِ حسن اگر موقوف اندازِ تفاعل ہو</p>
<p>۱۷ حضرت نواب یوسف علی خاں ناظمِ عالی رام پور کی طرف اشارہ ہے وہ غزل ہی جو یہم پور سے حضرت کے وقت لکھی تھی چونکہ یہ ان اس وقت مرتب ہو کر چھپ چکا تھا اس لیے اس میں نہیں</p>	

جیراں ہوں شوخی رگ یا قوت کچھ کر	۲۵	یاں ہو کہ صحبت حاصل آتش براب ہو
چند تصویریتاں چند حسینوں کے خطوط	۲۶	بعد مرنے کے مرے گھر و پیاماں نکلا

تمام شد

اس شعر اکثر لوگوں کی زبان پر ہے لیکن اس کے اہل مصنف کے نام سے لوگ نا آشنا ہیں۔ میر تقی میر کا شعر بتاتے ہیں۔ بعض مرزا غالب کا۔ لیکن کلیات میر میں اس کا پتا نہیں۔ نہ دیوان غالب میں۔ لیکن حضرت شوکت جگر امی نے اس شعر کے بابت اردو کے مہلی علی گڑھ مہلیہ ستمبر ۱۹۱۱ء میں اپنے ایک بزرگ کے والد سے لکھا تھا کہ اپنی اس مشہور غزل "قیس نقویہ کے پر وہ میں بھی عریاں نکلا" میں بعد طبع دیوان مرزا نے اس شعر کا اضافہ کیا تھا۔ عجیب نہیں کہ حضرت شوکت کا یہ بیان صحیح ہو کیونکہ اس شعر کے تہہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ مرزا جیسے قادیان کلام شاعر کے قلم سے نکلا ہو ۱۲

